دفاعِ امامِ ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ

13-63

تالیف

مولانا **عبد القیوم حقانی**

جس میں امامِ اعظم ابو حنیفہؒ کی سیرت و سوانح، علمی و تحقیقی کارنامے، تدوینِ فقہ، قانونی کونسل کی سرگرمیاں، دلچسپ مناظرے، حجیّتِ اجماع و قیاس پر اعتراضات کے جوابات، حیرت انگیز واقعات، نظریۂ انقلاب و سیاست، فقہِ حنفی کی قانونی حیثیت و جامعیت، تقلید و اجتہاد کے علاوہ قدیم و جدید اہم موضوعات پر

سیر حاصل تبصرے

القاسم اکیڈمی ۰ جامعہ ابو ہریرہ
برانچ پوسٹ آفس خالق آباد ضلع نوشہرہ سرحد پاکستان

13

دفاعِ امام ابوحنیفہؒ

تصنیف

مولانا عبدالقیوم حقانی

جس میں امام اعظم ابوحنیفہؒ کی سیرت وسوانح، علمی وتحقیقی کارنامے، تدوینِ فقہ، قانونی کونسل کی سرگرمیاں، دلچسپ مناظرے، حجیتِ اجماع وقیاس پر اعتراضات کے جوابات، حیرت انگیز واقعات، نظریۂ انقلاب وسیاست، فقہِ حنفی کی قانونی حیثیت وجامعیت، تقلید واجتہاد کے علاوہ قدیم وجدید اہم موضوعات پر سیر حاصل تبصرے

القاسم اکیڈمی جامعہ ابوہریرہ برانچ پوسٹ آفس خالق آباد نوشہرہ

فون وفیکس : 0923-230237-630094

2010

نام کتاب	:	دفاع امام ابوحنیفہ
تالیف	:	مولانا عبدالقیوم حقانی
کمپوزنگ	:	جان محمد جانؔ ' رُکن القاسم اکیڈمی
پروف ریڈنگ	:	مولانا قاری محمد شاہ' قاری محمد قاسم شاہ' مانسہرہ
ضخامت	:	361 صفحات 83960
تعداد	:	1100
تاریخِ طباعت دوازدہم	:	رجب المرجب ۱۴۳۱ھ/ جولائی 2010ء
ناشر	:	القاسم اکیڈمی' جامعہ ابوہریرہ خالق آباد نوشہرہ

ملنے کے پتے

☆ صدیقی ٹرسٹ' صدیقی ہاؤس المنظر اپارٹمنٹس 458 گارڈن ایسٹ، نزد لسبیلہ چوک کراچی

☆ مولانا سید محمد حقانی ' مدرس جامعہ ابوہریرہ، خالق آباد، ضلع نوشہرہ

☆ کتب خانہ رشیدیہ ' مدینہ کلاتھ مارکیٹ ' راجہ بازار ' راولپنڈی

☆ مکتبہ رشیدیہ ' سردار پلازہ ' جی ٹی روڈ ' اکوڑہ خٹک ' نوشہرہ

☆ مکتبہ عمر فاروق' شاہ فیصل کالونی' کراچی ☆ مکتبہ رحمانیہ' اردو بازار ' لاہور

☆ مکتبہ حقانیہ ' ہسپتال روڈ ' ملتان

☆ مولانا خلیل الرحمٰن راشدی صاحب' جامعہ ابوہریرہ' چنوں موم ضلع سیالکوٹ

اس کے علاوہ پشاور کے ہر کتب خانہ میں یہ کتاب دستیاب ہے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
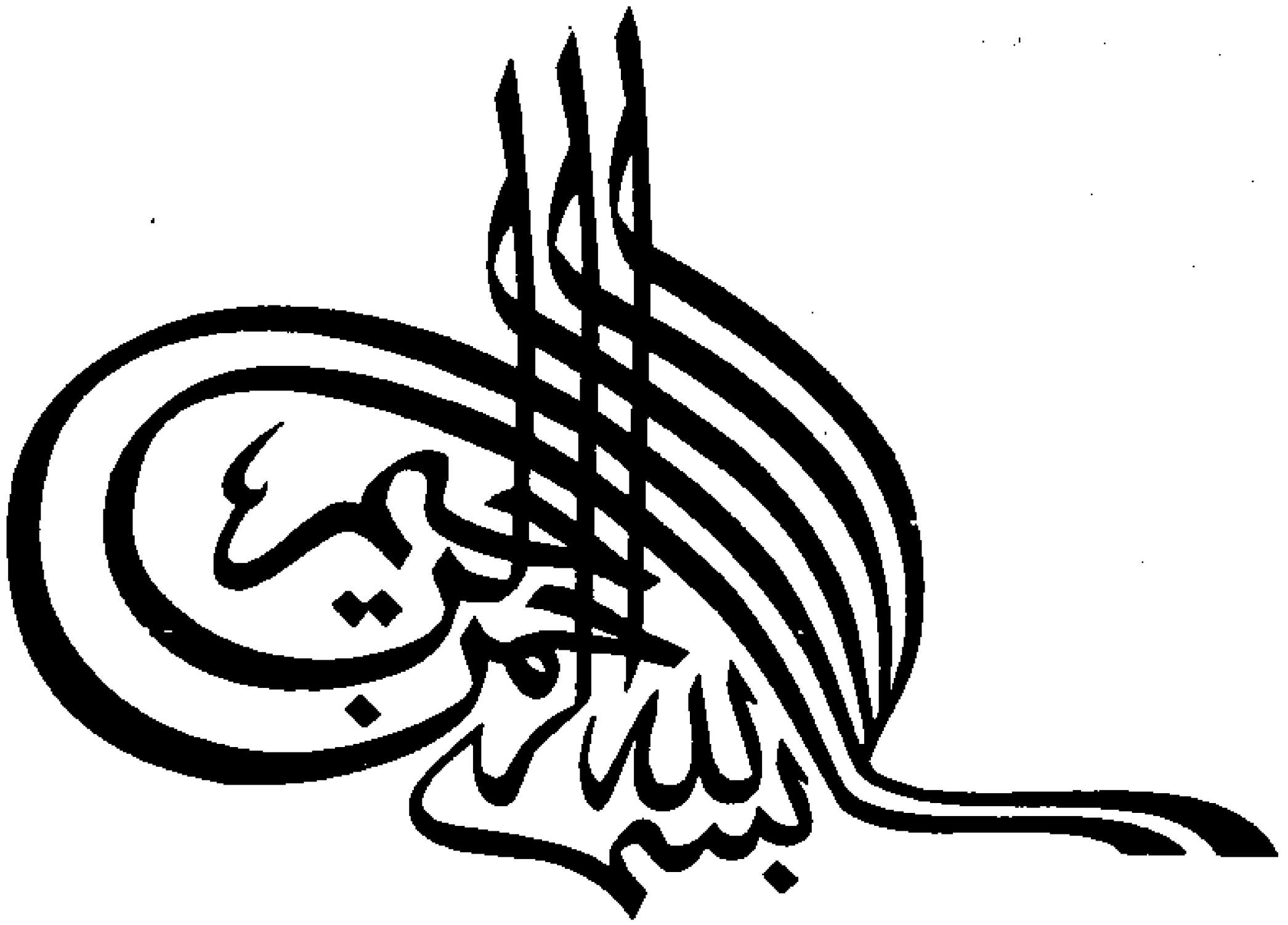
ضروری گذارش

القاسم اکیڈمی کے خدام اپنے تئیں پروف ریڈنگ اور تصحیح کا بھرپور اہتمام کرتے ہیں مگر پھر بھی بندے کی کتاب ہو اور بندے کا کام' تو غلطی کا احتمال باقی رہتا ہے۔ آپ کی خدمت میں گذارش یہ ہے کہ کوئی بھی غلطی نظر سے گذرے' قرآنی آیات' احادیث' زبر' زیر' پیش' اردو الفاظ' جملے کی ترکیب یا حوالہ جات' کوئی بھی غلطی ہو تو مہربانی فرما کر اللہ کی رضا کے لئے اسے ضرور تحریر فرمائیں تا کہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی اصلاح کی جاسکے۔ واجرکم علی اللّٰہ۔

عبدالقیوم حقانی

آئینۂ کتاب ...... دفاعِ امام ابوحنیفہؒ

باب ۱۳

تقلید کی ضرورت، مذہبی آزادی کی مضرت، اجتہادِ مطلق کی شرعی حیثیت، نظریۂ نیم تقلید اور بے جا توسع کی مذمت

☆☆☆☆☆☆☆

☆☆☆☆☆

☆☆☆

☆

نعمان کی دقیقہ سنجیاں

امام موفق مکی نے کہا ہے ....

اَیَا جَبَلَیْ نُعْمَانَ اِنَّ حَصَا کَمَا
لَتُحْصٰی وَ لَا یُحْصٰی فَضَائِلُ نُعْمَانٖ
جَلَائِلَ کُتُبَ الْفِقْهِ طَالِعْ تَجِدُبِهَا
دَقَائِقَ نُعْمَانٍ شَقَائِقَ نُعْمَانٖ

۱۔ اے نعمان نام کے دو پہاڑ تمہاری کنکریاں گنی جا سکتی ہیں اور حضرت نعمان کی خوبیاں نہیں گنی جا سکتیں۔

۲۔ فقہ کی بڑی کتابوں کا مطالعہ کرو تو اُن میں تم پاؤ گے نعمان کی دقیقہ سنجیاں شقائق نعمان ہیں۔

''ابجدی منجد'' میں لکھا ہے کہ ربیع کے موسم میں مختلف اقسام کے سرخ رنگ کے پھول ہوتے ہیں، جیسے شقّارِ احمر، حوذان، زھارین، ان سب کو شقائقِ نعمان کہتے ہیں۔

اِفتتاحیہ

محدث کبیر استاذ العلماء شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہ
بانی و مہتمم دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک نوشہرہ

نحمدهٗ و نصلی علیٰ رسوله الكريم

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کی عظمت و مقام اور خدمتِ خلق فقہ و قانون اور اُمت کے سب سے بڑے حصے کے مقتداء اور امام ہونے کے پیشِ نظر ان کے حاسدین و مخالفین بھی اسی تناسب سے آگے بڑھنے کی کوشش کر رہے ہیں، مگر ہر دور میں اکابر علماء، ائمہٴ مجتہدین، تابعین، تبع تابعین سے لے کر اکابر علماءِ دیوبند تک، سب نے امام اعظم ابوحنیفہؒ، ان کے قومی و ملّی اور تعلیمی و فقہی خدمات کا نہ صرف یہ کہ تحفظ کیا، بلکہ تدریس و تعلیم، تبلیغ و اشاعت اور زبان و قلم سے ان کا زبردست دفاع بھی کیا، اکابر علماءِ دیوبند کا تو مشن ہی یہی رہا ہے۔ اکابر علماءِ دیوبند کی خدماتِ حدیث اعلاء السنن، لامع الدراری، الکوکب الدری، معارف السنن، معانی الاحبار، بذل المجہود، اوجز المسالک، فتح الملہم، ترجمان السنہ، فیض الباری، انوار الباری اور فضل الباری وغیرہ کی صورت میں علوم نبوت کی جامع تشریحات و اشاعت اور سنت و حنفیت کے دفاع کی عظیم اور شاہکار تصانیف ہیں، مگر ان کا انداز تحقیقی اور

علمی ہے اوران سے استفادہ بھی صرف علماء، ماہرین اہلِ فن اور اساتذہ فقہ وحدیث ہی کر سکتے ہیں۔

ایسی کتابوں تک رسائی اور استفادہ، نہ تو ہر شخص کے لئے ممکن ہے اور نہ اوقات میں اتنی وسعت، عزیز محترم مولانا عبدالقیوم حقانی سلمہٗ فاضل ومدرس دارالعلوم حقانیہ نے علی العموم ہمتوں کی کوتاہی اور لوگوں کے عدم فرصت کوملحوظ رکھ کر اسلامی کتب خانہ کے عظیم اور وسیع ذخیرہ سے جدید، سلیس، ایک نئے اور مفید طرز پر حضرت امام اعظم امام ابوحنیفہؒ، فقہ حنفی اور تاریخِ حنفیت کے موضوع پر مستند اور بہترین مواد کا انتخاب کر کے ’’دفاع حضرت امام ابوحنیفہؒ ‘‘ کے نام سے ایک جامع کتاب لکھ کر فرضِ کفایہ ادا کر دیا ہے۔

کتاب کی جامعیت اور موضوع سے متعلق تمام پہلوؤں پر معیاری تحریریں دیکھ کر بجا طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ مصنف نے گویا حنفی تاریخ اور فقہ وقانون کی روح اور علوم و معارف کا عطر کشید کر کے اُمت کے سامنے رکھ دیا ہے۔ دفاع ابوحنیفہؒ گویا حنفی فقہ و قانون' ائمہ احناف کی خدمات، ان کے علوم و معارف اور شاندار تاریخ کا ایک دائرۃ المعارف ہے۔

میر دلی دعا ہے کہ باری تعالیٰ عزیز موصوف کی اس کاوش کو اپنی بارگاہ میں قبول فرماوے اور زیادہ سے زیادہ لوگوں کو اس سے استفادہ کی توفیق ارزانی فرماوے۔

عبدالحق غفرلہ

بانی ومہتمم دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک پشاور

۲۰/ذی الحجہ ۱۴۰۶ھ/ بمطابق ۲۷/اگست ۱۹۸۶ء

پیش لفظ

جناب حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ مدیر ماہنامہ الحق

الحمد لحضرة الجلاله و الصلوٰة علیٰ خاتم الرساله.

سیدنا الامام ابوحنیفہ النعمانؒ سوادِ اعظم اہل السنّت والجماعت کے امام فقہ وقانونِ اسلامی کی باضابطہ تدوین وتشکیل کے مدوّنِ اوّل ہیں اور درحقیقت حضرت امام شافعیؒ، حضرت امام مالکؒ، حضرت امام احمد بن حنبلؒ کے فقہی افادات کی ترتیب اوران کی قانونی تشکیل بھی حنفی دبستانِ فقہ کی مرہونِ منت ہے۔

اُمت کے اس عظیم محسن کے خلاف محاذ آرائی، نت نئے الزامات، اعتراضات و اتہامات اسلامی آئین اور شریعت کے نفاذ وترویج میں روڑے اٹکانے نظامِ شریعت کو ناقابلِ تنفیذ بنانے اور ناقص قرار دینے کے مترادف ہے۔

اس وقت جب کہ پاکستان میں فقہ اسلامی اور شریعت کے نفاذ کا مسئلہ پھر سے موضوعِ بحث بنا ہوا ہے، تمام افرادِ اُمت بالخصوص سوادِ اعظم اہلسنت کا یہ فرض بنتا ہے کہ وہ امام اعظم ابوحنیفہؒ کی سیرت وسوانح، شخصی وقومی کردار، علمی، فقہی اور آئینی خدمات، سیاسی حکمت وتدبّر، حنفی فقہ کی جامعیت، اس کی قانونی وآئینی وسعت وہمہ گیری اور ہر دور میں قابلِ نفاذ اور کامیاب نظام کے طور پر تعارف کرائیں۔ اس سلسلے میں مخالفین کے اُٹھائے

گئے اعتراضات، مطاعن اور شکوک وشبہات کا مدلل اور مُسکت جواب دیں اور مختلف فتنوں‘ دہریت‘ نیچریت‘ مغربیت و مادیت‘ سرمایہ داری واشتراکیت اور خمینیت (شیعہ ازم) کے دام تزویر میں پھنسنے والوں کے لئے تحقیق و دلیل کی شمع جلائی جائے اور ہدایت و رہنمائی کا چراغ روشن کیا جائے۔

خدا کا شکر ہے کہ دارالعلوم حقانیہ کے فاضل و مدرس عزیز گرامی قدر محبّ محترم و فاضل مکرم مولانا عبدالقیوم حقانی سات سال سے اس اہم اور حد درجہ محتاط موضوع پر بڑے حزم واحتیاط سے کام کرتے رہے۔

اس موضوع کے متعلق ان کے تحقیقی مضامین اور گراں قدر مقالات، ماہنامہ الحق اور ملک و بیرونِ ملک کے اہم علمی و دینی جرائد میں شائع ہوکر علمی حلقوں سے خراجِ تحسین وصول کر چکے ہیں۔ الحمدللہ کہ حالات کے تقاضوں، وقت کی ضرورت، ملکی سیاست اور بین الاقوامی سطح پر عام انسانوں میں اسلام کے لئے تڑپ، امن وسکون اور نجات و فلاح کے ضامن مذہب وآئین کی تلاش میں جو اضطراب، ہیجان اور تجسس پایا جاتا ہے، موصوف کی تحقیقی اور تحریری کاوشیں ثمر آور ہوکر ’’دفاع حضرت امام ابوحنیفہؒ ‘‘ کے نام سے مرتب ہوکر پایۂ تکمیل کو پہنچ گئی ہیں، جو ایک تحقیقی تصنیف اور ایک علمی و تاریخی شاہکار ہے اور اب اسے ادارہ مؤتمر المصنفین بہی خواہانِ ملت اور ہمدردانِ اُمت کے سامنے پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے۔

یہ نبوت کا معجزہ، اسلام کی صداقت وحقانیت کی دلیل، خود امام اعظم ابوحنیفہ کی کرامت اور مولانا عبدالقیوم حقانی کا حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہ سے خصوصی تلمذ، والہانہ وخادمانہ تعلق، عشق ومحبت اور حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کی توجہ وعنایت اور دعا کی برکت ہے کہ موصوف دارالعلوم میں مختلف مشاغل، ہمہ وقتی اور کثیر مصروفیات کے باوجود ایک جامع موضوع پر منفرد اور ایک معلوماتی کتاب لکھنے میں کامیاب ہوگئے ہیں۔

جس میں ہر طبقہ کے علم و تحقیق اور ذوقِ مطالعہ کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ قانون اور تاریخ سے مناسبت رکھنے والوں کے لئے سیرت و سوانح اور حنفی تاریخ کے حیرت انگیز واقعات' تعلیم و تدریس اور مطالعہ و تحقیق کا ذوق رکھنے والوں کیلئے فقہائے حنفیہ کے تعلیمی، علمی، مطالعاتی اور تحقیقی سرگرمیاں اور کارنامے، فتاویٰ اور قضاء سے تعلق رکھنے والوں کے لئے فقہ حنفیہ کے ذخائر کے چند اُصول و نظائر، وکلاء اور قانون دان طبقہ کے لئے امام اعظم کے آئینی مساعی اور قانونی اصول و کلیات، سیاست و انقلاب کی راہ چلنے والوں کے لئے ابوحنیفہ کا نظریہ سیاست و انقلاب، ذوقِ تحریر و تصنیف رکھنے والوں کے لئے امام ابوحنیفہؒ اور آپ کے تلامذہ کے عظیم تحقیقی اور تصنیفی شاہکار، بحث و مناظرہ کا ذوق رکھنے والوں کے لئے امام صاحب کے دلچسپ بحث و مناظرے اور حجت و استدلال، مختلف فتنوں اور جدید تہذیب و معاشرت میں دینی، علمی اور تبلیغی و اصلاحی کام کرنے والوں کے لئے امام ابوحنیفہؒ کے وصایا اور نصائح غرض انسانی زندگی کے مختلف پہلوؤں، متعلقات، ضروریات اور اہم موضوعات پر نہایت حسنِ ترتیب کے ساتھ کافی اور نافع مواد جمع کر دیا گیا ہے۔

ان گونا گوں اور مختلف حیثیتوں میں شاید ہی کوئی موضوع ہو جو تشنہ رہ گیا ہو۔ میری دلی دعا ہے کہ باری تعالیٰ حضرت مولانا عبدالقیوم صاحب حقانی کی اس کاوش کو اپنی بارگاہ میں قبول فرماوے اور اسلامیانِ ملت کو استفادہ و مطالعہ اور زیادہ سے زیادہ نفع اُٹھانے کی توفیق عطا فرماوے اور خدا کرے کہ اسلام کی نشأۃِ ثانیہ کے اس دور میں یہ کتاب ایک فعّال محرک اور انقلاب آفریں پیغام ثابت ہو۔

حضرت مولانا سمیع الحق مدیر الحق

صدر مؤتمر المصنفین دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

۲۱/ذی الحجہ ۱۴۰۶ھ/ ۲۸/اگست ۱۹۸۶ء

مقدمہ

ازقلم ! حضرت العلامہ قاضی محمد زاہد الحسینی مدظلہ

خلیفۂ مجاز حضرت امام شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوریؒ

خالقِ کائنات نے انسان کو خلافت ارضی سے نوازتے ہوئے جو کامل اور آخری نظامِ حیات عطا فرمایا ہے، اسے اپنے ابدی لافانی کلام میں الاسلام کا نام عطا فرماتے ہوئے فرمایا :

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَام ۔ (آل عمران:۱۹)

بے شک اللہ کے ہاں پسندیدہ دین صرف اسلام ہی ہے۔

اور ساتھ ہی یہ بھی ارشاد فرمایا کہ یہ دین رہتی دنیا تک باقی رہے گا اور انسانی ضروریات کے لئے راہ نمائی کرتا رہے گا۔

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا ؕ

(المائدہ: ۳)

آج کے دن میں نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت تمام کر دی اور تمہارے لئے اسلام کو بطورِ دین کے پسند کر لیا۔

جب دینِ اسلام بطورِ نظامِ حیات قیامت تک باقی رہے گا تو اس کے سرچشمہ کی حفاظت بھی اپنے ذمہ لیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّکۡرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحَافِظُوۡنَ O (الحجر:۹)

ہم ہی نے الذکر (قرآن عزیز) کو اُتارا اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

کلماتِ وحی ربانی کی حفاظت کے لئے تو حفاظ اور قُرّاء کو سعادت بخشی، مگر اس منبع ہدایت کو سمجھانے کے لئے علماءِ کرام کو مشرف فرمایا اور اُمت کو یہ حکم دیا کہ وہ ایسے مراکز قائم کریں جہاں نظامِ حیات (الدین) کو سیکھا اور سکھایا جائے اور ان مراکز میں جا کر الدین سیکھنے اور پھر اپنے اپنے حلقۂ اثر کو الدین سمجھانے اور ساتھ ہی دین سے انحراف پر ادبار اور ذلت کے نتائج سے متنبہ کرنے کے لئے یہ حکم دیا:

وَ مَا کَانَ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ لِیَنۡفِرُوۡا کَآفَّةً ؕ فَلَوۡ لَا نَفَرَ مِنۡ کُلِّ فِرۡقَةٍ مِّنۡهُمۡ طَآئِفَةٌ لِّیَتَفَقَّهُوۡا فِی الدِّیۡنِ وَلِیُنۡذِرُوۡا قَوۡمَهُمۡ اِذَا رَجَعُوۡۤا اِلَیۡهِمۡ لَعَلَّهُمۡ یَحۡذَرُوۡنَ۔ (توبہ:۱۲۲)

یہ تو نہیں ہو سکتا کہ سب ایمان دار باہر چلے جائیں پھر کیوں نہیں نکلتا ہر فرقہ سے ایک گروہ تاکہ دین میں سمجھ حاصل کریں اور تاکہ واپس آ کر اپنی اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے عذاب سے ڈرائیں تاکہ وہ بچ کر زندگی گذاریں۔

ناطق بالوحی سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی تفقہ فی الدین کو اللہ تعالیٰ کا احسانِ عظیم قرار دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

مَنۡ یُّرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَیۡرًا یُّفَقِّهۡهُ فِی الدِّیۡنِ۔

جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ زیادہ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے، اسے دین میں سمجھ عطا فرماتا ہے۔

ان مختصر مگر جامع ارشاداتِ وحی ربانی سے یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ:

الدین، الاسلام اور الفقہ ایک ہی حقیقت کے چند نام ہیں، اگران میں کچھ فرق ہے تو وہ متن اور شرح کی حیثیت کا فرق ہے، چنانچہ اُصولِ فقہ بیان فرماتے ہوئے بعض فقہاء نے یہ ارشاد فرمایا کہ :

اصلِ فقہ الکتاب (قرآن عزیز) ہے۔ بعض نے فرمایا اُصولِ فقہ (الکتاب والسنۃ ہیں) کیونکہ السُّنۃ بھی قولِ ناطق بالوحی صلی اللہ علیہ وسلم ہے تو وہ بھی وحی ہے۔ وَ مَا یَنۡطِقُ عَنِ الۡهَوٰی اِنۡ هُوَ اِلَّا وَحۡیٌ یُّوۡحٰی ۔(النجم:۳،۴)اور جب السنۃ فعل سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہو تو بھی بما اراک اللّٰہ ۔(النساء:۱۰۵) کا مصداق ہے اور بعض نے فرمایا کہ اس عالمگیر دین پر عمل کرنے والوں کا طرزِ عمل بھی ایک اصل ہے، جسے خداوند قدوس نے سبیل المؤمنین کے عنوان سے یوں ارشاد فرمایا :

وَمَنۡ یُّشَاقِقِ الرَّسُوۡلَ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا تَبَیَّنَ لَهُ الۡهُدٰی وَ یَتَّبِعۡ غَیۡرَ سَبِیۡلِ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰی وَ نُصۡلِهٖ جَهَنَّمَ وَ سَآءَتۡ مَصِیۡرًا ۔(النساء:۱۱۵)

اور جو اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ہدایت کے واضح ہو جانے کے بعد دور ہو گیا (یوں کہ) اور چلا ایمان والوں کے راستہ کو چھوڑ کر دوسری راہ پر تو ہم بھی اس کو اُدھر ہی موڑ دیتے ہیں جدھر وہ خود مڑا اور انجام کار اسے دوزخ میں ڈال دیں گے اور وہ بُرا ٹھکانہ ہے۔

آیاتِ قرآنی میں غور وفکر کرنے کا حکم دیتے ہوئے ارشاد فرمایا :

کِتٰبٌ اَنۡزَلۡنٰهُ اِلَیۡکَ مُبٰرَکٌ لِّیَدَّبَّرُوۡۤا اٰیٰتِهٖ وَ لِیَتَذَکَّرَ اُولُوا الۡاَلۡبَابِ ۔(ص:۲۹)

(قرآن) بڑی عظمت والی کتاب اور برکت والی کتاب ہے جو ہم نے آپ کی طرف اُتاری تا کہ یہ اس کی آیتوں میں غور وفکر کریں اور عقل والے نصیحت حاصل کریں۔

تو جس طرح صرف قرآنی آیات کی تشریح اور تفسیر کرنے والے سعادت مند مفسر

کہلائے اور احادیث نبویہ کی وضاحت کرنے والے محدث کہلائے اسی طرح اُمت کے لئے نظامِ حیات کو آسان طریقہ پر پیش کرنے والے فقہاء کہلائے۔

اس موید بالخیر طبقہ میں سے جسے حظِ وافر ملا، اسے امام ابوحنیفہؒ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے جسے اُمت نے امام اعظم کا مخصوص خطاب عطا کیا اور ان کی نگرانی میں مرتب کردہ فقہ کو وہ مقام دیا جو دوسرے فقہاءِ کرام رحمۃ اللہ علیہم کو کم ملا۔ اس پر اسلام کی بارہ سوسالہ تاریخ گواہ ہے کہ تمام بلادِ اسلامیہ میں فقہ حنفی ہی کو قانونی حیثیت سے نافذ کیا گیا، اس کی یہی وجہ ہے کہ فقہ حنفی میں وہ صلاحیت اور جامعیت موجود ہے، جسے کسی حکومت کے لئے بطورِ قانون اختیار کرنا چاہئے۔ اس برصغیر میں جس خاندان نے حکومت کی اس نے بطورِ ملکی قانون فقہ حنفی ہی کو نافذ کیا۔ غزنوی، غوری، خلجی، لودھی وغیرہم جو خاندان یا افراد حاکم رہے انہوں نے فقہ حنفی ہی کو قانوناً اختیار کیا۔ محی الدین اورنگزیب عالمگیرؒ کے دور میں مرتب کیا جانے والا مجموعہ فقہ حنفی فتاویٰ عالمگیری اسی امر کی تائید کر رہا ہے۔ اس مجموعہ فتاویٰ کو تمام ممالکِ اسلامیہ میں مقبولیت حاصل رہی اور بلادِ عرب میں فتاویٰ ہندیہ کے نام سے شہرت پائی۔ اسلامی حکومت کے زوال کے بعد انگریزی حکومت کے ابتدائی دور میں فقہ حنفی ہی سے راہنمائی حاصل کی جاتی رہی۔

خاندانِ عباسیہ کے مشہور فرمان روا ہارون الرشید نے امام ابوحنیفہؒ کے شاگردِ رشید امام ابویوسف کو قاضی القضاۃ مقرر کیا، جس کی حکومت تمام عرب اور عجم کے اکثر حصہ پر تھی۔ امام ابویوسف کی رحلت کے بعد امام محمد کو یہ منصب جلیل عطا ہوا اور انہوں نے اسے نہایت ہی بہتر طریقہ پر بنا دیا۔ زمین کی پیمائش اور خراج کا قانون فقہ حنفی ہی کی رو سے امام ابویوسف نے مرتب فرمایا جو آج بھی کتاب الخراج کی شکل میں موجود ہے۔ جہاد اور مغازی جیسے اہم موضوع پر امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد امام محمد نے کتاب السیر الکبیر مرتب فرمائی

جس کی نظیر آج تک نہیں ملتی، بقولِ ابن ندیم م ۳۸۵ھ۔

''مشرق سے مغرب تک زمین کے تمام خشکی وتری کے حصوں میں دور ونزدیک جو علم کی روشنی پھیلی وہ امام صاحب ہی کی تدوین کا صدقہ ہے''۔ (الفہرست ص ۲۹۹)

اب اُمت کو ان ائمہ مجتہدین کی کاوشوں اور محنت کے بعد صرف عمل ہی کی طرف بڑھنا ضروری ہے، جس میں فقہ حنفی کو امتیازی حیثیت حاصل ہے۔ علامہ شامیؒ نے کتنا حسین تجزیہ فرمایا ہے کہ:

> ''فقہ کا کھیت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بویا' علقمہ نے اس کو سینچا، ابراہیم نخعی نے اس کو کاٹا، حماد نے اناج بھوسہ الگ کیا، ابوحنیفہ نے اس کو پیسا، ابو یوسف نے اس کو گوندھا، محمد بن الحسن نے اس کی روٹیاں پکائیں، باقی سب اس کے کھانے والے ہیں''۔

نہ یہ کہ فقہ حنفی ہارون الرشید کے دور سے لے کر تمام سلاطین کے ہاں بطورِ قانون کے نافذ رہا بلکہ بعض بادشاہوں نے تو امام ابوحنیفہؒ کی طرف سے دفاع کا فریضہ بھی ادا کیا، جیسا کہ مصر وشام کے حنفی بادشاہ ملک معظم شرف الدین عیسٰی بن عادل نے ۶۲۱ھ میں السہم المصیب فی الرد علی الخطیب نامی کتاب عربی زبان میں لکھی، جس کو سب سے پہلے دارالعلوم دیوبند کے کتب خانہ اعزازیہ نے شائع کیا اور اب دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک نے اسے شائع کرنے کی سعادت حاصل کی ہے، بلکہ سلطان محمود غزنوی نے فقہ حنفی پر ایک کتاب تالیف فرمائی جس کا نام کتاب التفرید رکھا۔ فیروز شاہ تغلق کے زمانہ میں فتاوٰی تاتارخانیہ مرتب کیا گیا۔

مذکورہ بالا شام کے حکمران عیسٰی بن عادل نے فقہائے وقت کا ایک بورڈ اس لئے تشکیل کیا کہ فقہ حنفی کو بادلیل مرتب کیا جائے، چنانچہ اس بورڈ نے دس جلدوں میں ایک

کتاب بہ نام التذکرہ جمع کی جو سلطان کو زبانی یاد تھی۔ (کشف الظنون ج ۱ ص ۲۷۷)

دینی مدارس کا فقہ حنفی سے شغف :

تمام عالم اسلامی کے دینی مدارس میں عموماً اور برصغیر کے دینی مدارس میں خصوصاً فقہ حنفی کی تعلیم اور تدریس پر خاص توجہ دی گئی، کیونکہ عامۃ المسلمین کی غالب اکثریت حنفی ہے اور مفتی کے لئے فقہ حنفی سے واقف ہونا ضروری ہے۔ برصغیر کی عظیم علمی اور دینی تعلیم کی درسگاہ دارالعلوم دیوبند میں فقہ حنفی کی ترویج واشاعت پر بدیں صورت پوری توجہ دی گئی کہ:

الف : فقہ حنفی کی تقریباً چھ جامع کتب داخل نصاب کر دی گئیں۔

ب : ایک دارالافتاء قائم کیا گیا جس سے لاکھوں افراد نے اپنی ضروریات کی راہنمائی کے لئے فقہ حنفی کا فتویٰ طلب کیا۔

ج : کئی کتابوں کے حواشی اور شروح لکھیں۔

د : فقہ حنفی کے صرف ایک ایک مسئلہ پر مستقل رسائل وکتب تالیف کیں جیسا کہ :

حضرت شیخ الہندؒ نے صرف جمعہ فی القریٰ کے عدمِ جواز پر ایک کتاب شرح اوثق العریٰ نامی لکھی۔ حضرت انور شاہ صاحب نے رفع الیدین کے بارہ میں فقہ حنفی کے مؤقف کو مدلل ثابت کرنے کے لئے نیل الفرقدین نامی کتاب تحریر فرمائی اور نمازِ وتر کے بارہ میں فقہ حنفی کے استدلال اور محکم کرنے کے لئے کشف الستر لکھی، جب کہ فاتحہ خلف الامام کے دلائل میں فصل الخطاب رسالہ لکھا۔ یہ سب کتب مطبوعہ اور دستیاب ہیں۔

ھ دورہ حدیث میں سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کی تشریح کے ساتھ ساتھ مسلک احناف کو ثابت کیا اور اسے اپنے لئے سرمایۂ سعادت سمجھا، جیسا کہ ۱۳۳۰ھ میں مفتی عبدہٗ کے شاگردِ رشید علامہ رشید رضا مصری جب دیوبند تشریف لائے تو ان کے سامنے علامہ انور شاہؒ نے جو تقریر عربی زبان میں فرمائی، اس سے متاثر ہو کر علامہ رشید رضا

نے یہ فرمایا :

''استاذ جلیل مولانا انور شاہ نے جو اُصول بیان کیے اور اپنے مشائخ کا مسلک جو مجھے بتایا ہے میں اسے پسند کرتا ہوں اور اس سے متفق ہوں، فقہ حنفی بلاشبہ کافی ووافی ہے''۔

و : علمائے دیوبند نے کتبِ حدیث کی جو شروح لکھی ہیں، ان میں پوری شرح او بسط کے ساتھ تشریح احادیث کے ساتھ ساتھ فقہ حنفی کو مدلل ثابت کیا گیا ہے، جیسا ک حضرت مولانا خلیل احمد صاحب مہاجر مدنی نے ابوداؤد کی شرح بذل المجہود لکھی جو برصغی میں تو سات جلدوں میں طبع ہوئی، مگر اب مصر سے ۲۲ جلدوں میں طبع ہوئی ہے۔

حضرت علامہ انور شاہ کی فیض الباری میں فقہ حنفی کا تفوق ثابت کیا گیا ہے۔ شا صاحب کے شاگرد رشید احمد رضا صاحب نے انوار الباری کے نام سے بخاری شریف کی جامع شرح تحریر فرمائی ہے جس میں فقہ حنفی کی جامعیت پر کافی مواد جمع فرمایا ہے۔

مسلم شریف کی شرح فتح الملہم حضرت علامہ شبیر احمد عثانی کا علمی اور دینی شاہکار ہے۔ قطب الارشاد کی تقاریر علی البخاری حضرت شیخ الحدیث محمد زکریا نور اللہ قبورھم کی تشریح سے لامع الدراری کے نام سے کئی جلدوں میں شائع ہو چکی ہے۔ سنن ترمذی کی شرح شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہٗ العزیز کی تقاریر متعدد عنوانات سے شائع ہو چکی ہے۔ ابھی حال میں آپ کے تلمیذِ رشید استاذ العلماء محدث کبیر مولانا عبدالحق زید مجدہم کے درسی افادات مخدوم زادہ مولانا سمیع الحق مدیر الحق نے اپنی نگرانی میں حقائق السنن کے نام سے ترمذی کی شرح اردو زبان میں مرتب کروا کر علماء اور عامۃ المسلمین پر احسانِ عظیم فرمایا ہے جس کی تدوین و مراجعت اور تحقیق و ترتیب اور تحشیہ کی سعادت مولانا عبدالقیوم حقانی کو حاصل ہوئی۔

محدثِ کبیر حضرت علامہ بنوریؒ نے ترمذی شریف کی شرح عربی زبان میں بہ نام معارف السنن تحریر فرمائی جو علماءِ حدیث کے لئے عظیم راہنما ہے۔ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا نور اللہ مرقدہٗ نے موطا امامِ مالک کی شرح اوجز المسالک تحریر فرمائی۔ ان سب شروح میں فقہ حنفی کو کتاب اور سنت کی روشنی میں مدلل ثابت کیا گیا ہے۔

فقہ حنفی سے تغافل اور اس کا نتیجہ :

جب سے اسلامی ممالک پر غیر مسلم حکومتوں کو بالذات یا بالواسطہ تسلّط حاصل ہوا ہے اور ہو رہا ہے تو ان ممالک کے مسلمان فقہ حنفی سے اس قدر غافل ہو رہے ہیں کہ ان کو حنفیت کا احساس تک نہیں رہا۔ اسی طرح اپنے وطنِ عزیز پاکستان میں بعض وہ ادارے اور طبقات جن کو حنفیت کے فروغ اور تحفظ کے لئے محنت کرنی چاہئے تھی۔ بالارادہ یا بلاارادہ اس سے غفلت برت رہے ہیں۔ دینی مدارس میں فقہی نصاب کو مختصر سے مختصر کیا جا رہا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ملک میں مفتی حضرات کا فقدان ہے۔ استدلال کے بجائے فقہ حنفی کے لئے قرآن وحدیث کا مطالعہ زوروں پر ہے، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ بارہ سو سال سے مرتب شدہ مسائل میں موشگافیاں کی جا رہی ہے۔ کتبِ حدیث کا اردو زبان میں صرف ترجمہ کر کے عدم تقلید کا دروازہ کھولا جا رہا ہے۔ اس کے نتیجہ میں علماءِ راسخین کی جگہ صرف اردو خوان اور اردو دان طبقہ لے کر مارقیت کی اشاعت کر رہا ہے۔ حالانکہ ہر مقلد کے لئے آخری دلیل مجتہد کا قول ہے، جیسا کہ مسلم الثبوت میں ہے :

اما المقلد فمستنده قول المجتهد

اب اگر ایک شخص امام ابوحنیفہؒ کا مقلد ہونے کا مدعی ہو اور ساتھ ہی وہ امام ابوحنیفہؒ کے قول کے ساتھ یا علیحدہ قرآن وسنت کا بطورِ دلیل مطالبہ کرتا ہے تو وہ بالفاظِ دیگر اپنے امام اور راہ نما کے استدلال پر یقین نہیں رکھتا۔

ایسے حالات میں ضروری تھا کہ امام ابوحنیفہؒ اور ان کے مرتبہ فقہ حنفی کی اہمیت پر لکھا جائے، مقام شکر ہے کہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک جسے پاکستان میں اکابر علماءِ دیو بند نے ''دیو بند ثانی'' قرار دیا ہے' کے فاضل و مدرس مولانا عبدالقیوم حقانی (جو حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہ کے خصوصی تلمیذ' مخلص خادم اور مزاج شناس ہیں اور ان کے علوم و معارف کے مرتب ہیں اور شیخ الحدیث مولانا عبدالحلیم زروبوی صدر المدرسین دارالعلوم حقانیہ سے بھی انہیں شرفِ تلمذ حاصل ہے) نے اس موضوع پر قلم اُٹھایا اور دفاع ابوحنیفہؒ کے نام سے کتاب مرتب فرمائی۔ واقعۃً موصوف کی یہ علمی کاوش، اپنے موضوع پر جامع، دلچسپ اور ایک گراں قدر علمی تحفہ ہے۔ **جزاهم الله خير الجزا** اور در حقیقت یہ سب کچھ حضرت شیخ الحدیث مدظلہ سے خادمانہ اور مخلصانہ تعلق و خدمت کے برکات ہیں۔

دعا ہے کہ باری تعالیٰ اس رسالہ کو صاحبِ عنوان کی طرح قبول فرما کر عامۃ المسلمین کو زیادہ سے زیادہ استفادہ کی سعادت بخشے۔ (آمین)

وما ذالک علی الله بعزیز ۔

قاضی محمد زاہد الحسینی غفرلہٗ

۲۸ / صفر ۱۴۰۶ھ

حرفِ آغاز

دین اسلام' ایک عالمگیر دین اور اُمتِ محمدیہؐ آخری اور عالمگیر اُمت ہے، زمانہ کے تغیرات اور انقلابات کے پیشِ نظر قدرت کی طرف سے دینِ اسلام کو معجزانہ طور پر ہر دور میں ایسے زندہ اشخاص عطا ہوتے رہے ہیں، جنہوں نے تعلیماتِ اسلام کو زندگی میں منتقل کرنے اور اجتماعی وانفرادی طور پر اس دین کو تازہ اور سدا بہار رکھنے کے لئے افرادِ اُمت کو سرگرمِ عمل رکھا۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا کی تمام اُمتیں اور قومیں، اُمتِ محمدیہ کے انقلابِ آفریں پیغام اور مردم خیزی کی کوئی نظیر پیش نہیں کرسکتیں۔ ہر دور میں ایسے افراد پیدا ہوتے رہے، جنہوں نے تحریفات وتاویلات، بدعات وعجمی اثرات مشرکانہ اعمال ورسوم، الحاد، لادینیت ودہریت، مادیت وعقل پرستی کا پردہ چاک کردیا۔ حقیقتِ اسلام اور دینِ خالص کو اُجاگر کیا' سنت کی پرزور حمایت کی۔ جابر سلاطین کے سامنے کلمۂ حق بلند کیا۔ اسلامی تعلیمات کی درسگاہیں کھولیں۔ تدوین وتشریع کے عقدے حل کئے۔ یہ افراد دماغی، علمی، اخلاقی اور روحانی اعتبار سے اپنے زمانہ کے ممتاز ترین افراد تھے ان کے پاکیزہ اور بے باک کردار نے ان کی شخصیتوں کو طاقت ور اور دلآویز بنادیا تھا۔

جب بنواُمیہ اور بنوعباس کی حکومتوں (باستثنائے بعض) نے اسلامی قونین، شرعی حدود اور تعلیماتِ نبوت کو بالائے طاق رکھ کر قدیم جاہلی رُجحانات کے اُبھارنے، عربی

عصبیت، قبائلی غرور، خاندانی جنبہ داری، اعزہ پروری، قانون شکنی، بے عنوانی کے پھیلانے اور بے دین زندگی کو پوری اسلامی سوسائٹی پر غالب کر دینے کی کھلی تدبیریں اختیار کیں تو قدرت کے غیبی انتظام سے حضرت عمر بن عبد العزیزؒ، حضرت حسن بصریؒ، ائمہ اربعہؒ، بالخصوص امامِ اعظم ابوحنیفہؒ اور آپ کے جلیل القدر تلامذہ اور رفقاء جیسی زندہ جری اور طاقتور شخصیتیں میدان میں آ گئیں، انہوں نے دینی اور اسلامی حدود و قوانین سے آزادی کے غلط رُجحانات کا پوری طاقت سے مقابلہ کیا، اُمت میں ایمانی روح پیدا کی۔ اللہ تعالیٰ کا دین اپنانے، اس کی عبادت اور اس کے احکام کی اطاعت کی طرف دعوت دی۔

ابتداءً امامِ اعظم ابوحنیفہؒ اور بعد میں اسی نہج پر تینوں دبستانِ فقہ کے ائمہ یا ان کے تلامذہ نے فقہی و قانونی اور آئینی نقطۂ نظر سے قرآن و حدیث کے ذخیرے سے اجتماعی نظام کے خطوط متعین کئے، دینِ اسلام پر، اس کے اُصول و مآخذ پر اور اس کی تعبیرات پر اعتماد کو ازسرِ نو استوار کیا۔

امامِ اعظم ابوحنیفہؒ اور آپ کے رفقاء نے دین و مصادرِ دین اور اسلام کی حقیقی فکر کی حفاظت کی۔ اُمت کو نئے فتنوں میں پڑنے سے باز رکھا۔ حدیث و فقہ کی تدوینِ جدید اور اسلامی آئین کی تشکیلِ نو کا مشکل ترین اور کٹھن کام حیرت انگیز طریقہ سے انجام دیا۔ اجتہاد کا دروازہ کھولا اور رہتی دنیا تک کے لئے تشریع کا خزانۂ عامرہ اور زندگی و معاشرہ کو منظّم و مربوط قانون عطا کیا۔ اُمت کی سیاسی قوت کی حفاظت کی۔ اپنی حکیمانہ دعوت اور سیاست و تدبیر سے اُمت کے شیرازہ کو مجتمع کیا۔ تلامذہ و متعلقین کی تربیت کی، رجالِ کار پیدا کئے، سلاطین و حکام اور معاشرہ کا عام احتساب کیا، شکوک و شبہات کے جوابات دیئے۔ فتنوں کی سرکوبی کی۔ امامِ اعظم ابوحنیفہؒ اور آپ کے حلقۂ تلمذ کا ہر فرد اسلام کی کسی نہ کسی سرحد کا محافظ اور اسلام کے ترکش کا ایک قیمتی تیر تھا، اگر ان حضرات کی مخلصانہ مساعی اور شبانہ روز کوششیں نہ ہوتیں تو اسلامی دستور، فقہی قوانین، آئینی ضابطے اور قانونی اصول و

کلیات کا وسیع اور عظیم مجموعہ ہم تک نہ پہنچ پاتا۔

یہ وہ زمانہ تھا جب اسلام جزیرۃ العرب سے نکل کر شام، عراق، مصر و ایران اور دوسرے وسیع اور زرخیز ملکوں میں پہنچ گیا تھا۔ معاشرت، تجارت، انتظامِ ملکی، بین الاقوامی مسائل و تعلقات اور ہمہ جہتی معاملات بہت وسیع اور پیچیدہ شکلیں اختیار کر رہے تھے، ایسے حالات میں ایک ایسی شخصیت اور ایک ایسی پاکیزہ جماعت کی ضرورت تھی، جو ان نئے واقعات، بدلتے ہوئے حالات اور جدید مسائل میں اسلام کے اُصولوں کی تطبیق کے لئے بڑی اعلیٰ ذہانت، معاملہ فہمی، باریک بینی، معاشرتی حالات اور سوسائٹی کی وسیع اور بدلتی ہوئی حالت سے باخبر ہو اور اسے زندگی کے تمام شعبوں پر اطلاع ہو اور اس سے پیشتر تعلیماتِ اسلام اور روحِ شریعت سے گہری واقفیت، عہدِ رسالت اور زمانۂ صحابہؓ کے حالات سے پوری آگاہی اور اسلام کے پورے علمی ذخیرہ پر کامل عبور ہو۔

اور یہ بھی ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ اب فقہ و قانون اور اسلام کے دستور کی تدوین جدید، مسائل کا استنباط و استخراج اور جزئیات و فتاویٰ کی ترتیب، اسلام اور اہل اسلام کی ایسی ضرورت تھی جسے کسی صورت پر بھی مؤخر نہیں کیا جا سکتا تھا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا بڑا کرم اور اُمت کی سعادت مندی تھی کہ زمانہ کے تغیرات اور تقاضا ہائے حالات کے مطابق اس عظیم کام کی تشکیل و تکمیل کے لئے امام اعظم ابوحنیفہؒ اور آپ کے تلامذہ جیسے رجالِ کار میدانِ عمل میں آ گئے۔

جو صرف حنفیت ہی نہیں بلکہ چاروں دبستانِ فقہ کے محسن اور ان کی تدوین و ترویج کے اوّلین راہی ہیں۔ امام صاحب اور ان کے تلامذہ نے اپنی خداداد ذہانت و فراست، دیانت و اخلاص، تعلق باللہ، قانونی فہم، علمی انہماک اور جذبہ خدمت کے پیش نظر اپنی پوری زندگیاں اور ساری قابلیتیں اسلامی دستور کی تدوینِ جدید اور پھر اس کے مکمل نفاذ و اجراء جیسے اہم مقصد کے لئے وقف کر دی تھیں، انہوں نے کسی سرکاری اور حکومتی مراعات کے بغیر

تن تنہا اتنا کام کیا، بحث و تحقیق، اجتہاد و استنباطِ مسائل کی نئی راہیں اور آئینی اُصول وضوابط کا اتنا بڑا اور وسیع ذخیرہ پیدا کر دیا جو حکومتوں کی سرپرستی میں چلنے والی بڑی سے بڑی منظم جماعتیں اور علمی ادارے بھی آسانی سے نہیں پیدا کر سکتے۔

اسلام کے ابتدائی صدیوں میں امام اعظم ابوحنیفہؒ جیسے ائمہ فن اور صاحبِ اجتہاد علماء کا پیدا ہو جانا، دینِ اسلام کی زندگی اور اُمت کی کارکردگی کی صلاحیت کی دلیل ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کے مساعی سے اُمت کی عملی اور معاملاتی زندگی میں ایک نظم اور وحدت پیدا ہوگئی۔ انہوں نے فقہ و آئین کی ایسی بنیادیں قائم کر دیں اور ایسے اُصول و قوانین مرتب کر دیئے جن سے قیامت تک پیش آنے والے مسائل و مشکلات کے حل کرنے میں رہنمائی اور مدد لی جا سکتی ہے۔

عظیم تاریخی کردار، بے نظیر اور ہمہ گیر خدمات اور لازوال کارناموں کی وجہ سے حضرت امام صاحبؒ اور ان کے تلامذہ کی ایک دینی سیادت قائم ہوگئی۔ امام صاحب کے ساتھ ان کے تلامذہ، رفقاء، ان کے تربیت یافتہ رجالِ کار سے بڑے بڑے جبالِ علم اور صحیح العقیدہ دیندار عوام کی گہری عقیدت اور وابستگی بڑھتی اور مضبوط ہوتی جا رہی تھی۔ ان کا حلقۂ اثر بڑھتا جا رہا تھا۔ امراء اور حکمران ان سے خائف رہتے تھے۔

بعض حاسدین و مخالفین کو امام ابوحنیفہؒ اور آپ کے تلامذہ کا یہ دینی عروج اور شخصی اثر پسند نہ آیا۔ امام ابوحنیفہؒ کے خداداد کمالات اور وسیع فقہی و آئینی اور دینی خدمات نے ان کے حاسدوں کا ایک طبقہ پیدا کر دیا، جو ان کے زوال کا متمنی اور اہانت کے درپے رہتا تھا، جہاں ابوحنیفہؒ کی اذیت، ان کو شادمانی اور تسکینِ قلب کا سامان مہیا کرتی تھی۔ وہاں ہزاروں اہلِ علم اور لاکھوں مسلمانوں کو ان کی ذات و خدمات سے خاص تعلق اور شیفتگی کی وجہ سے اس پر سخت تاسف، رنج و قلق اور قلبی دکھ اور صدمہ پہنچتا تھا۔ حسد و مخالفت کی طوفانی موجوں سے ابوحنیفہؒ کی عظمت کو مزید چار چاند لگے۔ حاسدین و مخالفین کی بعض حیا سوز

حرکتوں نے موافقین و متبعین اور عقیدت مندوں اور مخلصین میں دفاع اور وفا کی زبردست انگیخت پیدا کی چنانچہ دنیائے اسلام کے مختلف گوشوں سے ہر دور میں بڑے بڑے اہل علم، اہل دین اور اہل حق کی طرف سے ان کے پیغام و نظام اور کردار کا زبردست تحفظ اور ان کی شخصیت کا مضبوط دفاع کیا جاتا رہا اور قیامت تک کیا جاتا رہے گا۔

بعض تو امام ابوحنیفہؒ سے ذاتی حسد اور بغض و عناد کی بھٹیوں میں جل جل کر انتقامی کاروائی کے طور پر ہر ممکن زبان درازی اور دست بازی کو بھی کارِ ثواب اور توشۂ آخرت سمجھنے لگے اور یہ سلسلہ نسلاً بعد نسلٍ تاہنوز جاری ہے ......

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغِ مصطفوی ﷺ سے شرارِ بولہبی

دورِ حاضر کے بعض اہل قلم، غیر ملکی دولت کی فراوانی اور کچھ اپنی طبعی اور فطری کج بنی اور کچھ اغوائے شیطانی سے حقائق اور واقعات سے آنکھیں بند کر کے آخرت کے نتائج سے بے نیاز ہو کر اپنی صلاحیتیں، امام اعظم ابوحنیفہؒ کے چراغِ عظمت کو پھونک مارنے میں صرف کر رہے ہیں۔ بعض خطیبوں نے بڑی اُجرت کے پیش نظر، بڑے امام کو طلاقتِ لسانی سے اپنی خطابت کا ہدف بنایا۔ نج کی مجلسوں اور بعض درسی حلقوں میں تو بے چارے ابوحنیفہؒ کو علمِ دین سے جاہل، علم حدیث سے کورا، صرف سترہ حدیثوں کا عالم، قیاس کو حدیث و فقہ پر ترجیح دینے والا، فاسق و فاجر، زندیق، منافق اور یہودی تک کہہ ڈالنے میں کوئی باک محسوس نہیں کی جا رہی، اپنے آقایانِ ولی نعمت کی خوشنودی اور دل کی بھڑاس نکالنے میں امام صاحب کے اساتذہ و مشائخ اور تلامذہ تک کو معاف نہیں کیا گیا۔

فقہ و قانون کے عظیم محسن اور سوادِ اعظم اہلسنت کے امامِ اعظم کے خلاف کذب و افتراء پردازی اور بے بنیاد الزامات اور اتہامات کے لئے بازاری زبان تک استعمال کی جا رہی ہے اور اخباری بیان بازی اس پر مستزاد۔

آج سے سات سال قبل مارچ ۱۹۷۹ء روزنامہ جنگ راولپنڈی میں ائمہ احناف اور جمہور اُمت کے اجماعی مسلک کے خلاف مسلسل شائع ہونے والے بعض مضامین کے جواب میں حنفیت کے دفاع کے طور پر احقر نے ایک مختصر سا مقالہ لکھا، جسے روزنامہ جنگ کی علاوہ استاذ محترم حضرت العلامہ مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ نے بھی ''ہمارے عائلی قوانین'' اجماعِ صحابہ، جمہور تابعین، اور ائمہ اربعہ کا متفقہ فیصلہ، طلاقِ ثلاثہ کے عنوان سے نہ صرف یہ کہ اپنے مؤقر جریدہ ''ماہنامہ الحق'' جولائی ۱۹۷۹ء میں شائع فرمایا بلکہ اس سلسلۂ تحقیق کو مزید آگے بڑھانے اور اس موضوع پر تحقیقی کام کرنے کی ترغیب بھی دی ('' دفاع ابوحنیفہؒ '' کی بنیاد یہی مقالہ بنا تھا مگر شریک ہذا نہیں کیا گیا، بعد میں اس کی مزید تنقیح و توضیح کر کے علیحدہ کتابی شکل میں شائع کر دیا جائے گا۔ ان شاء اللہ) اور اس کے بعد کے سلسلۂ مضامین کو بھی ماہنامہ الحق میں شائع فرما کر احقر کی مسلسل حوصلہ افزائی فرماتے رہے اور اس اشاعتی ذریعہ سے علمی حلقوں میں احقر کا تعارف بھی کرایا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ انہوں نے احقر کو پنجاب سے اپنے ہاں بلا کر یہاں کے اکابر اساتذہ ومشائخ بالخصوص محدث کبیر حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب دامت برکاتہم اور اپنی سرپرستی ونگرانی میں خدمتِ دین کے مواقع مہیا فرمائے دارالعلوم حقانیہ میں تدریس، مؤتمر المصنفین کی رفاقت ماہنامہ الحق کی مجلسِ ادارت میں اعزازی شرکت کے علاوہ استاذ العلماء محدث کبیر شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب دامت برکاتہم بانی وشیخ الحدیث دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کے درسی افادات امالی ترمذی پر'' حقائق السنن شرح جامع السنن'' کے نام سے جمع وتدوین، تحقیق وترتیب اور مراجعت کا عظیم الشان کام جس کو وہ خود مکمل فرما رہے تھے، میرے حوالے کر دیا اور اب بحمد للہ ان کے مکمل تعاون وسرپرستی اور رہنمائی سے اس کی جلد اوّل زیورِ طبع سے آراستہ ہو کر، ماہر و اکابر اساتذۂ حدیث، اہم تعلیمی اداروں اور درسی حلقوں سے زبردست خراجِ تحسین وصول کر چکی ہے اور مجھے جذباتِ تشکر وامتنان کے ساتھ

اس کا اعتراف ہے کہ احقر کا تھوڑا بہت علم کا ذوق، مطالعہ کا شوق، تصنیف وتالیف کی قدر، بنیادی کتابوں اور صحیح مآخذ سے واقفیت، علمی ترقی اور تحریر کا سلیقہ استاذِ محترم جناب مدیرالحق ہی کی تربیت اور خصوصی توجہ وعنایت کا مرہونِ منت ہے۔

بہرحال استاذِ محترم کی حوصلہ افزائی اور تشویق وترغیب باعث ہوئی اور ادھر آئے دن اخبارات، بعض ہفت روزوں، ماہناموں، بعض اشاعتی اداروں اور بک سٹالوں پر کذب وافتراء، اتہام واعتراض اور ابوحنیفہ دشمنی سے بھرپور لٹریچر بکتا اور مفت تقسیم ہوتا دیکھ کر کلیجہ منہ کو آتا۔

آخر بچپن ہی سے جس عظیم شخصیت کا نام عظمت ومحبت اور احترام کے ساتھ سنتا آرہا تھا، زمانۂ طالب علمی میں درسِ نظامی کے فقہی اور حدیثی نصابِ تعلیم شرح وقایہ، ہدایہ اور جامع ترمذی میں ان کے اقوال وافکار، استنباط واجتہادِ مسائل، تحقیق ودلائل ابتداء میں ڈیرہ اسماعیل خان کی قدیم اور معروف دینی درسگاہ مدرسہ عربی نجم المدارس کلاچی اور پھر اعلیٰ درجات کی تعلیم کے دوران مادرِ علمی دارالعلوم حقانیہ کے اکابر ومشائخ اور جید اساتذۂ کرام سے بار بار پڑھنے اور سننے کا شرف حاصل ہوا۔ بالخصوص محدثِ کبیر استاذ العلماء شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب دامت برکاتہم کے درسِ حدیث اور فیضِ صحبت کی برکت سے امام ابوحنیفہؒ اسلامی دستور کے اوّلین مدوّن اور فقہ وقانون کے مجتہدِ اعظم کی حیثیت سے دل کی دھڑکن بن چکے تھے۔

اور اب کئی سالوں سے مادرِ علمی دارالعلوم حقانیہ میں علمِ فقہ اور حدیث کی درسی کتابوں کی تدریسی ضرورت کے پیش نظر متعدد شروح وحواشی اور دسیوں متعلقہ کتب کے مطالعہ اور حضرت شیخ الحدیث دامت برکاتہم کے افاداتِ ترمذی پر حقائق السنن کے نام سے تدوین وترتیب اور تحقیق ومراجعت کے دوران چاروں دبستانِ فقہ کے اصل مصادر ومآخذ اور دلائل وترجیحات کے مطالعہ سے یہ نقش مزید پختہ ہوکر گویا پتھر کی لکیر بن گیا۔

اور یہ صرف میرا ہی نہیں بلکہ ادنیٰ سمجھ بوجھ رکھنے والے عام مسلمانوں کا بھی یہی تأثر ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہؒ کے خلاف خاص منصوبہ بندی کے ساتھ طوفانِ بدتمیزی اور ہرزہ سرائی، درحقیقت اسلامی فقہ، قرآنی دستور، نظامِ شریعت اور خالصِ اسلامی طریقۂ انقلاب و سیاست کے خلاف محاذ آرائی ہے۔ یہ سارا شور و ہنگامہ اس لئے ہے کہ امام ابوحنیفہؒ اور ان کے تلامذہ کی عظیم علمی و قانونی شخصیتیں اور ان کی فقہی اور آئینی کاوشیں مخدوش ہو جائیں تاکہ اسلام کی نشأۃِ ثانیہ اور نفاذِ شریعت کی مبارک ساعت اس اُمت پر کبھی نہ آنے پائے۔ نعوذ باللہ من ذلک۔

یہی پس منظر تھا، جس کے پیش نظر سات سال سے بسلسلۂ ''دفاعِ حضرت امام ابوحنیفہؒ'' مطالعہ و تحقیق، بحث و جستجو اور ہمہ پہلو غور و فکر کے نتیجے میں امامِ اعظم ابوحنیفہؒ کی عظمتِ شان، علوِ مرتبہ، شرفِ تابعیت، معجزۂ نبوت، درس و افادہ، درس گاہ کی وسعت، محدثانہ جلالتِ قدر، اتہامات و اعتراضات کی نامعقولیت، بے داغ سیرت، فقیہانہ کردار، حنفی مسلک کی ترجیح و صداقت، حنفیت کی حقیقت، فقہ و قانون کی تدوین و طریقِ کار، شرکائے تدوین یعنی دستوری کمیٹی، امام ابوحنیفہ کا علمی تبحر اور بحث و مناظرہ، وصایا اور نصائح مرتبۂ حدیث، حجیتِ اجماع و قیاس، قیاس کا حدیث سے تلازم اور اس کی شرعی و آئینی حیثیت، ابوحنیفہؒ کا نظریۂ انقلاب و سیاست، حنفی اور فقہی اور خالص شرعی سیاست کے خدوخال، ائمہ احناف کی سیرت و سوانح کے چند حیرت انگیز پہلو، تقلید کی ضرورت و اہمیت، نظریۂ نیم تقلید اور بے جا توسّع کی مذمت اور اس نوع کے مختلف عنوانات پر باری تعالیٰ نے مختلف مضامین، مقالے اور مختصر اور طویل تحریریں لکھنے کی توفیق ارزانی فرمائی۔

جو زیادہ تر ماہنامہ ''الحق'' اور ماہنامہ ''الخیر'' ملتان میں شائع ہوتے رہے۔ ہفت روزہ ''خدام الدین'' لاہور، ماہنامہ النصیحہ'' چارسدہ، ''تبیان'' شیر گڑھ اور ماہنامہ 'الفاروق' کراچی نے بھی وقتاً فوقتاً ان کے بعض حصوں کو شائع کیا۔

مگر اس پر اکتفا کب ہوتا تھا، بات رُکنے کی نہیں تھی، اور نہ ہی میرے بس کی بات تھی اور یہ چنگاری کب بجھنے کی تھی، بھڑک اُٹھی۔ بعض نادان دوستوں اور حنفیت سے عداوت کی آگ میں جلنے والوں کی ستم ظریفیوں نے جلتی پر تیل ڈالا اور کچھ حالات اور اسباب بھی ایسے پیدا ہوتے چلے گئے، جس سے چنگاریوں کو شعلوں میں بدلنے کی فضا مل گئی۔ دفاع ابوحنیفہ کے پیشِ نظر طلاقِ ثلاثہ پر لکھا جانے والا تین صفحات کا مختصر مقالہ پھیل گیا اور سات سال کے مسلسل مطالعہ و تحقیق، بحث و تمحیص اور ابوحنیفہ اور حنفیت سے متعلق ہمہ پہلو عنوانات پر مقالات، مختلف تحریروں اور مضامین پر محیط ہو گیا اور اب خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے وہی مضامین و مقالات اور مختلف تحریریں قدرے اضافہ و ترمیم اور نئی ترتیب کے ساتھ ۱۳، ابواب پر مشتمل مربوط اور ایک ضخیم کتاب کی صورت میں آپ کے سامنے ہے اس دوران ایسا محسوس ہوا اور ہو رہا ہے، گویا ابوحنیفہؒ کا نام دل کی دھڑکن اور ان کا کام زندگی کا پیغام بن گیا ہے اور اب آخر پر اللہ تعالیٰ نے امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نظریۂ انقلاب و سیاست پر تحقیق و مطالعہ اور ایک مفصل مقالہ تحریر کرنے کی بھی توفیق عطا فرمائی، جسے ماہنامہ ''الخیر'' ملتان نے ذیقعدہ ذی الحجہ ۱۴۰۶ھ اور محرم ۱۴۰۷ھ کے تین شماروں میں شائع کیا۔ ماہنامہ النصیحہ چارسدہ میں بھی اس کی قسط وار اشاعت شروع ہے اور اب اسے اسی کتاب میں بطورِ ایک مستقل باب کے شریک کیا گیا ہے۔

موجودہ زمانہ کے دینی و اخلاقی، اجتماعی و سیاسی اور معاشی ماحول کو پیشِ نظر رکھ کر اسلامی طرزِ فکر کی خالص قرآنی سیاست کے خدوخال کیا ہیں۔ مضبوط سیاسی جماعت کی اہمیت وحدتِ ملّت اور اتحادِ اُمت کے شدید احساس و شعور کے باوجود ہماری سیاسی پالیسیوں کا مزاج و منہاج اور ان کا طریقِ کار کیا ہونا چاہئے۔ اکابرِ اسلام، ائمہ اُمت، بالخصوص امام اعظم ابوحنیفہؒ نے اپنے زمانے کے بگڑے ہوئے سیاسی حالات کی کس طرح اصلاح کی۔ ان کی دعوت، جدوجہد، سیاسی مساعی اور تحریک و انقلاب کا کام موجودہ دور کی

مغربی جمہوریت سے بعید تر، لیکن منہاجِ نبوت سے قریب تر تھا۔

امام ابوحنیفہؒ کی دعوت و انقلاب اور سیاسی عمل کا ردِّعمل کس طرح ہوا۔ باطل طاقتیں اور جابر حکومتیں ان کے مقابلہ میں کس طرح آئیں اور کیا کیا حربے استعمال کئے۔ سیاسی فضا کی ناہمواری کے باوجود امام ابوحنیفہؒ ایک مضبوط انقلابی جماعت بنانے میں کامیاب ہو گئے، ایسی جماعت جس نے ساڑھے پانچ سو سال تک ملک کے اجتماعی اور سیاسی نظام میں ایک مرکزی محور اور خالص اسلامی روح کا کام دیا۔

امام ابوحنیفہؒ نے جان کا نذرانہ تو دے دیا، مگر ذاتی منفعت سے بالاتر رہ کر اجتماعی اور ملّی مفادات اور ایک عظیم اسلامی انقلاب کی صورت میں بڑی سے بڑی قیمت وصول کی ابوحنیفہؒ کی تدبیر و مصلحت، حکمتِ عملی اور سیاسی پالیسی نے کس طرح فتح حاصل کی اور کب تک اس کے اثرات و نتائج ظہور میں آتے رہے۔ احقر نے انہی خطوط کو ایک مستقل سوال بنا کر اُبھارا اور انہیں ایک مستقل موضوع بنا کر اس پر تاریخی مواد مستقل باب میں ''امام ابوحنیفہؒ کا نظریہ انقلاب و سیاست'' کے عنوان سے جمع کر دیا ہے۔

ملکی حالات اور ملتِ اسلامیہ کے سیاسی زوال و اضمحلال کے حالیہ پر آشوب دور میں اس مقالے کے مطالعے سے ہچکولے کھاتی اور ڈولتی ہوئی کشتیِ ملّت کو ساحلِ مراد تک پہنچانے کی راہیں کھل سکیں گی۔ ان شاء اللہ۔

اگر اس باب یا مصنف کے کسی بھی مضمونِ کتاب سے کسی ضمیر میں نیا شعور اور کسی دل میں نئی خلش اور اُمنگ پیدا ہو جاتی ہے، تو یہی اس کے لئے کامیابی اور توشۂ آخرت ہے اور ان شاء اللہ اس کتاب کا مطالعہ، نئی تعمیر ایک خالص اسلامی انقلاب کے لئے ضمیر کی بیداری اور ذہن کی تیاری کی انگیخت کا ذریعہ ثابت ہوگا۔ قارئین و ناظرین اس کتاب کے مطالعہ سے اگر ایک طرف علمی اطمینان اور قلبی انشراح کی دولت حاصل کریں گے، تو دوسری طرف نیا حوصلہ، نیا یقین، جوشِ عمل اور اصلاحِ انقلابِ اُمت کا جذبہ بھی بیدار ہوگا۔

اس کتاب کا اسلوبِ تحریر اور طرزِ استدلال، بلکہ خود فقہ و قانون اور حنفی سیاست و تدبیر کا مزاج ہی ایسا ہے کہ اسلامی فکر اور اسلامی دعوت کے تمام حلقے بلا اختلاف اس سے فائدہ اُٹھا سکتے ہیں۔اقبالؒ سے قدرِ ترمیم و معذرت کے ساتھ ....

دل توڑ گئی جن کا دو صدیوں کی غلامی
دارو یہی ہے ان کی پریشاں نظری کا

اگر مطالعہ و استفادہ کے بعد مرتب ہونے والے اثرات و کیفیات، عزائم و شوقِ عمل، تائید و تصویب، اپنی گراں قدر آراء، تعمیری تنقید اور مفید مشوروں سے مصنف کو بھی استفادہ کا موقعہ بخشا جائے تو ممنونیت اور احسان مندی کے علاوہ اس کے آئندہ ایڈیشن میں اضافہ و تحسین اور مزید نکھار بھی پیدا کیا جا سکتا ہے۔

اور آخری گذارش یہ ہے کہ مصنف کو اپنی نالائقی، نااہلی اور علمی بے بضاعتی اور کم مائیگی کا خوب علم اور شدید احساس ہے۔ایاز قدرِ خود بشناس اپنے پورے پس منظر کے ساتھ اس کے سامنے ہے، مگر اس سب کچھ کے باوجود بھی جو کچھ بھی ہوا خالص اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور اپنے شیخ و مربی استاذی و استاذ العلماء محدثِ کبیر شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب دامت برکاتہم کے فیضِ صحبت و خدمت، دعا و شفقت اور توجہ و عنایت کی برکت سے ہوا ....

بنا ہے شہ کا مصاحب پھرا ہے اتراتا
وگرنہ شہر میں غالب کی آبرو کیا ہے

عبدالقیوم حقانی عفی عنہ

صدر القاسم اکیڈمی جامعہ ابوہریرہ

برانچ پوسٹ آفس خالق آباد نوشہرہ سرحد پاکستان

لقد زان البلاد و من علیها — امام المسلمین ابوحنیفه
بآثار وفقه فی حدیث — کآثار الزبور علی الصّحیفه
فما فی المشرقین له نظیر — و لا بالمغربین و لا بکوفة

(اخبار ابی حنیفه و اصحابه یصمری ص:۹۰)

امام المسلمین امام اعظم ابوحنیفہؒ نے شہروں کو زینت بخشی اور شہروں میں زندگی گذارنے والے لوگوں پر احسان کیا۔

یعنی آثار کی ترویج، فقہ کی دلنشیں تشریح فرمائی جیسا کہ صحیفہ میں زبور کی آیات جڑی ہوئی ہوں۔

چنانچہ اِن کمالات کی وجہ سے نہ تو مشرق میں اس کی مثال ملتی ہے اور نہ مغرب و کوفہ میں ان کی نظیر پائی جاتی ہے۔

امام عبداللہ بن مبارک

☆☆☆

باب : ۱

اوّلین تعلیم گاہ سے صحابہؓ کی درسگاہ تک شرفِ تابعیت، مرکزِ علم کوفہ اور محدثین کا تذکرہ

سیدنا امام الائمہ، سراج الامت، سید الفقہاء محدثِ کبیر حافظ الحدیث امام اعظم حضرت امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت کے اوصافِ مخصوصہ علم وعمل، زہد وتقویٰ، ریاضت و عبادت اور فہم وفراست کی طرح آپ کی شانِ محدثیت ، حدیث دانی اور حدیث فہمی بھی تمام اہلِ ایمان میں مسلّمہ اور ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے۔

تعصّب کی بدترین مثال :

مگر دنیا میں علمی طور پر تعصب اور تعنّت کی اس سے بدترین مثال شاید ہی کوئی اور ہو کہ بعض ناعاقبت اندیش افراد سراج الائمہ امام ابوحنیفہؒ (جو صرف محدث ہی نہیں بلکہ اکابرینِ ملّت کے بیان کے مطابق ''من ائمة الحديث'' اور بعض کے قول کے مناسب ''من كبار المجتهدين في الحديث'' اور بعض کے نزدیک ''من ائمة الحديث والفقه'' ہیں) اور ان کے اصحاب کے خلاف عرصۂ دراز سے متعفن اکاذیب کو جدید سانچہ میں ڈال کر خلافِ واقعہ اور بے بنیاد الزامات قائم کر کے ان کی اشاعت وتبلیغ اور

اس مبارک فریضۂ منصبی کی ادائیگی کے لئے متحدہ محاذ قائم کئے ہوئے ہیں اور یہ اس حقیقت کے قطعاً خلاف نہیں کہ جو شخصیت جس قدر باکمال اور مقبول عنداللہ ہوتی ہے۔ اُسی تناسب سے اس کے حاسدوں کی تعداد بھی زیادہ ہوتی ہے۔

ابن تینؒ شارح بخاری نے امام ابوحنیفہؒ پر امام بخاری کے اعتراض کے سلسلہ میں بالکل درست فرمایا ہے کہ " لا یرمی شجرٌ الّا ذو ثمر " (جو درخت پھل دار ہو پتھر بھی اُسے مارے جاتے ہیں) خود امام صاحبؒ کی زندگی میں جب حاسدوں کی طرف سے آپ کو کوئی رنج پہنچتا تو فرماتے ......

ان یحسدو فی فانی غیر لائمهم

قبلی من الناس اهل الفضل قد حسدوا

فدام لی و لهم ما بی و ما بهم

و مات اکثرنا غیظًا بما یجدُ

اگر لوگ مجھ پر حسد کرتے ہیں تو کریں میں تو انہیں کچھ ملامت نہیں کروں گا کیونکہ اہل فضل پر مجھ سے پہلے بھی لوگ حسد کرتے آئے ہیں، میرا اور ان کا ہمیشہ یہی شیوہ رہے گا اور ہم سے اکثر لوگ حسد کر کے مر گئے ہیں۔

امام ابوحنیفہؒ پر اعتراضات :

مخالفین کے جملہ اعتراضات کا مرجع اور خلاصہ تین اُمور ہیں :

۱ قلتِ حدیث کا الزام' بعض اہل ہوا، کوتاہ بین اور بے بصیرت افراد امام ابوحنیفہؒ سے حسد اور بغض و عداوت ان کے مدارکِ علمیہ سے جہالت اور ناواقفیت کی بناء پر تو یہاں تک کہہ دیتے ہیں کہ ابوحنیفہؒ کو صرف سترہ (۱۷) حدیثیں یاد تھیں۔

۲ فقہ اور رائے کی طرف ان کا انتساب۔

۳ قیاس ورائے کو حدیث پر ترجیح دینا۔

اولاً ہم نہایت اختصار کے ساتھ اعتراض اوّل کی ردّ میں علم حدیث اور فنِ روایت و درایت میں امام اعظم امام ابو حنیفہؒ کا رتبہ، بلند مقام، آپ کی شان محدثیت، حدیث دانی اور حدیث فہمی، ٹھوس دلائل اور مستحکم شواہد کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔

ابن حجر مکیؒ کا اعلان :

علم حدیث میں امام اعظمؒ کی کمالِ دسترس پر اس سے بڑھ کر اور کیا سند ہو سکتی ہے کہ ان کا بیان فرمودہ ہر مسئلہ حدیث نبوی کے موافق اور ہر حکم سنّتِ رسول ﷺ کے مطابق ہے۔ آج تک کوئی یہ ثابت نہیں کر سکا کہ امام اعظمؒ کا بیان کردہ فلاں مسئلہ حکم حدیث کے خلاف تھا۔ علامہ ابن حجر مکیؒ دعویٰ سے کہتے ہیں :

> "امام صاحب نے کبھی بھی اپنے مسلک کی طرف جناب رسول ﷺ کے بلاشبہ اشارۂ معامی کے دعوت نہیں دی"۔

(مقدمہ اوجز المسالک و خیرات الحسان)

یقیناً اتنے بڑے کام اور اس قدر بلند مقام کے لائق ایسی ہی شخصیت ہو سکتی ہے، جسے منشأ رسالت معلوم کر کے روایات میں تطبیق اور اگر تطبیق ممکن نہ ہو تو سند کی قوت و ضعف اور دیگر اُصولِ درایت کے اعتبار سے فیصلہ کرنے پر عبورِ تام حاصل ہو۔ منشأ وحی اور مزاج رسالت کو پہچانتا ہو، روایات کے تمام طُرق پر حاوی، درایت کے کامل اُصولوں پر محیط اور راویوں کے تمام حالات پر ناقدانہ نظر رکھتا ہو۔

ایک علمی جائزہ اور ضروری تجزیہ :

امام عالی مقام کی علمی خوبیوں، علمِ حدیث میں فضل و تفوّق اور مرتبۂ علیاً فنِ روایت و درایت میں مہارت اور عظمت و امامت، علم فقہ میں فضل و تقدم، فوق العادۃ علم و

بصیرت، فہم وفراست، جزم واحتیاط، اخلاص ومحبت اور جلالتِ شان معلوم کرنے کے لئے آپ کی درس گاہ، نصابِ تعلیم، شیوخ واساتذہ، جلیل القدر تلامذہ اور اُمتِ مسلمہ کی شہادت کا ایک علمی جائزہ اور ضروری تجزیہ ایک ناگزیر حقیقت ہے۔ جسے آئندہ صفحات میں تفصیل سے پیش کیا جارہا ہے۔

ابوحنیفہؒ کی اوّلین درسگاہ :

سیدنا امام اعظم ابوحنیفہؒ کی درسگاہ ''کوفہ'' تھی، جس کے سرپرست حضرت علیؓ اور صدر مدرس حضرت عبداللہ بن مسعودؓ تھے، مگر اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ اہلِ کوفہ حضرت علیؓ کے خلیفہ ہونے سے پیشتر بھی علمِ حدیث رکھتے تھے۔ (منہاج السنہ ج۴ص۱۳۹)

اہلِ کوفہ حضرت سعدؓ بن ابی وقاص، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت حذیفہؓ، حضرت عمارؓ، حضرت ابوموسیٰ الاشعریؓ جن کو عمرِ فاروقؓ نے کوفہ بھیجا تھا سے دین وعلم اور حدیثِ رسول ﷺ حاصل کرچکے تھے۔ (منہاج السنہ ج۴ص۱۳۹)

اہلِ کوفہ نے کون کون سے علوم حاصل کئے؟ صاحبِ منہاج السنہ لکھتے ہیں :

فان اهل الكوفه التى كانت داره كانوا قد تعلموا الايمان والقرآن و تفسيره والفقه و السنه عن ابن مسعود وغيره قبل ان يقدم على الكوفة۔

(منہاج السنہ ج۲ص۱۴۲)

اہلِ کوفہ نے جو حضرت علیؓ کا دار الخلافہ تھا۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ وغیرہ سے ایمان، قرآن، تفسیر، فقہ، سنت کا علم حضرت علیؓ کی کوفہ تشریف آوری سے پہلے ہی حاصل کرلیا تھا۔

اس لئے تو شارحِ مسلم شیخ الاسلام امام نوویؒ (المتوفی ۶۷۶ھ) لکھتے ہیں :

وهى دار الفضل و محل الفضلاء۔ (شرح مسلم ج۱ص۱۸۵)

کوفہ فضیلت کا گھر اور فضلاء کا محل ہے۔

سفیان بن عینیہ (المتوفی ۱۹۸ھ) فرماتے ہیں :

خذوا الحلال و الحرام عن اهل الكوفه۔ (معجم البلدان یاقوت حموی لفظ کوفہ)

حرام اور حلال کے مسائل اہلِ کوفہ سے حاصل کرو۔

صرف یہ نہیں بلکہ علامہ ابن سعد نے لکھا ہے :

ستر (۷۰) بدری صحابہ اور تین سو (۳۰۰) بیعتِ رضوان میں شریک ہونے والے صحابہؓ کوفہ میں تشریف فرما ہوئے تھے۔ (طبقات ابن سعد ج ۲ ص ۴)

حضرت قتادہ سے روایت ہے :

نزل الكوفة الف و خمسرن رجلاً من اصحاب النبی صلى الله عليه و سلم اربعة و عشرون من اهل بدر۔

آنحضرت ﷺ کے صحابہؓ میں سے ایک ہزار اور پچاس صحابہؓ اور ۲۴ بدری صحابہؓ کوفہ میں تشریف فرما ہوئے ہیں۔

کوفہ اور علمِ حدیث :

کوفہ علمِ حدیث کا بھی اچھا خاصا مرکز تھا۔ محمد بن سیرین (المتوفی ۱۱۰ھ) فرماتے ہیں :

قدمت الكوفة و بها اربعة الافٍ يطلبون الحديث۔

(تدریب الراوی ص ۲۷۵)

میں کوفہ پہنچا تو وہاں چار ہزار طلبۂ حدیث موجود تھے۔

امیر المؤمنین فی الحدیث حضرت امام بخاری (المتوفی ۲۵۶ھ) طلبِ حدیث کے سلسلہ میں کوفہ اور بغداد میں بار بار حاضر ہوتے رہے۔ خود فرماتے ہیں :

لا احصٰی کم دخلت الی الکوفة و بغداد مع المحدثین۔

(مقدمہ فتح الباری ج ۲ ص ۴۷۹)

میں یہ نہیں گن سکتا کہ میں محدثین کے ساتھ کوفہ و بغداد کتنی مرتبہ گیا۔

جہاں ایک ہزار صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا ورودِ مسعود ہوا ہو جہاں ایک ہی وقت میں چار ہزار طالب علم ہوں، جہاں سے امام بخاریؒ اپنی علمی پیاس بجھاتے ہوں، کس قدر ظلم اور ناانصافی کی بات ہے کہ وہاں کے اکابر، مشائخ، اساتذہ اور مدرسین و مستفیدین کے خلاف صرف امام اعظم ابوحنیفہؒ اور آپ کے متبعین کی عداوت کے پردہ میں خاص قوت صرف کر کے یہ مہم چلائی جائے کہ اہلِ کوفہ کو حدیث کا علم ہی نہ تھا۔

جابر جعفی :

یہ بھی کوئی انصاف کی نظر ہے کہ کوفہ کے سینکڑوں محدثین سے تو آنکھیں چندھیا جائیں اور صرف جابر جعفی کذاب پر جم جائیں، کس قدر رنڈر ہیں جو کہتے ہیں ''اگر شمع نہ ہوتی تو سورج کی روشنی بھی نہ ہوتی''۔ اگر جابر جعفی نہ ہوتا تو کوفہ والے حدیث ہی سے تہی دست ہوتے۔

بوالعجبی اور وہ بھی اس حد تک کہ دنیا کو یہ باور کرایا جا رہا ہے کہ اہلِ کوفہ کی حدیث دانی کا سرمایۂ حیات ہی ''جابر جعفی'' ہیں۔ انا للّٰہ ....

یہ گھر جو بہہ رہا ہے کہیں تیرا گھر نہ ہو :

مگر یہ خیال بھی کرنا چاہئے کہ کہیں مسئلہ رفع یدین' آمین بالجہر اور فوق الصدر وغیرہ میں سفیان ثوری اور ایسے ہی دیگر محدثین کوفی نہ ہوں۔ اگر کوفی ہونا جرم ہے اور اہل کوفہ علم حدیث سے عاری ہیں تو پھر امام یحییٰ بن سعید القطان، امام یحییٰ بن معین، امام عبداللہ بن مبارک، امام وکیع بن الجراح، امام لیث بن سعد اور امام یحییٰ بن زکریا بن ابی زائدہ سب

کی نقلِ روایت کا انکار لازم آتا ہے اور کسی کی نقل بھی صحیح نہیں قرار دی جاسکتی۔

کیا کوئی جواب بن پڑے گا، جب پوچھا جائے کہ ان بزرگوں کی نقل صحیح نہیں تو پھر محدثین میں نقل کس کی صحیح ہے ...... ع یہ گھر جو بہہ رہا ہے کہیں تیرا گھر نہ ہو

محدثین کوفہ کا بلند علمی مقام :

اسماء الرجال کی کتب، تاریخِ خطیب، طبقاتِ سبکی، تذکرۃ الحفاظ، معرفۃ علوم الحدیث، تہذیب التہذیب اور البدایہ والنہایہ میں کوفہ کے محدثین کی تعداد سینکڑوں سے بھی متجاوز ہے۔ صرف تذکرۃ الحفاظ جلد اوّل ہی کو لے لیجئے، جس میں علامہ ذہبی نے ''الکوفی'' یا ''نزیل الکوفہ'' کے لقب سے ۲۵۶ھ تک کے ۹۷ محدثین کا تذکرہ کیا ہے، جو حفاظِ حدیث ہیں اور جن کے نام کے ساتھ ''القدوہ''، ''الامام''، ''المحدث'' اور بعض کے نام کے ساتھ ''الحافظ''، ''الحجۃ''، ''الثقہ'' اور کسی کے نام کے ساتھ ''شیخ الاسلام''، ''محدث الکوفہ'' جیسے توصیفی کلمات لگا کر اپنی عقیدت و محبت کا اظہار کیا ہے، جن میں امام ابوحنیفہؒ اور قاضی ابویوسفؒ کا تذکرہ بھی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کوفہ کے محدثین اور ان کے بلند علمی مقام سے متاثر ہو کر علامہ ترمذی نے بھی اکثر جگہ اہلِ کوفہ کے مذہب کا ذکر کیا ہے۔

کوفہ ابوحنیفہؒ کا مولد ہے :

یہی کوفہ امام اعظم ابوحنیفہؒ کا مولد اور اوّلین درسگاہ ہے، جہاں سے ہمیشہ علوم نبوت کی نشر و اشاعت ہوئی ہے۔ (امام اعظم ابوحنیفہؒ متفق علیہ اور مشہور روایت کے مطابق ۸۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۵۰ھ میں انتقال فرمایا)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کوفہ کی سب سے بڑی علمی شخصیت :

کوفہ میں بے حد و حساب صحابۂ کرامؓ کا ورود ہوا۔ علم میں ان میں زیادہ مشہور

حضرت علی مرتضیٰؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ہیں۔ حضرت علیؓ کو نشر و اشاعت کے لئے سیاسی جھمیلوں کی وجہ سے وہ فراغت نہ حاصل ہوسکی جو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو نصیب ہوئی ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی شخصیت صحابہؓ میں سب سے بڑی علمی اور اثری شخصیت تھی۔ مسلمان ہونے میں ان کا چھٹا نمبر تھا۔ مہاجرین حبشہ کے ساتھ بھی ہجرت کی اور بعد ازاں مدینہ۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہمہ وقتی معیت اور ملازمتِ صحبت سے مشرف ہیں، آپ کو ہر وقت دربارِ نبوی میں آنے جانے کی اجازت تھی۔ قرآن خوانی اور قرآن دانی سے بے حد شغف تھا۔ اسلامی تعلیمات اور تفسیر قرآن میں امتیازی مقام کی وجہ سے آپ کا کبار علماء میں شمار ہوتا تھا۔ حضرت فاروقِ اعظمؓ نے آپ کو کوفہ کے شہریوں کا معلم بنا کر بھیجا تھا۔ اہلِ کوفہ نے ان سے علم حاصل کیا اور ان کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا اور صرف علم ہی نہیں بلکہ اخلاق و آداب بھی ان ہی سے لئے۔ ان کے شاگردوں کے بارے میں سعید ابن جبیر کا کہنا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے تلامذہ ہی اس شہر کے چشم و چراغ ہیں۔ آپ لوگوں کو قرآن بھی پڑھاتے، تفسیر بھی سکھاتے اور حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث بھی بیان فرماتے اور پیش پا افتادہ حالات میں فتاویٰ بھی کتاب و سنت سے یا پھر اپنے اجتہاد سے دیتے، آپ کے مدرسہ کے چھ شاگرد مشہور ہیں۔

(۱) علقمہ (۲) اسود (۳) مسروق (۴) عبیدہ (۵) حارث اور (۶) عمر بن شرحبیل۔ یہ حضرات کوفہ میں تعلیم و افتاء میں حضرت عبداللہؓ کے جانشین ہیں، لیکن سب علماء کے لئے کوفہ کا علمی مرکز صرف حضرت عبداللہ ہی کی شخصیت نہ تھی بلکہ ان میں بہتوں نے مدینہ جا کر حضرت فاروقِ اعظمؓ، حضرت علی مرتضیٰؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت معاذ بن جبلؓ اور دوسرے اکابر صحابہؓ سے علمی استفادہ کیا ہے۔ اس کے نتیجہ میں کوفہ کو ایک علمی گھرانہ کی حیثیت بھی حاصل ہوگئی۔ کوفہ کے علماء میں شریح شعبی نخعی اور سعید بن جبیر بہت مشہور ہیں۔ اس بستی میں علمی ترقی ہوتی رہی تا آنکہ علم کا یہی تاج امامِ اعظم ابوحنیفہؒ کے سر

پر رکھا گیا۔

(علامہ محمد علاؤالدین حصکفی درمختار شرح تنویرالابصار جلد ا میں تحریر فرماتے ہیں :

و قد قالوا الفقه زرعه عبد الله بن مسعود رضي الله عنه و سقاه علقمه و حصده ابراهيم النخعي و داسه حماد و طحنه ابو حنيفه و عجنه ابو يوسف و خبزه محمد و سائر الناس ياكلون۔

فقہاء نے فرمایا کہ فقہ کی کھیتی عبداللہ بن مسعود نے بویا اور علقمہ نے اس کو سینچا ابراہیم نخعی نے اس کو کاٹا، حماد نے اس کو مانڈ کر اناج جدا کیا، امام اعظم ابو حنیفہ نے اس کو پیسا اور امام ابو یوسف نے اس کو گوندھا اور محمد بن حسن نے اس کی روٹیاں پکائیں اور باقی لوگ اس کو کھانے والے ہیں)

تحصیل و تکمیلِ علم اور توازن و جامعیت :

امام اعظم ابو حنیفہ کو ابتداء میں دوسرے فنون کے ساتھ علم الکلام سے بھی خاص دلچسپی ہوگئی تھی اور اس دلچسپی کی وجہ یہ بتائی ہے کہ چونکہ علم الکلام میں اُصول دین سے بحث ہوتی ہے، اس لئے یہ علم، تمام علوم سے برتر ہے۔ (مناقب اللموفق ج ا ص ۶۴)

امام اعظم ابو حنیفہؒ نے اس علم کی تکمیل کی' صرف تکمیل ہی نہیں بلکہ درجہ امامت کو پہنچے، مناقب کردری اور تاریخ بغداد میں ہے کہ :

بلغ فيه مبلغاً يشار اليه بالا صابع۔ (مناقب کردری ج ا ص ۶۴ و تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۳۳۲)

علم کلام میں امام اعظم ابو حنیفہؒ اس مقام پر پہنچ گئے کہ انگلیاں ان ہی کی طرف اُٹھتی تھیں۔

امام شعبیؒ کو چونکہ امام ابو حنیفہؒ کی کلامی مسائل میں ہونہاری اور بیداری کی داستان اور علمی مقام اور صلاحیت و استعداد معلوم ہو چکی تھی۔ اس لئے انہوں نے آپ کو

''الشرائع'' کی طرف ہمہ تن متوجہ ہونے کی ترغیب دی۔ چنانچہ صدر الائمہ نے یحیی بن بیر کے حوالہ سے امام اعظم ابوحنیفہؒ کی زبانی لکھا کہ :

''میں ایک روز بازار جاتے ہوئے امام شعبیؒ کے پاس سے گذرا۔ امام شعبیؒ نے مجھے بلایا اور دریافت کیا کہ کہاں جارہے ہو، میں نے عرض کیا کہ بازار جارہا ہوں۔ آپ نے فرمایا، مطلب یہ ہے کہ علمی مشغلہ کیا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ میں علماء کے پاس کم جاتا ہوں' فرمایا کہ اس بارے میں غفلت کو راہ نہ دو، مطالعہ اور اہلِ علم کی صحبت کو اپنے لئے ضرور کرلو مجھے تم میں ہونہاری اور بیداری نظر آرہی ہے۔ امام شعبیؒ کی بات میرے دل میں گھر کر گئی اور بازار چھوڑ کر بس علم ہی کا ہو رہا''۔ (مناقب للموفق ص ۶۴)

(۲۔ اس کے علاوہ ایک دوسرا سبب بھی امام اعظم ابوحنیفہؒ کے سوانح نگاروں نے لکھا ہے۔ الموفق جلد ا ص ۶۱، پر خود امام اعظم ابوحنیفہؒ سے یہ قول منقول ہے کہ :

''خدعتنی امرأة و زهدتنی اخری و فقهتنی اخری''۔

ایک عورت نے مجھے دھوکہ دیا اور ایک عورت نے مجھے زاہد بنایا اور ایک عورت نے مجھے فقیہ بنادیا۔

دراصل ہوا یوں کہ امام صاحب کے ہاں آپ کی دُکان پر ایک عورت نے حاضر ہوکر طلاق یا حیض کا کوئی مسئلہ دریافت کیا، مگر امام صاحب نے لاعلمی کا اظہار کرتے ہوئے امام حماد کی درسگاہ کی طرف اشارہ کیا اور ساتھ ہی عورت کو یہ تاکید کردی کہ امام حماد جو جواب دیں، اس سے مجھے بھی آگاہ کرنا۔ چنانچہ اس عورت نے جب واپسی پر جواب سنایا تو اس سے امام اعظم ابوحنیفہؒ کو ندامت ہوئی اور بس اسی وقت سے علم فقہ سیکھنے کا عزم کرلیا اور امام حماد کے حلقۂ درس میں پابندی سے شرکت شروع کردی تا آنکہ امام حماد کے جانشین قرار پائے۔

قرآن حکیم کی تعلیم سے فراغت کے بعد امام اعظم ابوحنیفہؒ نے اپنے زمانے کے رائج فنونِ عصریہ کی طرف متوجہ ہوئے۔ علم ادب، علم الشعر والقافیہ، علم القرأت اور علم الکلام وغیرہ ایک ایک فن کو باقاعدہ پڑھ لیا تھا۔ اس کی تفصیل خود امام ابوحنیفہؒ کی زبانی سنیئے۔

''مجھے علم کلام میں کافی دسترس تھی، ایک عرصہ اسی میں بیت گیا۔ لوگوں سے مناظرے کرتا، اسی فن کی حمایت اور مدافعت میرا مشغلہ تھا۔ بصرہ مختلف مدارسِ فکر کا گڑھ تھا میں بیس بار سے زائد مرتبہ بصرہ گیا ہوں۔ سال بھر یا اس سے زیادہ قیام رہتا تھا۔ اس زمانے میں میری خارجیوں کے فرقوں سے مڈبھیڑ ہوئی۔ میں علم کلام کو افضل ترین علم سمجھتا، اور کہا کرتا تھا کہ یہی دین کی بنیاد کی نگرانی ہے۔ عرصہ گذرنے پر میں نے خود اپنے تئیں غور کیا اور اس نتیجہ پر پہنچا کہ صحابہؓ اکابرین کبار نہ صرف یہ کہ اِن چیزوں سے بے بہرہ نہ تھے بلکہ ہم سے زیادہ ان کے علم میں گہرائی تھی۔ حقائق سے واقف تھے، مگر اس کے باوجود ان کی زندگیاں مجادلانہ شورشوں سے یکساں یکسر خالی رہیں۔ نہ صرف یہ کہ ان کا مشغلہ نہ تھا بلکہ وہ لوگوں کو اس سے روکتے تھے، ان کے غور وفکر کی جولانگاہ ''علم شرائع'' اور ابوابِ فقہ تھے یہی ان کا موضوع تھا، یہی ان کی مجلسی زندگی کی رونق تھی۔ اسی کی لوگوں کو تعلیم دیتے اور اسی کے سیکھنے کی ترغیب دیتے۔

صدرِ اوّل ایسے ہی گذرا ہے۔ تابعین بھی ان کے نقش قدم پر تھے۔ اس موقع پر پہنچ کر میں نے علم کلام کو خیر باد کہہ دیا۔ صرف فنی معرفت باقی تھی اور زندگی میں بطورِ فن سلف کے علوم کو اپنا لیا، وہی کام شروع کیا جو وہ کرتے تھے اور اس کے تجربہ کار اساتذہ سے رابطہ قائم کرلیا اور ان کی بھی مجلسوں کو اپنا لیا اور اپنی جگہ پر یہ یقین کرلیا کہ متکلمین کا گروہ کا گروہ

اسلاف کے نقشِ قدم سے ہٹا ہوا اور صالحین کے مقام سے دور ہے۔ ان کے دلوں میں قساوت ہی قساوت ہے۔ کتاب و سنت کی مخالفت سے بے پرواہ، بے روح اور تقویٰ سے دور طبقہ ہے''۔

امام اعظم ابوحنیفہ کے اس ارشاد سے شاید بعض لوگ یہ خلش محسوس کریں کہ امام اعظم علم کلام کی تعلیم و تعلم کو اُمت کے لئے پسند نہیں فرماتے تھے، لیکن ایسا نہیں بلکہ امام اعظم کی نظر میں علم کلام کو ایمان کے لئے ایک دفاعی سرمایہ کی حیثیت میں اپنانے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ چنانچہ علامہ صدر الاسلام نے اپنی کتاب اُصول دین میں اس کی وضاحت کی ہے۔ فرماتے ہیں:

''یوں سمجھو کو صحابہؓ ایسے خوش آئند ماحول میں تھے جہاں جنگ کا نام و نشان نہ تھا، امن و سکون کی زندگی تھی۔ یقیناً ایسے ماحول میں سامانِ جنگ اور جنگی تیاری کی ضرورت نہیں ہے اور ہمارا حال یہ ہے کہ ایک جنگجو طبقہ نے حملہ کر کے ایمان و اعتقاد کی زندگی کا امن تہ و بالا کر دیا ہے۔ اسی لئے ہمیں نمٹنے کے لئے سامانِ جنگ کی ضرورت ہے اور فوجی ٹریننگ کی بھی۔ ہمارے اکثر فقہا۔ نے لوگوں کو علم کلام سیکھنے سے روکا ہے، لیکن جو امام جعفر کے پیروکار ہیں، وہ اس کی تعلیم و تعلّم کے جواز کے قائل ہیں۔ البتہ انہوں نے عمر کے آخری حصہ میں اس میں مناظرے سے روک دیا تھا''۔ (اُصول بزدوی صدر الاسلام ص۴)

''علمِ کلام کی تحصیل کی غایت یہ اور صرف یہ ہے کہ جو لوگ خود فریبی سے شک و ارتیاب کو دامن عافیت سمجھ کر اسلام پر حملہ آور ہو رہے تھے، اور یونانی فلسفہ کو بطورِ اسلحہ استعمال کر رہے تھے، چنانچہ اسلاف بالخصوص امام ابوحنیفہؒ نے اپنے گھر کے اسلحہ قرآن و حدیث کو محفوظ رکھتے ہوئے مخالف

ہی کی فیکٹریوں سے دلائل کا اسلحہ لے کر ان کا مقابلہ کیا''۔

(مناقب صدر الائمہ ج ا ص ۶۱)

بہرحال ۹۴ھ میں امام شعبی نے امام اعظم ابوحنیفہؒ کو علوم عقلیہ کے بجائے ''الشرائع'' کی تحصیل کی ترغیب دی۔ مطالعۂ علمی اور علماء کی مجالست کا مشورہ دیا۔ چنانچہ امام صاحب ۱۰۴ھ میں غالباً چوبیس سال کی عمر میں اپنے استاد حماد کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پورے اٹھارہ سال تک ان کی رفاقت وخدمت، صحبت اور مجالست میں رہے۔ ۱۲۰ھ میں ایک عظیم اور باکمال مجتہد کی حیثیت سے رونما ہوئے۔ جبکہ ۹۵ھ سے ۱۰۴ھ تک کا طویل عرصہ علم حدیث کی تحصیل میں صرف کیا۔ ۹۶ھ میں امام صاحب نے زندگی کا سب سے پہلا حج کیا اور اسی سال حضور اقدس ﷺ کے ایک جلیل القدر صحابی عبداللہ بن الحارثؓ سے ملاقات اور تلمذ کا شرف حاصل کیا اور آپ نے اسی ملاقات میں ان سے حضور اقدس ﷺ کا یہ ارشاد سنا:

من تفقه في الدين كفاه الله همّه و رزقه من حيث لا يحتسب۔

(جامع بیان العلم)

جس نے اللہ کے دین میں فقاہت پیدا کر لی اللہ اس کے رنج وغم میں کافی ہے اور اس کو ایسے مقام سے رزق دے گا جہاں سے اس کو گمان بھی نہ ہوگا۔

آپ کی تعلیمی زندگی اور طویل داستان کو اس مختصر طریقہ سے بھی سمیٹا جا سکتا ہے۔

۱۔	حفظ القرآن بقراءۃ عاصم ۸۶ھ تا ۸۸ھ	۲ سال بعمر ۸ سال
۲۔	نحو وادب، ۸۸ھ تا ۸۹ھ	۲ // // ۱۰ //
۳۔	علم الکلام، ۹۰ھ تا ۹۴ھ	۵ // // ۱۴ //
۴۔	مناظرہ، ۹۵ھ تا ۹۸ھ	۴ // // ۱۸ //
۵۔	علم الحدیث، ۹۹ھ تا ۱۰۳ھ	۵ // // ۲۳ //

۶۔ علم فقہ وعلم الشرائع، ۱۰۴ھ تا ۱۲۵ھ ۔ ۱۷ // // ۴۰ //

(امام اعظم اور علم الحدیث)

امام ابوحنیفہؒ تابعی ہیں :

امام ابوحنیفہؒ نے اپنے زمانہ میں کوفہ کا کوئی صحابیؓ اور تابعیؒ ایسا نہیں چھوڑا جس سے ملاقات اور کسبِ فیض نہ کیا ہو۔

علامہ خوارزمیؒ فرماتے ہیں :

اتفق العلماء علی انه روی عن اصحاب رسول صلی اللہ علیه وسلم لکنّهم اختلفوا فی عددهم۔ (تنسیق النظام ص۱۰)

علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ امام صاحب نے صحابہؓ سے روایات نقل کی ہیں لیکن اس کی تعداد میں اختلاف ہے۔

عبداللہ بن مبارکؒ اپنے ایک شعر میں فرماتے ہیں :

کفٰی نعمان فخراً ما رواہ　　　من الاخبار عن غرر اصحابه

صحابہؓ سے شرف روایت یقیناً بہت بڑی سعادت ہے، مگر جانتے ہوئے بھی نہ ماننے والوں کو کس طرح منوایا جائے، جب ان کی نگاہوں میں امام ابوحنیفہؒ کا مسلّم شرف تابعیت بھی کوئی وقعت نہ رکھتا ہو۔

تابعی کی تعریف :

حالانکہ امام صاحب کی تابعیت قطعی اور یقینی ہے۔ صاحبِ ''نخبۃ الفکر'' لکھتے ہیں :

التابعی هو من لقی الصحابی۔

تابعی وہ ہے جس نے صحابی سے ملاقات کی ہو۔

حافظ ابن حجر مکی نے اس تعریف کو اکثر محدثین کا مسلک قرار دیا ہے۔

(خیرات الحسان)

شیخ ابوالحسنؒ نے حافظ ابن حجر کی تصدیق کرتے ہوئے فرمایا :

''یہی تعریف معتبر ہے، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک ارشاد میں اس جانب اشارہ کیا ہے۔ ''طوبی لمن رانی و لمن رای من رانی و امن بی طوبی لم رای من رانی ''میں کہتا ہوں۔ اس حدیث کی رو سے امام ابوحنیفہؒ تابعین کے رشتہ سے منسلک ہیں (اس کے بعد فرماتے ہیں) جن لوگوں نے امام صاحب سے تابعی ہونے کا انکار کیا ہے، وہ متعصب اور کم فہم ہیں''۔ (نزہۃ الخواطر)

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں :

ادرک الامام ابی حنیفه جماعة من الصحابة لانه و لد بالکوفه سنة ثمانین من الهجرة و بها یومئذ من الصحابة عبد الله بن ابی اوفی فانه مات بعد ذلک بالاتفاق و بالبصرة یومئذٍ انس بن مالک و مات سنة تسعین فهو بهذ الاعتبار من التابعین۔ (تنسیق النظام ص۱۰)

امام صاحب نے صحابہ کی ایک جماعت سے ملاقات کی ہے اور اس وقت کوفہ میں عبداللہ بن ابی اوفیٰ موجود تھے اس لئے کہ بالاتفاق ان کا انتقال ۸۰ھ کے بعد ہوا ہے اور بصرہ میں اس وقت حضرت انسؓ موجود تھے اور ان کا انتقال ۹۰ھ میں یا اس کے بعد ہوا ہے۔ اس وجہ سے امام صاحب تابعین میں سے ہیں۔

بلکہ علامہ ابن حجر مکی تو شرح مشکوٰۃ میں یہ تحریر فرماتے ہیں کہ :

ادرک الامام الاعظم ثمانیة من الصحابه ۔ (تنسیق النظام ص۱۰)

امام صاحب نے آٹھ صحابہؓ سے ملاقات کی ہے۔

حافظ المزی صاحب بوضاحت فرماتے ہیں :

''امام صاحب کی ملاقات ۲۷ صحابہؓ سے ہوئی ہے''۔ (معجم المصنفین ج ۲ ص ۲۳)

غرضیکہ ائمہ فن خطیب بغدادی، ابن جوزی، مزی، یافعی، عراقی، ذہبی، ابن حجر اور علامہ سیوطی وغیرہ حضرت امام صاحب کی تابعیت پر متفق ہیں۔ (تحفۃ الحدیث ص ۴۵)

امام ابو حنیفہؒ کی صحابہؓ سے مرویات ثابت ہیں :

امام صاحبؒ کی تابعیت یقیناً بہت بڑا شرف ہے۔ نہ ماننے والوں نے جان کر بھی نہ مانا، بھلا ضد کا بھی کوئی علاج ہے؟ جن کے دل کدورت سے پاک ہیں انہوں نے نہ جانتے ہی مان لیا۔ یہاں تک مانا کہ امام ابو معشر عبد الکریم بن عبد الصمد شافعیؒ نے تو امام اعظمؒ کی صحابہؓ سے مرویات کو بھی ایک مستقل رسالہ میں لکھ دیا۔ علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے بھی ان تمام روایات کو اپنے ایک رسالہ'' **تبییض الصحیفه** '' میں جمع کیا ہے۔

(تنسیق النظام ص ۱۰)

شبلی نعمانیؒ سے بھی غلطی ہوگئی :

تعجب ہے مشہور عالم دین اور صاحب قلم علامہ شبلی نعمانیؒ جیسے تاریخ دان بھی امام صاحب کی روایت صحابہؓ پر بڑے کھلے انداز سے نکیر کرتے ہیں، لکھتے ہیں :

''تعجب ہے کہ علامہ عینی شارح ہدایہ بھی اس غلطی کے حامی ہیں۔ صاف بات یہ ہے کہ امام صاحب نے صحابہؓ سے ایک روایت بھی کی ہوتی تو سب سے پہلے امام صاحب کے تلامذۂ خاص اس کو شہرت دیتے۔ لیکن قاضی ابو یوسف، امام محمد، عبد اللہ بن مبارک اور ابو نعیم وغیرہ امام صاحب کے مشہور اور باخلاص شاگرد تھے اور سچ پوچھئے تو انہی لوگوں نے

ان کی نام آوری کے سکے بٹھائے ہیں، سے ایک حرف بھی اس واقعہ کے متعلق منقول نہیں''۔ (ملخصاً از سیرت النعمان)

ذیل کے چند مستند حوالہ جات کی روشنی میں یہ فیصلہ آسانی سے کیا جا سکتا ہے کہ علامہ شبلی نعمانی کی تحقیق اور دعویٰ کی حقیقت کیا ہے:

۱ علامہ جلال الدین سیوطیؒ اپنے رسالہ ''تبییض الصحیفہ'' کے ص ۶ سے ص ۹ تک تین روایات قاضی ابو یوسف (جو ابوحنیفہ کے مشہور تلامذہ اور قابلِ فخر شاگردوں میں سے ہیں اور علامہ شبلیؒ کی دی ہوئی تلامذہ کی فہرست میں بھی موجود ہیں) سے اس طرح نقل کرتے ہیں:

عن ابی یوسف عن ابی حنیفة سمعت انس بن مالک یقول سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم۔

امام ابو یوسف، امام ابوحنیفہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت انس بن مالکؓ سے اور انہوں نے حضور ﷺ سے سنا۔

۲ ملا علی قاری علامہ کردری کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

و اصحابه اثبتوه بالاسانید الصحاح الحسان وهم اعرف باحواله منهم و المثبت العدل اولی من النافی۔ (شرح مسند الامام القاری ص ۲۹۵)

اور ان کے شاگردوں نے اس بات (صحابہ سے روایتِ امام) کو صحیح اور حسن سندوں کے ساتھ ثابت کیا ہے اور ثبوت روایت نفی سے بہتر ہے۔

مشہور محدث شیخ محمد طاہر ہندی کرمانی کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''و اصحابه یقولون انه لقی جماعة من الصحابه و روی عنهم۔ (المغنی ص ۸۰)

امام اعظم کے تلامذہ کہتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ نے صحابہ کی ایک جماعت

سے ملاقات کی ہے اور ان سے سماع بھی کیا ہے''۔

اس قدر واضح تاریخی حقائق کے بعد کوئی صاحب عقل و بصیرت بھی اس بدیہی حقیقت سے انکار نہیں کر سکتا کہ امام اعظم کی صحابہؓ سے روایت نقل کرنے والے نیز اس کو شہرت دینے والے ان کے لائق تلامذہ ہی تھے۔

ابوحنیفہؒ علم کی چٹان پر کھڑے ہیں :

امام اعظم ابوحنیفہؒ کا علم حدیث میں دیگر ائمہ سے فضل و تفوق اور فقہ میں عظمت اور دیگر ائمہ سے ممتاز کرنے والی چیز دراصل حضرات صحابہؓ کے سامنے آپ کا زانوئے تلمذ تہ کرنا ہے، جس کا اظہار خود امام اعظم ابوحنیفہؒ نے خود بار بار کیا ہے، جیسا کہ تاریخِ بغداد میں عباسی حکومت کے سربراہ ابوجعفر منصور دوانقی کے دربار میں امام اعظم ابوحنیفہ کا برسر عام یہ اعلان نقل کیا گیا ہے۔ لکھا ہے :

''ربیع بن یونس کہتے ہیں کہ امام اعظم امیر المؤمنین ابوجعفر منصور کے پاس آئے، اس وقت دربار میں امیر کی خدمت میں عیسیٰ بن موسیٰ بھی موجود تھے۔

عیسیٰ نے امیر المؤمنین کو مخاطب کر کے کہا

اے امیر المؤمنین! ''ھذا عالم الدنیا الیوم'' یہ آج تمام دنیا کے عالم ہیں۔ ابوجعفر منصور نے امام اعظم ابوحنیفہ سے دریافت کیا، ''اے نعمان! تم نے کن لوگوں کا علم حاصل کیا ہے۔ امام صاحب نے فرمایا، امیر المؤمنین! میں نے فاروقِ اعظم، علی مرتضیٰ، عبد اللہ بن مسعودؓ اور عبد اللہ بن عباسؓ سے علم حاصل کیا ہے۔ ابوجعفر نے کہا کہ آپ تو علم کی ایک مضبوط چٹان پر کھڑے ہیں''۔ (تاریخ بغداد بامع الاسانید)

باب : ۲

حضور اقدس ﷺ کی بشارت و پیش گوئی اور محدثین کی تشریحات

امام اعظم ابوحنیفہؒ کو اللہ تعالیٰ نے جن علمی کمالات ، مجتہدانہ صفات ، حفظِ احادیث ، فہم قرآن ، تفقہ یعنی مبصرانہ فکر اور مجتہدانہ فیصلوں ، عظیم فطری صلاحیتوں ، سیاسی و اقتصادی ، معاشی و عمرانی اور معاشرتی معاملات سے واقفیت اور تجربات کی جس وافر دولت سے نوازا تھا ، دراصل اس کے پسِ منظر میں پیغمبرِ آخر الزمان النبی الصادق المصدوق ﷺ کی بشارت اور پیش گوئی کو واقعاتی دنیا میں سچ کر دکھانا تھا۔ گویا امام اعظم ابوحنیفہؒ کے وجود ، علم و تفقہ ، دینی خدمات اور اجتہادات کو بھی نبوت کی صداقت اور حضورِ اقدس ﷺ کی پیشن گوئی کو واقعاتی دلیل بنانا تھا۔ صحیحین اور جامع ترمذی میں حضرت ابو ہریرہؓ سے حضور اقدس ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے۔

عن ابی هريرة قال كنا جلوساً عند النبی صلی الله علیه وسلم اذ نزلت علیه سورة الجمعة فلما قرأ و آخرين منهم لما يلحقوا بهم قالوا من هؤلاء يا رسول الله فلم يراجعه النبی صلی الله علیه وسلم حتى سأله مرة او مرتين او ثلاثاً قال و فينا سلمان الفارسی قال فوضع النبی صلی الله

علیه و سلم یده علیٰ سلمان ثم قال لو کان الایمان عند الثریا لنا له رجالٌ من هؤلآءِ ۔(صحیح مسلم ج ۲ص ۳۰۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ ہم حضورِ اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے کہ اسی مجلس میں سورۂ جمعہ نازل ہوئی تو آپؐ نے یہ آیت پڑھی ''**آخرین منهم لما یلحقوا بهم** ''(الآیہ)۔ حاضرین میں سے کسی نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ دوسرے لوگ کون ہیں جو ابھی تک ہم سے نہیں ملے ہیں۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں سکوت فرمایا، مگر پوچھنے والے نے دوبارہ سہ بارہ یہی سوال دُہرایا، تو حضورِ اقدس ﷺ نے حضرت سلمان فارسیؓ کے کاندھے پر ہاتھ مبارک رکھتے ہوئے ارشاد فرمایا، اگر ایمان ستاروں کی جمگھٹ اور آسمانی کہکشاں میں بھی ہوگا تو ان کے کچھ آدمی اسے ضرور پالیں گے۔ ابونعیم اصفہانی' الشیرازی' الطبرانی اور امام مسلم نے یہی حدیث مختلف الفاظ سے روایت کی ہے اور اصفہانی نے تاریخ اصفہان میں اس روایت کے سارے طرق جمع کر دیئے ہیں۔

مسندِ احمد میں ایک دوسری سند کے ساتھ یہ الفاظ نقل ہوئے ہیں :

ولو کان العلم بالثریّا لتناوله ناس من ابناء فارس ۔(ایضا)

اگر علم ثریا میں بھی ہو تو فارس کے لوگ اسے پالیں گے۔

حافظ ابن حجر مکی نے خیرات الحسان (ص ۱۷) میں حافظ جلال الدین سیوطیؒ کے بعض تلامذہ سے نقل کیا ہے۔ ہمارے اُستاد علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے یقین کیا ہے کہ :

''اس حدیث سے امام اعظم ابوحنیفہؒ ہی مراد ہیں کیونکہ یہ بات بالکل عیاں ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہؒ کے زمانے میں اہلِ فارس میں سے کوئی بھی امام صاحب کے علمی مقام اور فقہی قدر و منزلت کو نہیں پہنچ سکا اور آپ تو

آپ بلکہ آپ کے تلامذہ کا مقام بھی کوئی نہ پاسکا''۔

اساتذہ وطلبۂ علم حدیث یہ بات جانتے ہیں کہ اکثر ائمہ فن اور اساتذہ وشارحینِ حدیث نے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پیشین گوئی کا صحیح مصداق حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کو قرار دیا ہے۔ **تبیض الصحیفه** میں علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے تحریر فرمایا ہے کہ :

فهذا اصل صحیح یعتمد علیه فی البشارة ۔

بشارت میں یہ روایت اصل صحیح اور قابل اعتماد ہے۔

سیرت شامیہ کے مصنف علامہ حافظ محمد بن یوسف شامی نے بھی جلال الدین سیوطیؒ سے نقل کیا ہے۔

السراج المنیر میں اکابر اہلِ علم اور ائمہ حدیث سے نقل کیا گیا ہے کہ :

حمله بعض المحققین علیٰ ابی حنیفه ۔ (السراج المنیر ج ۲ ص ۳۱۸)

بعض محققین نے اس روایت کو امامِ اعظم ابوحنیفہؒ پر محمول کیا ہے۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے اس حدیث پر گفتگو کے دوران اپنے ایک مکتوب میں تحریر فرمایا ہے :

''ایک روز اس حدیث پر ہم نے گفتگو کی ۔ میں نے کہا کہ امام ابوحنیفہؒ اس حکم میں داخل ہیں ، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے علم فقہ کی اشاعت ان کے ہاتھوں سے کرائی اور اہلِ اسلام کی ان کے ذریعہ اصلاح فرمائی ۔ بالخصوص اس آخری دور میں کہ دولت بس یہی مذہب ہے ، سارے شہر میں بادشاہ حنفی ہیں، قاضی حنفی ہیں اور مدرسین حنفی ہیں''۔

(مکتوبات ص: ۱۶۸)

نواب صدیق حسن خان‘ اس معاملہ میں بہت پیچ و تاب کھاتے رہے، مگر حدیث کے مصداق میں تحریف کب کر سکتے تھے، انہی کے قلم سے نکلے ہوئے الفاظ ہیں :

ہم امام دراں داخل است و ہم جملہ محدثین فرس۔ (اتحاف النبلاء المتقین ص ۲۴۴)

امام ابوحنیفہؒ بھی اس حدیث کا مصداق ہیں اور جملہ محدثینِ فارس بھی۔

ابوحنیفہؒ نبوت کا اعجازی کارنامہ ہیں :

کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جنہیں امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نام سے چڑ ہے۔ نام سنتے ہی چیں بجبیں ہو جاتے ہیں، سُنی اَن سُنی کر دیتے ہیں۔ حقیقت منہ دیکھتی رہ جاتی ہے۔ جب ان کے نام لیوا‘ ان کے دیکھنے سے کنی کتراتے ہیں، مگر قربان جایئے، ائمہ اسلاف اور محدثین عظام کے، جنہوں نے صرف حدیث کے الفاظ ہی نہیں بلکہ مراد‘ معانی‘ ارشادات اور مقتضیات تک کی حفاظت کر کے اُمت کے حوالے کر دیا ہے اور بتانے والوں نے تو یہاں تک ڈنکے کی چوٹ بتا دیا ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہؒ لسانِ نبوت کی پیشین گوئی کے اوّلین مصداق ہونے کی وجہ سے خاتم النبیین ﷺ کے ختم نبوت کی صداقت کی ایک دلیل اور نبوت کا ایک اعجازی کارنامہ ہیں :

چنانچہ خیرات الحسان میں علامہ ابن حجر ہیثمیؒ سے منقول ہے کہ :

فیه معجزة ظاهرة للنبی صلی الله علیه واخبر بماسیقع (خیرات الحسان ص ۶)

اس میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا کھلا معجزہ ہے کہ آپ نے ہونے والی بات کا پتہ دیا ہے۔

امام طحاویؒ کا مقولہ ہے: **ان اباحنیفة النعمان من اعظم المعجزات بعد القرآن.** (درمختار ص ۴۵، مکتبہ مجتبائی دہلی)

امام طحاویؒ فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ قرآن کے بعد نبی ﷺ کے جلیل القدر

معجزات میں ایک بڑا معجزہ ہیں۔

نہ ماننے والے اور صرف انکار ہی کی ڈگر پر چل پڑنے کا فیصلہ کر لینے والوں کے لئے جبرئیل بھی ناکافی ہے اور اگر فطرتِ سلیم ہو تو ایک سچے مومن مسلمان کی بات کا بھی یقین کر لیا جاتا ہے اور پھر جب ایک پیغمبر، ایک ایسا پیغمبر جس کے بعد کسی دوسرے پیغمبر نے نہیں آنا جو زمانۂ نبوت سے قبل ہی **الصادق الامین** کے لقب سے معروف اور مشہور تھا۔ نظام کائنات کے بدیہی حقائق کے وجود میں شک ہو سکتا ہے، مگر محمد رسول اللہ ﷺ کے ارشاد، تعلیم و حکمت اور پیش گوئی میں محض بطورِ وسوسہ بھی شک کے لئے کوئی گنجائش نہیں، حضورِ اقدس ﷺ "**مِن ابناء فارس**" کے الفاظ سے آنے والی جس عظیم شخصیت کا مژدہ سنا رہے ہیں، تاریخ کی کھلی شہادت 'واقعات' اکابر ائمہ حدیث اور شارحین کی تصریحات کی روشنی میں کیا امام اعظم ابوحنیفہ کے سوا بھی کوئی ایسی شخصیت ہے جسے حدیث رسول ﷺ کا صحیح محمل اور مصداق قرار دیا جا سکے۔

بارہ صدیاں گذر جانے کے بعد ناقابلِ انکار تاریخی حقائق سے انکار جن کے لئے لسانِ نبوت کے ارشارات آسان بلکہ کسی ایک حد تک وہ اس کو بھی ایک مذہبی فریضہ سمجھ چکے ہیں اور بزعم خود وہ اس کو حضرات محدثین کا وطیرہ باور کراتے ہیں، انہیں آج بھی حضرت عکرمہؒ، حضرت سالمؒ، حضرت نافعؒ کے خصوصی اور قریب ترین شاگرد محدث جلیل علامہ حافظ عبدالعزیز بن میمون کی روح جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر پکار رہی ہے۔

من احبّ ابا حنیفه فهو سنّیّ و من ابغضه فهو مبتدع ۔

(الجواهر المضیه ج ۲ ص ۴۴۴)

جو ابوحنیفہؒ سے محبت رکھتا ہے وہ سنی ہے جو آپ سے بغض رکھتا ہے وہ بدعتی ہے۔

علامہ ابن میمون پوری اُمت اور اسلامی ملت کو خبردار کرتے ہوئے ارشاد

فرماتے ہیں کہ وہ ہمارے اور لوگوں کے درمیان ابوحنیفہ ہیں جوان سے محبت وتعلق رکھتا ہے ہم جانتے ہیں کہ وہ اہلِ سنت سے ہے اور جوان سے بغض رکھتا ہے ہم یقین سے کہتے ہیں کہ وہ بدعتی ہے۔

خود کو حدیث اور ائمہ حدیث سے منسوب کرنے والے محدث جلیل حضرت ابن میمون کے ارشادات کی روشنی میں اپنے آپ کو کہاں تک پرکھیں گے؟ وہ تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے اور یہ تب ہی ہوسکتا ہے کہ ائمہ حدیث سے زبانی دعوائے نسبت کے ساتھ قلبی رُجحان اور باطنی تعلقِ خاطر بھی مضبوط ہو، جن کو خدا تعالیٰ نے ظاہری نسبتوں کے ساتھ باطنی رُجحان اور قلبی محبت واطاعت کی دولت سے نوازا تھا۔ انہوں نے تو علامہ ابن میمون کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کرنے میں سعادت سمجھی اور آپ کے پڑھائے ہوئے سبق کو موجب عزت و افتخار سمجھا۔ آپ سے استفادہ کرنے والے مستفیدین اور تلامذہ میں عبد الرزاق یحییٰ بن سعید القطان، عبداللہ بن مبارک اور وکیع بن الجراح جیسے اساطینِ حدیث کا نام سرِفہرست ہے۔ تلامذہ کی عظمت سے ابن میمون کی محدثانہ عظمت اور پھر امام اعظم ابوحنیفہؒ سے متعلق ان کی شہادت کی صداقت واہمیت کا اندازہ ایک بدیہی امر بن کر سامنے آجاتا ہے، بشرطیکہ اندر کا انسان زندہ ہو اور بغض وعداوت کی وسیاہی سے داغدار نہ ہوا ہو۔

امام صاحب کے شیوخ واساتذہ، امام صاحب کے اساتذہ کی تعداد دیگر ائمہ کرام کے اساتذہ وتلامذہ سے زیادہ ہے۔ اساتذہ میں سب سے پہلے حماد کا نام آتا ہے (جو کوفہ کے مشہور امام اور استادِ وقت تھے۔ حضرت انسؓ اور بڑے بڑے تابعین کے فیضِ صحبت سے مستفید ہوئے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے فقہ کا مدار آپ ہی تھے۔ حماد کی خدمت میں امام ابوحنیفہؒ نے ۱۸ برس گذارے۔ امام صاحب کو حماد کی صحبت، ان کی فقہی تربیت اور عمر کی پختگی نے یہ بات ذہن میں پختہ کرادی کہ فقہ کی مجتہدانہ تحقیق، حدیث کی تکمیل کے بغیر ناممکن ہے۔ اس لئے امام صاحب نے حد درجہ سعی واہتمام کے ساتھ حدیث

کی تحصیل و تکمیل کی طرف توجہ دی اور تقریباً کوفہ (جس کو فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ، کنز الایمان جمجمة العرب، یعنی خدا کا علم، ایمان کا خزانہ اور عرب کا سر، رأس الاسلام اور رأس العرب کہا کرتے تھے) میں کوئی ایسا محدث نہ رہا، جس کے سامنے امام صاحب نے زانوئے شاگردی طے نہ کیا ہو۔

آپ کے مشائخ و اساتذہ کا استقصاء تو دشوار اور ناممکن ہے۔ تاہم صحابہ کرامؓ میں سے انس بن مالک، حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ اور دیگر شیوخِ حدیث میں سے ۲۹ (جن میں اکثر تابعی تھے) خاص کوفہ کے رہنے والے تھے، پھر شیوخِ کوفہ میں بھی خاص کر امام شعبی، مسلمہ بن کہیل، ابواسحٰق سبعی، عون بن عبداللہ، سماک بن حرب، عمرو بن مرہ، منصور بن المعمر، اعمش، ابراہیم بن محمد، عدی بن ثابت الانصاری، عطاء بن سائب، موسیٰ بن ابی عائشہ، علقمہ بن مرشد جو بہت بڑے محدث اور سندِ روایت کے مرجع عام تھے، زیادہ مشہور ہیں۔ (سیرت النعمان)

امام صاحب کی تحصیل حدیث کی دوسری بڑی درسگاہ ''بصرہ'' تھی جو حسن بصری، شعبہ اور قتادہ کے فیضِ تعلیم سے مالا مال تھی۔ آپ نے تکمیل حدیث کے لئے علوم مذہبی کے اصل مرکز حرمین شریفین کا سفر بھی کیا۔ مکہ معظمہ میں عطاء بن ابی رباح اور ابنِ عباس کے غلام و شاگرد عکرمہ کا حلقۂ درس سب سے زیادہ وسیع اور مستند تھا۔

علامہ ذہبی نے دو سو نوے اور علامہ شامی نے درمختار میں آپ کے اساتذہ کی تعداد چار ہزار بتائی ہے۔ صدر الائمہ مکی نے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ امام ابوحفص صغیر کے زمانے میں ایک بار احناف اور شوافع میں بحث چھڑ گئی کہ امام شافعیؒ اور امام ابوحنیفہؒ میں افضل کون ہے۔ امام ابوحفص صغیرؒ نے فرمایا کہ دونوں کے اساتذہ کو شمار کر لو۔ چنانچہ امامِ شافعیؒ کے اساتذہ گنے گئے تو اسی (۸۰) ہوئے، پھر امام اعظم ابوحنیفہؒ کے مشائخ کا حساب لگایا گیا تو چار ہزار نکلے۔ امام ابوحفصؒ نے فرمایا کہ:

ھذا اوفی من فضائل ابی حنیفہ۔ (مناقب موفق ص: ۳۸ و حدائق الحنفیہ)

یہ امام اعظم ابوحنیفہؒ کی برتری کی ادنیٰ شہادت ہے۔

آپ کے شیوخ اور مایۂ ناز محدثین اساتذہ کی ایک طویل فہرست ہے۔ لہٰذا یہ کیسے باور کیا جاسکتا ہے کہ اس قدر اساتذہ کے ہوتے ہوئے بھی آپ کو صرف سترہ (۱۷) حدیثیں یاد تھیں۔ اہلِ بصیرت کے ہاں آپ کو صرف سترہ حدیثوں کا حافظ قرار دینا ایک طفلانہ قول کے سوا اور کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔

عبدالکریم کون ؟

علی العموم ایک غلط فہمی اور مغالطہ یہ بھی دیا جاتا ہے کہ آپ کے اساتذہ میں ''عبدالکریم'' ضعیف ہیں جب کہ عبدالکریم دو ہیں۔ دوسرے کا نام عبدالکریم الجزری ہے اور اتفاق سے دونوں بعض مشائخ میں شریک ہیں۔ جبکہ امام بخاریؒ کے شیخ عبدالکریم بن ابی المخارق کے مرویات بخاری میں تعلیقاً موجود ہیں۔ اسی طرح ان کے روایات مؤطا امام مالکؒ میں بھی موجود ہیں۔ امام بخاریؒ اور امام مالکؒ کے اختیار کے بعد عبدالکریم بن ابی المخارق کو ضعیف قرار دینا دیانتداری کا خون ہے۔

فقہ اور حدیث :

مجلسِ فقہ اور حدیث میں کچھ زیادہ مغائرت نہیں بلکہ تنہا فقہ کا درس تمام چیزوں کا جامع ہے۔ فقہ کے لئے حدیث کی اہمیت ایک مسلّم امر ہے کیونکہ مجتہد جب الفاظِ حدیث پر بحث کرتا ہے تو اس کے ہاں معنیٰ حدیث کو خاص اہمیت حاصل ہوتی ہے۔ جبکہ محدثین کے ہاں صرف الفاظِ حدیث ہی مقصود بالذات ہوتے ہیں۔ ایک محدث کے لئے اجتہاد و فقہ شرط نہیں، جب کہ ایک فقیہ کے لئے قرآن و حدیث پر عبورِ تام ضروری ہے۔ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں :

ان یکون صاحب حدیث له معرفةً بالفقه لیعرف معانی الاثار و صاحب فقه له معرفة بالحدیث لئلا یشتغل بالحدیث ۔(ہدایہ کتاب القاضی)

مجتہد ایسا صاحبِ حدیث ہو کہ اس کو فقہ بھی آتی ہو، احادیث کا معنیٰ جان سکے اور صاحبِ فقہ کے لئے معرفتِ حدیث ضروری ہے تا کہ قیاس میں مبتلا نہ ہو۔

ایک فقیہ تمام نصوص سامنے رکھتا ہے اور حوادثات کی نزاکتوں پر بھی اس کی نظر ہوتی ہے۔ تا کہ حدودِ شریعت میں ذرہ برابر بھی بال نہ آنے پائے۔ فقہ سے حدیث کا تعلق اور اس کی اہمیت کے پیشِ نظر امام ترمذیؒ نے اپنے جامع میں بیان فرمایا ہے :

و کذالک قال الفقهاء و هم اعلم بمعنی الحدیث۔(ترمذی)

فقہا نے یوں ہی فرمایا ہے کہ وہ ہی حدیث کے معنیٰ زیادہ جانتے ہیں۔

ایک مرتبہ کسی سائل کا جواب نہ دے سکنے کی بناء پر محدث اعمش امام ابوحنیفہؒ سے طالبِ جواب ہوئے، جب امام صاحب نے درست جواب دیا، تو اعمشؒ نے پوچھا، کہاں سے کہتے ہو، امام صاحب نے فرمایا، اُسی حدیث سے جو آپ نے ہم سے بیان کی تھی۔ اس پر اعمش نے فرمایا :

نحن العیاد و انتم اطباء .... ہم عطار ہیں اور آپ اطباء ہیں۔

اہلِ عقل و بصیرت اور کچھ بھی دینی شعور رکھنے والے عام مسلمان کے نزدیک بھی فقہ بغیر حدیث کے اور محدث بغیر حدیث دانی کے ایک ناممکن العمل اَمر اور خلافِ واقعہ بات ہے، جس کو تسلیم کرنا عقل کا فتور اور روحانی مرض کی واضح دلیل ہے۔ (اس موضوع پر تفصیلی بحث آگے صفحات میں ملاحظہ فرمائیں)

فقہ حنفی صحیح حدیث کے موافق ہے :

اُمتِ مسلمہ کے متاخرین علماء میں مسلّم اور مایۂ ناز شخصیت حضرت مجدد الفِ ثانیؒ

فرماتے ہیں :

بریں فقیر ظاہر ساختہ اند کہ در خلافیاتِ کلامِ حق بجانب حنفی است و در خلافیاتِ فقہی در اکثر مسائل حق بجانب حنفی و در اقل متردد۔ (مبدو معاد ص:۳۹)

اس فقیر پر ظاہر ہوا ہے کہ خلافیات علم کلام میں حق حنفی مسلک کی جانب ہے اور خلافیاتِ فقہی کے اکثر مسائل میں حق بجانب حنفی ہے اور بہت کم میں تردد ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں :

''عرفنی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلّم ان فی المذاھب الحنفی طریقۃٌ انیفۃٌ ھی اوفق الطریق بالسنۃ المعروفۃ التی جمعت و نصجب فی زمان البخاری ۔ (فیوض الحرمین)

مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا ہے کہ مذہبِ حنفی میں عمدہ راستہ ہے اور جو سنت بخاریؒ کے زمانہ میں جمع ہوئی ہے اس سے زیادہ موافق ہے یعنی صحیح حدیث ہے''۔

گو حوالہ جات مذکورہ کی حیثیت کشف ہی کی ہے، مگر جناب نواب صدیق حسن صاحب فرماتے ہیں :

اگر کشفِ دو کس باہم متوافق شود ظن غالب شود۔ (ریاض المرتاض ص:۲۱)

دو بزرگوں کے کشف اگر موافق ہو جائیں تو ظنِ غالب کا حکم رکھتے ہیں۔

گویا فقہ حنفیہ اور امام ابوحنیفہؒ کے مسلک کے تمام مسائل جہاں ایک طرف عقل کے معیار پر پورے اُترتے ہیں، وہاں قرآن و حدیث سے بھی پورے طور پر وابستہ ہیں اور یہ حقیقت تب ہی مانی جا سکتی ہے۔ جب امام صاحب کی کامل حدیث دانی اور حدیثِ فہمی کا اعتراف اور اقرار کیا جائے۔

☆☆☆☆

باب : ۳

اسفارِ حج و تکمیلِ علم، درس و افادہ، تلامذہ و مستفیدین درسگاہِ ابوحنیفہؒ اور امام عبداللہ بن مبارکؒ کا تذکرہ

اسلام کے ابتدائی صدیوں میں حج استفادہ اور افادہ کا سب سے بڑا ذریعہ تھا۔ دنیا کے گوشے گوشے سے اربابِ علم وفضل اور بڑے بڑے اہلِ کمال حرمین شریفین آ کر جمع ہو جاتے تھے۔ درس و افادہ، تعلیم و تدریس، فقہ و اجتہاد اور اہم مسائل پر مباحث اور مذاکرے ہوا کرتے تھے۔ چنانچہ امامِ اعظم ابوحنیفہؒ کی عمر ابھی سولہ برس تھی کہ اپنے والد کی معیّت میں ۹۶ھ میں پہلا حج کیا اور اس سفر میں صحابی رسول ﷺ حضرت عبداللہ بن الحارثؓ سے ملاقات کی سعادت بھی حاصل کی اور ان کی زبان مبارک سے یہ ارشاد بھی سنا:

من تفقه فی دین الله کفاه الله همّه و رزقه من حیث لا یحتسب۔

(جامع بیان العلم)

جس نے اللہ کے دین میں فقاہت پیدا کر لی اللہ اس کے رنج وغم میں کافی ہے اور اس کو ایسے مقام سے رزق دے گا، جہاں سے اس کو گمان بھی نہ ہوگا۔

اس کے بعد امام صاحبؒ کو زندگی میں ۵۴ مرتبہ حج مبارک کی سعادت حاصل

ہوئی، گویا آپ نے زندگی میں ۵۵ حج کیے۔ (صدر الائمہ ج ا ص ۲۵۴)

حج کے مسلسل سفروں میں حضرات صحابہؓ اکابر محدثین، اجلہ مشائخ، باکمال صاحبِ فن اور محققین اربابِ علم وفضل سے جہاں استفادہ کے بہترین مواقع آپ کو میسر آئے، وہاں درس وافادہ، اشاعتِ علم اور تدریس کے زریں مواقع بھی قدرت نے آپ کو فراہم کر دیئے تھے۔ آپ کی علمی وفقہی عظمت اور محدثانہ جلالت قدر کا شہرہ آفاق میں پھیل چکا تھا۔

ملاقاتِ ابوحنیفہؒ کی تمنا:

چنانچہ حافظ ذہبی، امام لیث بن سعد کی ملاقات کے سلسلے میں تحریر فرماتے ہیں:

''امام لیث فرماتے ہیں کہ میں امام اعظم ابوحنیفہؒ کی شہرت سنتا تھا۔ ملنے کا بے حد مشتاق تھا۔ حسنِ اتفاق سے مکہ معظّمہ میں اس طرح ملاقات ہوئی کہ میں نے دیکھا کہ لوگ ایک شخص پر ٹوٹے پڑے جارہے ہیں۔ مجمع میں، میں نے ایک شخص کی زبان سے یہ کلمہ سنا کہ:

''اے ابوحنیفہ! میں نے جی میں کہا کہ '' تمنا برآئی یہی امام ابوحنیفہ ہیں''۔ (مناقب ابی حنیفہ ذہبی ص ۲۲)

امام لیثؒ کی یہ ملاقات امام اعظم ابوحنیفہؒ سے اتفاقی تھی اور اس کے بعد ایک مرتبہ امام لیث نے رختِ سفر صرف اس لئے باندھا کہ امام اعظم ابوحنیفہؒ کی ملاقات ہو جائے۔ چنانچہ فقیہ عصر عبدالرحمٰن بن القاسم کا بیان ہے کہ:

''میں نے لیثؒ بن سعد سے سنا ہے وہ فرماتے تھے کہ مجھے ایک بار امام اعظم ابوحنیفہ کا سفر برائے حج کے ارادے کا علم ہوا تو میں نے صرف امام اعظم ابوحنیفہؒ سے ملاقات کے لئے حج کا رختِ سفر باندھا۔ مکہ میں آپ سے ملاقات ہوئی۔ میں نے آپ سے مختلف عنوانات پر

بہت سے مسائل دریافت کئے ۔ میں نے امام صاحب سے دیوانی ، فوجداری مسائل اور قتلِ خطا اور شبہ عمد کے بارے میں بھی دریافت کیا"۔ (صدر الائمہ ج۲ ص۱۵۳)

مستفیدین کا ازدحام :

ابوحنیفہؒ کے چاہنے والے آپ کے علم کی عظمتوں کے سامنے جھک جانے والے صرف ایک امام لیث نہیں بلکہ خود امام لیث کی زبانی یہ شہادت نقل کی گئی ہے کہ انہوں نے خود اپنی آنکھوں سے

الناس متقصفين عليه۔ (تذکرۃ الحفاظ ج۱ ص۲۰۸)

لوگ ان پر ٹوٹے پڑے تھے۔

کا منظر بھی دیکھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ امام صاحب کے بار بار سفرِ حج سے لوگوں پر آپ کی علمی عظمتیں اور فقہی بصیرتیں ظاہر ہوگئی تھیں ۔ ورنہ ایک اجنبی کے گرد طالبانِ علومِ نبوت کا یہ انبوہ کیونکر جمع ہوسکتا ہے۔

امام اعظم ابوحنیفہؒ سے استفادہ اور آپ کے فیوض و برکات کے حصول کا جذبہ اور طلب کا یہ عالم تھا کہ طالبانِ حدیث وفقہ گھر کی خلوتوں میں بھی آپ کو آرام سے نہیں بیٹھنے دیتے تھے۔

امام ابوعاصم کہتے ہیں :

"ہم مکہ میں امامِ اعظم ابوحنیفہؒ کے پاس رہتے تھے۔ آپ کے پاس اربابِ فقہ اور اصحابِ حدیث کا ہجوم ہوگیا اور بھیڑ تکلیف دہ تھی تو امام صاحب نے فرمایا! کیا کوئی ایسا شخص نہیں ہے جو صاحبِ خانہ کو کہہ کر ہم سے ان لوگوں کو ہٹوادے"۔ (مقدمہ اعلاء السنن ص۷۲)

درسگاہِ ابوحنیفہؒ کے طالب علم

امام عبداللہ بن مبارکؒ نے بھی مکہ مکرمہ میں امامِ اعظم ابوحنیفہؒ کے درسِ حدیث اور علمی افادے کا منظر اور طالبانِ حدیث وفقہ کا ہجوم اپنی آنکھوں سے دیکھا، فرماتے ہیں :

''میں نے حرم کعبہ میں ابوحنیفہؒ کو دیکھا کہ بیٹھے ہوئے ہیں اور مشرق ومغرب کے باشندوں کوفتویٰ دے رہے ہیں''۔ (صدرالائمہ ص ۵۷)

آپ کی درسگاہ اور حلقۂ تدریس میں کون سے لوگ حاضر ہوتے تھے، ان کی طلب وتڑپ کے علاوہ ان کا مقام اور علمی قدرومنزلت کیا تھی۔ امام عبداللہ بن مبارکؒ ہی کی زبانی سنئے، فرماتے ہیں :

والناس یومئذٍ ناس .　　　　لوگ بھی اس زمانے کے لوگ تھے۔

صدرالائمہ نے ابن المبارک کی اس شہادت کی وضاحت اور مطلب یہ بیان کیا ہے :

یعنی الفقهاء الکبار و خیار الناس .

ابن المبارکؒ کی مراد یہ ہے کہ بڑے بڑے فقہا اور خیار الناس کا انبوہ کثیر ہوا کرتا تھا۔

اسفارِ حج کے علاوہ سفاح کی حکومت کا پورا زمانہ چار سال نو ماہ، امامِ اعظم ابوحنیفہؒ نے حجاز میں گذارا، تو آپ کی ذاتِ گرامی سے محدثین اور فقہاء کے دونوں مدرسے مستفید ہوتے رہے۔ حافظ ذہبیؒ نے لکھا ہے کہ امام صاحبؒ سے استفادہ کرنے والے دو قسم پر تھے ،ایک وہ جو آپ سے حدیث اخذ کرتے تھے، دوسرے وہ جو تفقہ کے لئے زانوئے ادب تہ کرتے تھے۔

نسائی کے حاشیہ میں حافظ ابنِ حجر کے حوالے سے بعض ائمہ کا یہ قول نقل کیا گیا ہے کہ :

''اسلام کے مشہور ائمہ میں سے کسی کے اتنے اصحاب اور شاگرد ظاہر نہیں ہوئے جتنے امام ابوحنیفہؒ کے تھے اور جس قدر علماء نے آپ سے اور آپ کے اصحاب سے تفسیرِ آیات مشکلہ ،حل احادیث مشتبہ، تحقیق مسائل مستنبطہ ،نوازل ،قضایا اور احکام وغیرہ میں استفادہ کیا ہے اور کسی نے نہیں کیا''۔

مسند خوارزمی میں ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہؒ جس وقت اپنے استاد حماد کی جگہ جامع مسجد کوفہ میں مسندِ درس پر رونق افروز ہوئے تو ایک ہزار شاگرد آپ کے پاس جمع ہو گئے ،جن میں چالیس ایسے محدثین اور فقہاء تھے جن کو اجتہاد کا درجہ حاصل تھا،ان پر آپ کو فخر تھا اور ان کو دیکھ کر اکثر یہ جملہ فرمایا کرتے تھے :

''تم سب میرے راز دار وغم گسار ہو، میں نے اس فقہ کے اسپِ تازی کو زین ولگام کے ساتھ سنوار کر تیار کر دیا ہے۔اس پر تم اپنا دینی اور علمی سفر طے کرو،تم میری مدد کرو، کیونکہ لوگوں نے مجھے جہنم کا پُل بنایا ہے،وہ سب اس پر گذر کر پار ہوتے ہیں اور سب بار بوجھ میری پیٹھ پر ہے،یعنی وہ لوگ تو تقلید سے نجات پالیں گے،لیکن اگر اجتہاد واستنباطِ احکام میں ذرا سا تساہل بھی رونما ہوا تو اس کا مواخذہ مجھ سے ہوگا''۔

(مقدمہ انوار الباری ج اص ۷۷)

آج پندرہویں صدی کے جن لوگوں کو امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نام سے چڑ گئی ہے۔ مشائخ ،طریقت اور تصوف کا نام لے کر بھی منبعِ فیض و برکت اور مشیخت گری کا سکول قائم کرنے والے عظیم انسان کا احسان تسلیم کرنا تو کجا خود اس محسن کو انسان سمجھنے میں شک ڈالا جا رہا ہے۔

''امام ابوحنیفہؒ کس قدر مشیخت گری میں کامیاب تھے ۔علامہ موفقؒ

نے لکھا ہے کہ مشائخ اسلام میں سے مختلف اطراف واکناف کے سات سومشائخ نے امام صاحب سے روایت حدیث کی یعنی چھوٹوں کا ذکر نہیں کیا۔ وہ تو ہزاروں ہزار ہوں گے۔ حالانکہ اسی زمانے کے چھوٹے بھی بعد کے محدثین کے کبارِ شیوخ ہوئے ہیں"۔(ایضاً ص:۹۵)

مصطفیٰ حسنی السباعی لکھتے ہیں کہ:

"امام ابوحنیفہؒ کے حلقۂ درس نے ایک عظیم الشان مجلس علمی (اکیڈمی) کی شکل اختیار کر لی جس میں ایک طرف عبداللہ بن مبارکؒ اور حفصؒ بن غیاث جیسے کبار محدثین موجود ہوتے تو دوسری طرف ابو یوسفؒ، محمد بن حسنؒ، زفرؒ اور حسن بن زیادؒ جیسے فقہاء موجود ہوتے تھے۔ تیسری طرف فضیل بن عیاض اور داؤد طائی جیسے عابد، زاہد اولیاء اللہ بھی اس علمی مجلس میں موجود ہوتے تھے"۔(السنة و مكانتها فی التشریع الاسلامی)

امام حمادؒ کی جانشینی :

اوہر ابراہیم نخعیؒ کی وفات کے بعد فقہ کا مدار حماد ہی پر رہ گیا تھا، مگر ۱۲۰ھ میں ان کی وفات نے بھی کوفہ کو بے چراغ کر دیا۔ حماد کا بیٹا نا تجربہ کار تھا، اس لئے درس میں ناکام رہا اور موسیٰ بن کثیر حج پر چلے گئے، تو تمام بزرگوں نے متفقہ طور پر امام صاحب سے مسندِ حدیث کو مشرف فرمانے کی درخواست کی۔ آپ نے چاروناچار ذمہ داری قبول فرمائی، تاہم دل مطمئن نہیں تھا۔ قلبی اضطراب اور بے یقینی کے ان ایام میں خواب دیکھتے ہیں کہ آپ پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کھودرہے ہیں"۔ ابن سیرینؒ تعبیر بتاتے ہیں کہ "اس سے ایک مردہ علم کو زندہ کرنا مقصود ہے"۔

یہ بشارت منامی تسکینِ خاطر کا باعث ہوئی اور بڑے اہتمام وانہاک سے درس جاری رکھا۔

درسگاہِ ابوحنیفہؒ کی وسعت :

درس کی مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ کوفہ کی درسگاہیں ٹوٹ کر ان کے حلقہ میں آملیں۔ بڑے بڑے ائمہ فن اور آپ کے اساتذہ مثلاً مسعر بن کدام اور امام عمش بھی استفادہ کی غرض سے شریک ہونے لگے۔ آپ کی درسگاہ میں مکہ، مدینہ، دمشق، بصرہ، واسطہ، موصل، جزیرہ، نصیبین، رملہ، مصر، یمن، یمامہ، بحرین، بغداد، اہواز، کرمان، اصفہان، ملوان، استرآباد، ہمدان، رے، قوس، ذوامغان، طبرستان، جرجان، نیشاپور، سرخس، بخارا، سمرقند، کس، صغار، ترمذ، ہرات، نہستار، الزم، خوارزم، سیستان، مدائن، مصیصہ اور حمص وغیرہ کے باشندے مستفیض ہورہے تھے۔

امامِ اعظم ابوحنیفہؒ علمِ حدیث میں جس عظیم مہارت کے حامل اور مشکوٰۃِ نبوت سے اخذ واستنباط میں جس عظیم رتبہ پر فائز تھے، اس کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ تشنگانِ علومِ حدیث کا انبوہِ کثیر آپ کے حلقۂ درس میں سماعِ حدیث کے لئے حاضر ہوا۔ ابنِ حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں :

> ''امامِ اعظمؒ سے حدیث کا سماع کرنے والے مشاہیر محدثین میں حماد بن نعمان، ابراہیم بن طہمان، حمزہ بن حبیب، زفر بن ہذیل، قاضی ابویوسف، عیسٰی بن یونس، وکیع، یزید بن زریع، اسد بن عمرو، خارجہ بن مصعب، محمد بن بشیر، عبدالرزاق، محمد بن حسن الشیبانی، مصعب بن مقدام ابوعبدالرحمٰن مقری، ابونعیم، ابوعاصم اور دیگر یگانۂ روزگار افراد شامل تھے''۔ (تہذیب التہذیب ج ا ص ۴۴۹)

حافظ ابوالمحاسن شافعیؒ نے تو آپ کے تلامذہ کی تعداد ۹۱۸ بقید نسب بتائی ہے امام مکی بن ابراہیمؒ امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد اور امام بخاریؒ کے استاد ہیں۔ امام بخاریؒ نے

صحیح کی ۲۲ ثلاثیات میں سے گیارہ امام مکیؒ کی سند سے روایت کی ہیں، گویا امام بخاری کو اپنی صحیح میں عالی سند کے ساتھ ثلاثیات درج کرنے کا شرف امام ابوحنیفہؒ کے تلامذہ کا صدقہ ہے۔ امامِ بخاری کے اسانید میں اکثر شیوخ حنفی ہیں، بلکہ جن شیوخ کی وجہ سے صحاحِ ستہ کی عمارت قائم ہے، ان میں اکثر حضرات علمِ حدیث میں امام صاحب کے بالواسطہ یا بلاواسطہ شاگرد ہیں۔ آپ کے شاگردوں میں ۲۸ قاضی ہونے کے لائق اور بڑی تعداد میں مفتی ہونے کی اہلیت رکھتے تھے۔

آخر یہ کیسے باور کیا جا سکتا ہے کہ جب حضور اقدس ﷺ ہی نے فرمایا ہو کہ :

''میری اُمت گمراہی پر مجتمع نہ ہو سکے گی''۔

مندرجہ بالا تفصیلی تاریخی حقائق کے پیشِ نظر جس شخصیت کو پوری اسلامی دنیا نے حصولِ علمِ حدیث وفقہ کے لئے مرجع بنایا ہو، ملتِ اسلامیہ کے اکثر اہلِ علم اور صاحبانِ فضل وکمال جس کے گرد جمع ہوں، جس کے افادہ اور استادی کے حدود خلیفۂ وقت کی حکومت سے وسیع ہوں۔ نیز دنیا بھر کی گشت کرنے کے بعد جہاں سے علوم کے پیاسوں کی پیاس رفع ہوتی ہو، ایسی شخصیت، مشکوٰۃ نبوت سے اخذ واستنباط میں ضعیف، قوتِ استدلال میں کمزور اور روایتِ حدیث میں ناقابلِ اعتبار ہو۔

چند ایک کے انکار، بغض وحسد کے ازلی بیمار، اور چندھیائی آنکھوں کو اگر حنفیت کے سراج منیر کی ضیاپاشیاں نظر نہ آئیں تو اس سے حقیقت کا انکار لازم نہیں آتا، ایسے تاریخی حقائق سے جن کے تواتر میں بال برابر شک کی بھی گنجائش نہ ہو، بغیر ہٹ دھرمی کے انکار کے لئے کوئی راہ باقی نہیں رہتی۔

درسگاہِ ابوحنیفہؒ کی مزید ایک جھلک :

جامع مسانید امام اعظمؒ جلد دوم میں اکیس صفحات پر (ص ۵۵۳ تا ۵۷۴ تک) امام اعظم

ابوحنیفہؒ کے اجل تلامذہ کے اسمائے گرامی پھیلے ہوئے ہیں۔ صاحب جامع نے آپ کے تلامذہ کومختلف القاب سے یاد کر کے ان کی محدثانہ جلالتِ قدر کی طرف بھی اشارات کئے ہیں۔ مثلاً امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد اصحابِ صحاحِ ستہ کے شیوخ اور شیوخِ بخاری و مسلم سے ہیں۔

بعض ائمہ حدیث نے لکھا ہے کہ جس قدر امامِ اعظم ابوحنیفہؒ کے اصحاب و تلامذہ تھے، اتنے کسی امام کو بھی نصیب نہیں ہوئے۔ آپ کے تلامذہ میں مشہور محدثین اور فقہاء جو اکثر ملازم حلقہ رہا کرتے تھے، حافظ ابوالحسن شافعیؒ نے ان کی تعداد نوسو اٹھارہ (۹۱۸) لکھی ہے، جیسا کہ طحطاوی کے حوالے سے درّ المختار میں ہے کہ تدوینِ فقہ کے وقت ایک ہزار علماء امامِ اعظم ابوحنیفہؒ کے ساتھ تھے۔ جن میں چالیس حضرات درجۂ اجتہاد پر فائز تھے۔

اگلے صفحہ پر مقدمہ انوار الباری سے امام صاحبؒ کے ان تلامذہ کا ایک نقشہ پیش کیا جا رہا ہے جن کی محدثانہ جلالتِ قدر مسلّم اور متواتر ہے اور جن سے امامِ اعظم کے محدثِ اعظم ہونے کی شان چھلکتی نظر آ رہی ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

نقشہ

حضرت امام اعظمؒ کے تلامذہ کے کسی قدر تفصیلی نقشہ کے بعد ایک اجمالی خاکہ بھی بصورت دائرہ پیش ہے جس سے ایک نظر میں امام صاحب کے تلامذہ محدثین پیش نظر ہو جاتے ہیں

ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ
امام الائمہ
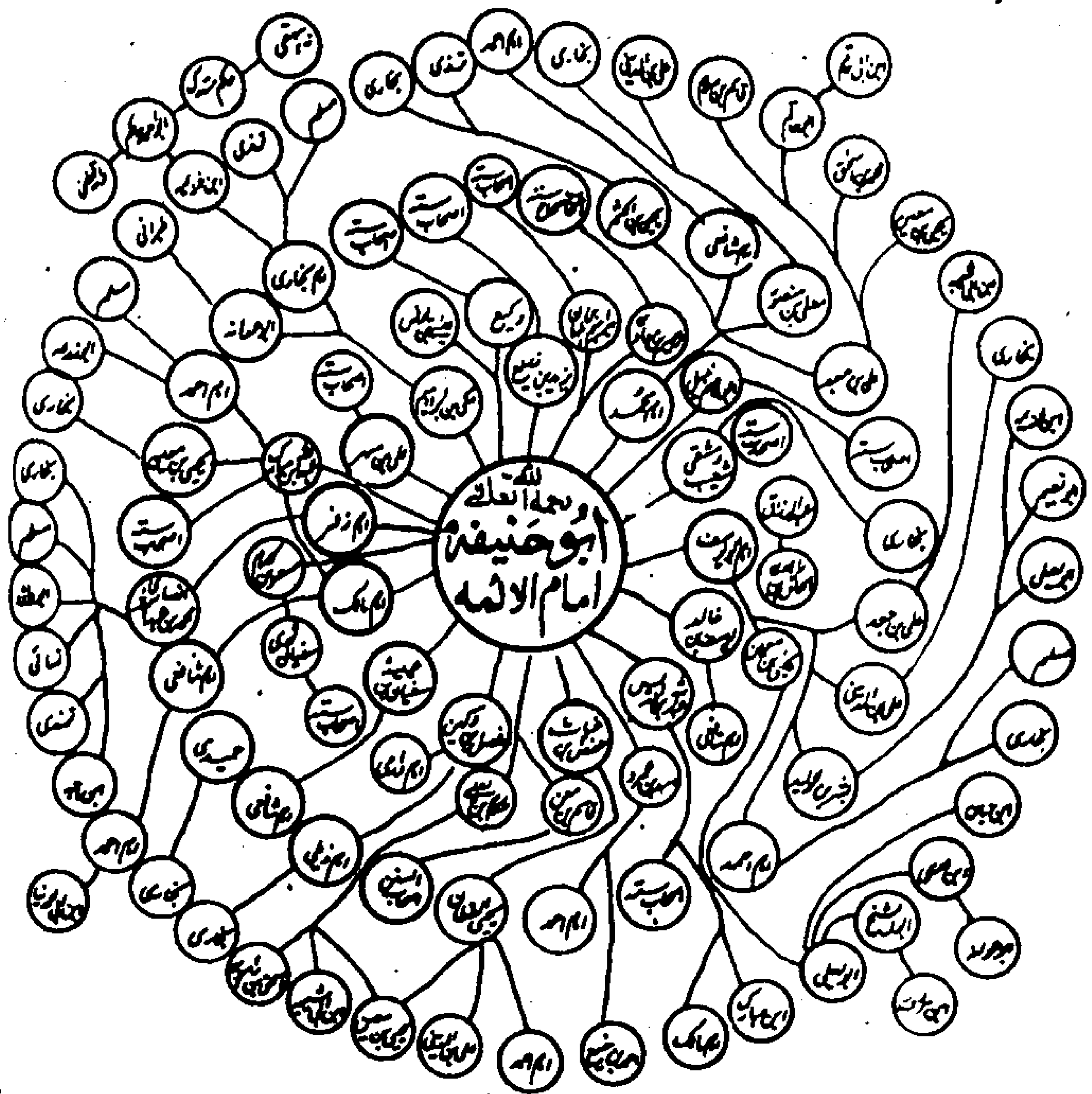
امیر المؤمنین فی الحدیث

عبداللہ بن مبارکؒ کا تذکرہ وتبصرہ

امام عبداللہ بن مبارکؒ، جو سب کے ہاں مقبول، محدثین عظام اور ائمہ کبار کے استاد اور شیخ ہیں۔ ذیل میں ان کا اجمالی تذکرہ اور تبصرہ درج کیا جارہا ہے۔ تاکہ حقیقت واضح ہو، غلط فہمیاں دور ہوں اور یہ کوئی ایسی بات نہیں جو سمجھ میں نہ آسکے۔ اللہ سب کو سمجھ کی توفیق دے۔

محدثین، **امیر المؤمنین فی الحدیث** کے لقب سے آپ کا تذکرہ کرتے ہیں، فنِ حدیث کے رُکنِ اعظم اور ائمہ کبار سے ہیں۔ صحیحین (بخاری ومسلم) میں آپ کی روایات کی تعداد سینکڑوں تک پہنچتی ہے۔ فنِ روایت کے امام مانے جاتے ہیں۔ آپ فرمایا کرتے تھے: ''مجھے جو کچھ بھی حاصل ہوا ہے، وہ امام ابوحنیفہؒ اور امام سفیان ثوریؒ کے فیض سے حاصل ہوا ہے۔ امام بخاری نے اپنے رسالہ رفع یدین میں آپ کے متعلق تحریر فرمایا کہ:

> ''امام عبداللہ بن مبارکؒ اپنے زمانہ کے سب سے بڑے عالم تھے اور لوگ اگر دوسرے کم علم لوگوں کے اتباع کے بجائے ان کا اتباع کرتے تو بہتر ہوتا''۔

خود امام ابن مبارکؒ فرماتے ہیں:

> ''اگر خدا تعالیٰ ابوحنیفہؒ اور سفیان ثوریؒ کے ذریعہ میری فریاد رسی نہ کرتا تو میں عام آدمیوں کی طرح ایک آدمی ہوتا''۔

(مقدمہ انوار الباری ج ۱ ص ۹۴)

ابوحنیفہؒ تمام حسنات اور صفاتِ محمودہ کے جامع تھے :

ابنِ مبارکؒ سے یہ بھی منقول ہے کہ :

''جب میں کوفہ پہنچا تو وہاں کے علماء سے سوال کیا کہ تمہارے شہر میں کون سب سے بڑا عالم ہے؟ سب نے کہا امام ابوحنیفہؒ ! میں نے پوچھا سب سے زیادہ پرہیز گار کون ہے؟ سب نے کہا امام ابوحنیفہؒ! پھر میں نے پوچھا سب سے زیادہ زاہد کون ہے؟ سب نے کہا امام ابوحنیفہؒ، پھر پوچھا سب سے زیادہ عابد اور علم کا شغل رکھنے والا کون ہے، تو سب نے کہا امام ابوحنیفہؒ، غرض میں نے اخلاقِ محمودہ و حسنہ میں جس وصف کا بھی سوال کیا، سب نے امام صاحب ہی کو افضل و برتر بتایا''۔

(حدائق الحنفیہ ص ۷۶)

مسلّم امیر المؤمنین فی الحدیث کی شہادت اور ان کا فیصلہ خاص طور پر قابلِ لحاظ ہے۔ کاش ہماری نہیں، عظیم محدث ابن مبارکؒ کی سُن لی جاتی جن کا نام لیا جا رہا ہے، ان ہی کا بتایا ہوا کام بھی کر لیا جاتا اور ان ہی کی راہ بھی اختیار کر لی جاتی تو آج ابوحنیفہؒ دشمنی سے آخرت میں جہنم کے شعلے مول نہ لینے پڑتے۔ ابن مبارکؒ اکثر فرمایا کرتے :

''ابوحنیفہؒ کی رائے'' کا لفظ مت کہو بلکہ تفسیر و حدیث کہو۔ (موفق، انتصار، کردری)

ابوحنیفہؒ سے محرومی علم سے محرومی ہے :

نیز ابن مبارکؒ نے ان لوگوں کو بے وقوف قرار دیا ہے، جنہوں نے ابوحنیفہؒ دشمنی کو زندگی کا مشن بنا رکھا ہے۔ فرماتے ہیں :

''اگر میں بعض بے وقوفوں کی بات پر رہتا تو میں ابوحنیفہؒ سے محروم رہتا

اوران کے علوم ومعارف سے محروم رہتا تو یوں کہنا چاہئے کہ طلب علم کی راہ میں میری ساری مشقت اور تعب اور ہزاروں لاکھوں روپے کا صرف رائیگاں جاتا''۔(ایضاً)

امام ابن مبارکؒ ایک مرتبہ درسِ حدیث دے رہے تھے کہ امامِ اعظم ابوحنیفہؒ سے بھی ایک روایت بیان فرمائی۔ اس پر کسی نے اعتراض کیا تو آپ سخت غصہ ہوئے اور فرمایا:

''تم لوگوں کا اس سے کیا مقصد ہے جس کو خدا تعالیٰ نے بلند مرتبہ بنایا ہے، وہ ہی بلند ہوگا اور جس کو خدا نے برگزیدہ کر لیا ہے، وہی برگزیدہ رہے گا''۔(موفق جلد۲ص۵۱)

امام عبداللہ بن مبارکؒ کی شہادتیں، تنبیہات اور نصح وخیر خواہی کی ایک ادنیٰ جھلک آپ نے دیکھ لی۔ یہ وہی ابن مبارکؒ ہیں جن کو محدثین نے امیر المؤمنین فی الحدیث کے لقب سے یاد کیا ہے۔ امام بخاری نے اپنے زمانہ کا سب سے بڑا عالم اور محدث تسلیم کیا ہے اوران کے مقابلہ میں دوسروں کو بے علم تک کہہ دیا ہے۔ آج کی طرح پچھلے ادوار میں بھی کچھ لوگ ایسے گذرے ہیں، جنہیں امام اعظم ابوحنیفہؒ کی محدثانہ جلالتِ قدر درجۂ اجتہاد اور مقامِ امامت سے انکار تھا اور کچھ اس قسم کی باتیں جب ان کی مجالس میں چھڑ جاتیں اور عظیم محدث ابوعصمہ سعد بن معاذ تک پہنچتیں کہ لوگ امام عبداللہ بن مبارکؒ کو امام اعظم ابوحنیفہؒ سے اعلم قرار دے رہے ہیں تو فرماتے کہ:

''جو لوگ عبداللہ بن مبارک کو امام سمجھتے ہیں اور خود ابنِ مبارکؒ نے جس عظیم شخصیت کو امام اوران کے اقتداء کو اپنے لئے سعادت قرار دیا تھا ،اس کو امام نہیں مانتے، ان کی مثال شیعوں جیسی ہے کہ حضرت علیؓ کو تو امام مانتے ہیں، لیکن حضرت علیؓ نے جن حضرات (خلفاء ثلاثہ) کو اپنا

امام تسلیم کیا تھا، ان کو ماننے کے لئے تیار نہیں''۔ (ایضاح ج۲ص۵۴)

مرقدِ امام ابوحنیفہؒ پر امام ابنِ مبارکؒ کا زار زار رونا :

بالاتفاق سب مؤرخین نے لکھا ہے کہ تمام محدثین کے محدثِ اعظم، امام عبداللہ بن مبارکؒ نے دنیائے حدیث کے گوشہ گوشہ میں جا کر اور لاکھوں روپے اسفار پر صرف کر کے اس دور خیر القرون کے ایک ایک محدث سے علومِ نبوت کی تحصیل کی، مگر جب امامِ اعظم ابوحنیفہؒ کے پاس آئے تو آخر تک آپ سے جدا نہ ہوئے اور امام ابوحنیفہؒ کے انتقال کے بعد ان کی قبر پر کھڑے ہو کر زار زار رو کر فرماتے رہے کہ :

''ابراہیم نخعیؒ اور حمادؒ نے مرتے وقت اپنا خلیفہ (ابوحنیفہؒ) چھوڑا تھا' خدا آپ پر رحم کرے کہ آپ نے اپنا خلف نہیں چھوڑا، یہ کہہ کر دیر تک زار زار روتے رہے'' (خیرات الحسان)

اس مبارک تذکرہ کے آخر میں ہم ابن مبارکؒ کے نام لیواؤں کے نام ان کی وصیت درج کر دیتے ہیں تا کہ اتمامِ حجت ہو۔ ابن مبارکؒ اپنے تلامذہ سے فرمایا کرتے تھے :

''آثار اور احادیث کو لازم سمجھو، مگر ان کے معانی کے لئے'' امام ابوحنیفہ'' کی ضرورت ہے، کیونکہ وہ حدیث کے معانی جانتے ہیں''۔

(موفق' کردری)

نواب صدیق حسن خان کی حقیقت پسندی :

کیا مشاہیر محدثین اساتذۂ کرام اور نقادِ حدیث تلامذہ عظام رکھنے والی عظیم شخصیت جو خود صاحب فہم وفراست ہو۔ علم حدیث سے خالی ہو سکتی ہے اور وہ بھی ایسی

شخصیت کہ جس کی حدیث دانی اور حدیث فہمی کی ہزاروں شہادتیں موجود ہوں، بطورِ نمونہ ایک شہادت نواب صدیق حسن خان قنوجی، علامہ ابن خلدون سے نقل کرتے ہیں :

''یدل علٰی انہ من المجتھدین فی علم الحدیث اعتماد مذھبہ بَیْنَھُمْ و التعویل علیہ و اعتبارہ رداً و قبولاً ۔(الحطہ ص:۳۴)

امام اعظم ابوحنیفہؒ کبار محدثین میں شمار ہوتے ہیں ۔ دلیل اس پر یہ ہے کہ ان کے مذہب پر اعتماد واعتبار کر کے موافق، مخالف، ردّ اور قبول کی طرف متوجہ ہوں''۔

مگر حاسدین ومعاندین نے آپ کی روایات اور رواۃ میں احتیاط کو دیکھ کر اور آپ کے مدارکؒ علمیہ سے جہالت وناواقفیت کی بنا پر آپ پر قلتِ حدیث کا الزام لگا دیا اور اس الزام کی حقیقت بھی آئندہ صفحات میں نکھر کر سامنے آجائے گی ....

گر نہ بیند بروز شپرہٗ چشم
چشمہٗ آفتاب را چہ گناہ

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

باب : ۴

محدثانہ جلالتِ قدر، روایت میں حزم واحتیاط

قبولِ روایت میں اُصول وشرائط، ائمہ کبار اور محدثین کی آراء

امامِ اعظم ابوحنیفہؒ کی سوانح، تحصیلِ علم کے لئے رحلتیں، مسافرت، علم حدیث سے عشق وفریفتگی ان کے جمع کرنے میں محنت و جانفشانی اور اسی نوع کے جملہ واقعاتی اور ناقابلِ انکار تاریخی حقائق کا خود کو اندھا بہرہ بنا لئے بغیر انکار ناممکن ہے۔ ابوحنیفہؒ کے معاصر، بعض اکابر، اساتذہ ومشائخ، تلامذہ اور نامور محدثین نے جب گلا پھاڑ پھاڑ کر اندھوں بہروں کو بھی اتمامِ حجت کے لئے دکھانے اور سنوارنے کی کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی، مگر اس کے باوجود بھی وہ لوگ اپنی عاقبت سے کیسے بےفکر ہو جاتے ہیں، جنہیں محدثین سے ادعائی نسبت کے باوجود ان کی سچی شہادتوں سے انکار ہے۔

امامِ اعظمؒ نے اولاً کوفہ میں پھیلا ہوا علمِ حدیث کا سارا سرمایہ سمیٹا۔ یحییٰ بن آدم فرماتے ہیں : **کان نعمان قد جمع حدیث بلده كله ۔**

امامِ اعظم ابوحنیفہؒ نے اولاً اپنے شہر کی تمام حدیثیں حاصل کر لیں۔

اور پھر یہ دستور کہ کوفہ میں جب بھی کوئی نامور محدث آتا تو آپ ان کے حضور طالب علمانہ حاضر ہوتے اور اپنے محدثانہ معلومات میں اضافہ کرتے۔

عظیم محدث امام النضر بن محمد مروزی فرماتے ہیں :

لم ار رجلاً الزم للاثر من ابی حنیفة قدم علینا یحییٰ بن سعید و ھشام بن عروہ و سعید بن ابی عروبہ فقال لنا ابو حنیفہ انظروا اتجدون عند ھؤلآء شیئًا نسمعہ۔ (الجواھر المضیہ ج۲ص:۱۸۲)

میں نے امام اعظم ابوحنیفہؒ سے زیادہ حدیث سے وابستہ کوئی نہیں دیکھا۔ ایک بار کوفہ میں یحییٰ بن سعید، ہشام بن عروہ اور سعید بن عروبہ تشریف لائے تو ہم سے امام صاحب نے فرمایا، دیکھو ان حضرات کے پاس کوئی حدیث ایسی ہے جو ہم سنیں۔

امام النضر بن محمد کے بتائے ہوئے ناموں سے معلوم ہوتا ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہؒ کی تلاش و جستجو فنِ حدیث کے ایسے اساتذہ اور محدثین تک ہوتی تھی جو فنِ روایت اور جمع حدیث میں معتمد، ثقہ اور ممالک اسلامیہ میں علمی شہرت کے مدارج طے کر چکے ہوتے تھے۔ یہ آپ کی مخلصانہ طلب اور صادقانہ تڑپ تھی کہ قدرت نے اپنی مخصوص بخشائشوں سے امام صاحب کو نوازا تھا اور علم حدیث کا وافر سرمایہ، سنت کا عظیم الشان ذخیرہ، احکام و فقہ اور اجتہاد سے تعلق رکھنے والی تمام احادیث کا علم اور صلاحیت ودیعت فرما دی تھی۔ حافظ اسرائیل بن یونسؒ فرماتے ہیں :

نعم الرجل نعمان ما کان احفظہ لکل حدیث فیہ فقہ۔

(تاریخ بغداد ترجمہ امام اعظمؒ)

نعمان کتنے بہتر انسان تھے کہ جس حدیث میں بھی فقہ کا کوئی مسئلہ ہوتا وہ حدیث آپ کو یاد ہوتی۔

السیرۃ الکبریٰ کے مصنف حافظ محمد بن یوسف الصالحی الشافعیؒ اپنی مشہور کتاب عقود الجمان میں لکھتے ہیں :

''امام ابوحنیفہؒ کبارِ حفاظ اور ناموروں میں سے تھے، اگر آپ کی علمی توجہ کا مرکز

حدیث نہ ہوتی تو مسائل فقہیہ کا استنباط ہی ناممکن تھا۔ (تانیب ص۱۵۶)

حافظ محمد بن ابراہیم الوزیر نے کس قدر کھلا اعتراف کیا ہے۔

قد تواتر علیه و فضله و اجمع علیه۔ (الروض الباسم ج اص ۱۶۶ تا ۱۹۲)

امامِ اعظم ابوحنیفہؒ کا علم وفضل متواتر ہے اور اس پر اجماع ہے۔

اتحاف النبلاء ص ۳۷۴ میں نواب صاحب نے ان کے تعارف میں لکھا ہے واصل مرتبہٗ اجتہاد مطلق گردید اور ان کے تعارف میں نواب صاحب نے جو القاب لکھے ہیں، وہ یہ ہیں۔ **السید السند الامام العلامه، المحدث الاصولی، المتکلم، الفقیه، البلیغ الرحله، الحجة فرید العصر، نادرة الدهر، خاتمة النقاد، حامل لواء الاسناد، بقیه اهل الاجتهاد، کشاف اصداف الفرائد مطاف ازهار الفوائد، فاتح اقوال، لطائف، مانح انفال الظرائف، مصیب شواکل المشکلات، مطبق مفاصل لمغضلات، مضحک کمائم النکت، عز الدین، محی السنه،** اس قدر عظیم انسان کی شہادت امامِ اعظم ابوحنیفہؒ کی محدثانہ جلالت کا نصف النہار ہے۔

امام اعظم ابوحنیفہؒ کے علمِ حدیث وفقہ اور علمِ اجتہاد میں کمال درک کے پیشِ نظر ناقدِ فن رجال سرتاج المحدثین امام الجرح والتعدیل یحییٰ بن سعید القطان قسم اُٹھا کر یہ بیان دیتے ہیں کہ :

انه والله لاعلم هذه الامة بما جاء من الله و رسوله۔

(ابن ماجہ اور علم الحدیث از نعمانی)

خدا کی قسم امام ابوحنیفہؒ اس اُمت میں خدا تعالیٰ اور اس کے رسولِ برحق سے جو کچھ وارد ہوا ہے، اس کے سب سے بڑے عالم ہیں۔

امام ابوحنیفہؒ کا روایتِ حدیث میں حزم واحتیاط :

امام ابوحنیفہؒ وہ پہلے انسان ہیں، جنہوں نے معاصرین کی لعن طعن کا خیال کئے بغیر لوگوں کو قبولِ حدیث کا ایک معیار بتایا اور احادیث سے مکمل استفادہ کی غرض سے اُصولِ حدیث مقرر کئے، جن پر احادیث کی صحت وضعف کا مدار ہے۔ جس کو تفصیلاً تانیب الخطیب ص۱۵۲، ۱۵۳ میں دیکھا جا سکتا ہے۔ امام ابوحنیفہؒ نے روایتِ حدیث میں جس حزم و احتیاط سے کام لیا ہے، اس سلسلہ میں امام سفیان ثوری کی شہادت عبد اللہ بن مبارکؒ کی زبانی سنئے :

کان ابو حنیفه شدید الاخذ للعلم ذاباً من حرم اللّٰہ ان تستحل یاخذ بما صح من الاحادیث التی کانت یحملها الثقات و بالآخر من فعل رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم و بما ادرک علیه علماء الکوفة ثم طعن علیه قوم یغفر اللّٰہ لنا ولهم۔ (الانتقاء لابن عبدالبر ص۱۴۲)

امام ابوحنیفہؒ علم کے حاصل کرنے میں بڑے سخت محتاط اور حدودِ الٰہی کی بے حرمتی پر بے حد مدافعت کرنے والے تھے اور وہ صرف وہی حدیث لیتے تھے جو ثقہ راویوں سے مروی اور صحیح ہوتی تھی اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری فعل کو وہ لیا کرتے تھے اور اس فعل کو جس پر انہوں نے علماءِ کوفہ کو عامل پایا تھا، مگر پھر بھی ایک قوم نے (بلاوجہ) ان پر طعن کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہماری اور ان سب کی مغفرت کرے۔

عراق کے مشہور محدث الحافظ الامام وکیع بن الجراح فرماتے ہیں :

لقد وجد الورع عن ابی حنیفه فی الحدیث مالم یوجد عن غیره ۔

(مناقب صدر الائمہ ج ۱ ص ۱۹۷)

بلاشبہ امام ابوحنیفہؒ نے حدیث میں وہ احتیاط کی ہے جو اور کسی سے ایسی احتیاط نہیں پائی گئی۔

روایت کے ردّ و قبول میں امام ابوحنیفہؒ کا اُصول :

قرآن اصلِ اوّل ہے تو سنت اصلِ ثانی، لیکن سنت کے موضوع پر حدیث اس وقت قبول کی جائے گی، جب وہ بالکل موثق اور مختلف قطعی مصادر سے ثابت ہو کر آئی ہو۔ اس کا صدق وضبط اور نقل ہر لحاظ سے پایۂ تصدیق کو پہنچ چکا ہو۔ امام اعظم ابوحنیفہؒ صرف ان احادیث سے استدلال کرتے ہیں جو اس معیار پر پورے اُترتے ہیں اور جن کی اشاعت رواۃ ثقات کے ذریعہ ہوئی ہوتی ہے۔ توضیح الافکار میں امام سفیان ثوریؒ کے حوالے سے امام اعظم ابوحنیفہؒ کا یہی موقف نقل کیا گیا ہے۔

یاخذ بما صح عنده من الاحادیث التی کان یحملها الثقات و بالآخر من فعل رسول اللّٰه علیه وسلم ۔ (توضیح الافکار ج ۱ ص ۱۰۱)

جو حدیثیں ان کے نزدیک صحیح ہوتی ہیں اور ثقات جن کو روایت کرتے ہیں۔ نیز جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری عمل ہوتا ہے، امام ابوحنیفہؒ اسی کو لیتے ہیں۔

روایات کے رد و قبول میں عام محدثین نے جو شرائط لکھی ہیں، وہ یہ ہیں کہ :

> ''ان کے نقل کرنے والے بالغ، عاقل اور ضبط وعدالت کے صفات سے متصف ہوں۔ حافظ ابن صلاحؒ نے اسے جمہور کا اجماعی فیصلہ قرار دیا ہے۔ حافظ ابن کثیرؒ نے اس میں تیقظ کا اضافہ کیا ہے''۔

(اختصار علوم الحدیث ص ۹۲)

مگر امام اعظم ابوحنیفہؒ نے روایت کے قبول ہونے کے لئے مذکورہ شرطوں کے ساتھ، مزید شرط کا اضافہ بھی کیا ہے کہ اگر روایت کا تعلق اہلِ اسلام کی عملی زندگی سے ہو تو ضروری ہے کہ اس کا راوی ایک نہ ہو بلکہ صحابیؓ سے اس کی روایت کرنے والی ایک جماعت ہو اور جماعت بھی ایسی کہ سب نیک اور پارسا ہوں۔

علامہ عبدالوہاب شعرانی لکھتے ہیں :

قد کان الامام ابو حنیفه یشترط فی الحدیث المنقول عن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه و سلم قبل العمل به ان یرویه عن ذالک الصحابی جمع اتقیاء عن مثلهم و هکذا ۔(المیزان الکبریٰ ج۱ص۶۲)

جو حدیث جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہو، اس کے بارے میں امام ابوحنیفہؒ یہ شرط لگاتے ہیں کہ اس کو متقی اور پارسا لوگوں کی ایک جماعت اس صحابی سے برابر نقل کرتی آئے۔

بہرحال بتانا یہ ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہؒ نے احادیث کے ردّ و قبول اور صحت کے لئے بمقابلہ عام محدثین کے ایک بہت اونچا معیار قائم کر دیا تھا۔ امام صاحب شروط روایت کے لئے معیارِ تحقیق میں تیسری صدی کے محدثین کی نسبت بھی کسی حد تک محتاط اور متشدد تھے امام ابوحنیفہؒ کے قبولِ حدیث کے شرائط اُصول السرخسی ج ۱ ص ۳۶۴، کشف الاسرار شرح اُصول بزدوی، التقریر اور اس کی شرح، مسلّم الثبوت اور اس کی شرح میں خبر الآحاد کی بحث میں تفصیلاً مذکور ہیں۔ الشیخ مصطفیٰ حسنی السباعی نے اپنی شہرۂ آفاق تصنیف ”السنة و مکانتها فی التشریع الاسلامی“ میں ان کو یک جا مرتب کر دیا ہے۔ ذیل میں وہی شرائط تفصیلاً درج کر دیے جاتے ہیں تاکہ بحث کا یہ پہلو بھی تشنہ نہ رہے۔

قبولِ حدیث کے شرائط :

۱ احکامِ شرعیہ کے ماخذوں (ادلّہ شرعیہ) کی تلاش و جستجو اور تفتیش و تحقیق کے بعد جو اُصول (دلائل) ان کے نزدیک محقق تھے، خبرِ واحد اُن سے نہ ٹکرانی چاہئے۔ لہٰذا جب بھی کوئی خبر واحد ان اُصول سے متصادم ہوتی، وہ اس حدیث کو ترک کر دیا کرتے تھے کیونکہ (یہ مسلّمہ اُصول ہے کہ) دو دلیلوں میں جو زیادہ قوی دلیل ہو اس پر عمل کرنا ضروری ہے اور

(اسی بناپر) اس خبر واحد کو وہ شاذ قرار دے دیتے تھے۔

۲۔ حدیث (خبر واحد) کتاب اللہ کے عمومات (عام احکام) اور واضح تصریحات سے متصادم (اور مخالف) نہ ہونی چاہئے۔ لہٰذا جب کوئی حدیث ظاہر کتاب سے ٹکراتی تو وہ ظاہر کتاب پر عمل کرتے اور اس خبر واحد کو چھوڑ دیتے (کیونکہ کتاب اللہ قطعی اور یقینی ہے اور خبر واحد ظنی ہے) اس سلسلہ میں بھی وہ قوی تر دلیل پر عمل کرنے کے (مسلمہ) اُصول کو اختیار کرتے تھے، لیکن اگر حدیث' قرآن کے کسی مجمل حکم کا بیان ہوتی (اور وضاحت کرتی) یا کسی نئے حکم کے لئے نص (دلیل صریح) ہوتی (جس سے قرآن خاموش ہوتا) تو اس حدیث کو (خبر واحد ہونے کے باوجود) قبول کر لیتے (اس لئے کہ ان دوصورتوں میں حدیث قرآن سے متعارض نہیں ہوتی)

۳ حدیث (خبر واحد) مشہور سنت (حدیث مشہور) کے بھی مخالف نہ ہونی چاہیئے خواہ قولی ہو' خواہ فعلی' اگر خبر واحد حدیث مشہور کے مخالف ہوتی تو اس کو قوی تر دلیل پر عمل کرنے کے اُصول کے تحت ترک کر دیتے (کیونکہ حدیث مشہور خبر واحد سے زیادہ قوی ہوتی ہے۔

۴ کوئی حدیث (خبر واحد) اسی جیسی حدیث (خبر واحد) سے متعارض نہ ہونی چاہئے، اگر دونوں حدیثوں کے درمیان تعارض ہوتا تو (مقررہ) وجوہ ترجیح کی بناپر ان میں سے کسی ایک کو ترجیح دیتے (اور دوسری کو ترک کر دیتے) مثلاً ان دونوں حدیثوں کے روایت کرنے والے صحابیوں میں سے ایک صحابی دوسرے صحابی سے زیادہ فقیہ ہوتا یا ایک صحابی فقیہ ہوتا دوسرا غیر فقیہ ہوتا یا ایک صحابی جوان ہوتا دوسرا بوڑھا۔ یہ (تمام احتیاط اور پیش بندی) اس لئے کرتے تھے کہ حتی الوسع غلطی کے امکانات سے بچ سکیں۔

۵ راوی حدیث کا عمل خود اپنی روایت کردہ حدیث کے خلاف نہ ہونا چاہئے (ایسی صورت میں بھی اس حدیث کو ترک کر دیتے تھے) مثلاً ابو ہریرہؓ کی حدیث کہ اگر کُتا برتن

میں منہ ڈال دے تو اس برتن کو سات مرتبہ دھونا چاہئے، خود ابوہریرہ کا فتویٰ اس حدیث کے خلاف تھا (وہ عام نجاسات کی طرح تین مرتبہ برتن کو دھونے کا فتویٰ دیا کرتے تھے)

۶ حدیث میں کوئی ایسی زیادتی نہ ہو جو صرف اسی حدیث میں ہو (اور کسی بھی دوسری حدیث میں نہ ہو) خواہ وہ زیادتی متن میں ہو خواہ سند میں، ایسی صورت میں ابوحنیفہؒ اس حدیث پر عمل کرتے جس میں زیادتی نہ ہو (اور زیادتی والی حدیث کو ترک کر دیتے (یہ (طریق کار بھی) اللہ کے دین میں انتہائی احتیاط برتنے کے اُصول پر مبنی تھا۔

۷ حدیث (خبر واحد) میں کوئی ایسا حکم مذکور نہ ہونا چاہئے جس کا تعلق عموم بلویٰ سے ہے (یعنی سب ہی لوگ اس میں مبتلا ہوتے ہوں اور سب ہی کو اس کی ضرورت پیش آتی ہو) اس لئے کہ ایسی صورت میں تو اس حدیث کو مشہور یا متواتر ہونا چاہئے تھا (اور اس کے روایت کرنے والے بہت سے لوگ ہونے چاہئے تھے نہ کہ صرف ایک شخص یہی اس کے ضعف کی دلیل ہے۔ اسی لئے ابوحنیفہؒ اس کو ترک کر دیتے تھے)

۸ جس حدیث (خبر واحد) کو کسی ایک ہی صحابی نے روایت کیا ہو درآں حالیکہ اس حدیث میں مذکور حکم کے بارے میں صحابہ کے درمیان اختلاف رہا ہو، مگر کسی ایک صحابی نے بھی اس حدیث سے استدلال نہ کیا ہو (یہ عدم التفات) اس کی دلیل ہے کہ یہ (زیرنظر) حدیث ثابت نہیں ہے، ورنہ کوئی نہ کوئی صحابی تو ضرور اس سے استدلال کرتا (ایسی حدیث پر بھی ابوحنیفہ عمل نہیں کرتے تھے)

۹ سلفِ صالحین (صحابہ وتابعین) میں سے کسی نے کبھی اس حدیث (خبر واحد) پر اعتراض نہ کیا ہو (ورنہ صحابہ یا تابعین کا اس حدیث پر طعن کرنا اس کے معتبر نہ ہونے کی دلیل ہے۔ ایسی حدیث پر بھی ابوحنیفہ عمل نہیں کرتے تھے)

۱۰ جو احادیث (اخبار آحاد) ''حدود'' اور ''شرعی سزاؤں سے متعلق ہوں اور ان میں اختلافِ روایات پایا جاتا ہو، ابوحنیفہؒ ان مختلف روایات میں سے جو روایت سب سے

ملکے حکم (سزا) والی ہوتی، اس پر عمل کرتے (اور دوسری روایات کو ترک کر دیتے، اس لئے کہ مسلّمہ اُصول ہے، ''الحدود تندرئ بالشبهات'' شرعی سزائیں ذرا سے شبہ سے بھی ساقط ہو جاتی ہیں، آج کل کی عدالتی اصطلاح میں اسی کو ''شبہ کا فائدہ'' کہا جاتا ہے)

۱۱ راوی حدیث کا حافظہ حدیث سننے کے وقت سے لے کر ادا کرنے (یعنی دوسروں کے سامنے بیان کرنے) کے وقت تک یکساں برقرار رہا ہو، اس درمیان میں اس کے حافظہ میں کسی طرح کا فتور نسیان وغیرہ نہ پیدا ہوا ہو (ورنہ ابوحنیفہؒ ایسے راوی کی حدیث کو قابلِ اعتماد نہ سمجھتے اور اس پر عمل نہ کرتے تھے)۔

ایک مجتہد کے لئے جس کا فریضہ احادیثِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے احکامِ شرعیہ کا اخذ کرنا ہے، یہ تمام شرائط از حد ضروری اور لابدی ہیں، ان شرائط کو پیشِ نظر رکھے بغیر وہ اپنا فریضہ الاستنباط الاحکام الشرعیه عن ادلتها التفصیلیه (تفصیلی دلائل شرعیہ سے احکامِ شرعیہ اخذ کرنا) ادا کر ہی نہیں سکتا، خواہ وہ ابوحنیفہؒ ہوں خواہ مالکؒ، خواہ شافعیؒ، خواہ احمد بن حنبلؒ، بخلافِ محدثین کے جن کا فریضہ صحیح احادیث سے غیر صحیح احادیث الگ کر کے جمع اور محفوظ کر دینا ہے۔ ان کے لئے یہ تمام شرائط خارج از بحث اور ان کی مہم میں رُکاوٹ ہیں۔

روایتِ حدیث میں امام ابوحنیفہؒ کا مقام

کون ہے جو انکار کرے۔ سب جانتے ہیں کہ امام صاحبؒ کا زمانہ خیر القرون اور صحابہؓ سے قرب کا زمانہ تھا، جس میں راویوں کا اس قدر شیوع اور عموم بھی نہیں تھا۔ امام صاحبؒ کو اپنے زمانہ میں احادیث نبویہ جس قدر اسناد کے ساتھ مل سکتی تھیں ان کو حاصل کر لیا تھا۔ امام صاحب اپنے زمانے کے تمام محدثین پر ادراکِ حدیث میں فائق اور غالب تھے۔ آپ کے معاصر اور مشہور محدث امام مسعر بن کدامؒ فرماتے ہیں:

طلبت مع ابی حنیفة الحدیث فغلبنا و اخذنا فی الزهد فبرعلینا و طلبنا معه الفقه فجاء منه ماترون۔

میں نے امام ابوحنیفہؒ کے ساتھ حدیث کی تحصیل کی وہ ہم سب پر غالب رہے اور زہد میں مشغول ہوئے تو وہ اس میں سب سے بڑھ کر تھے اور فقہ میں ان کا مقام تو تم جانتے ہی ہو۔

محدثِ کامل شیخ الاسلام امام عبدالرحمٰن مقری فرماتے ہیں :

و کان اذا حدث عن ابی حنیفة قال حدثنا شاهنشاه ...... الخ ۔

(تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۳۴۵)

امام مقری جب ابوحنیفہؒ سے روایت کرتے تو کہتے ہم سے شہنشاہ نے حدیث بیان کی۔

سنت ، حدیث اور فقہ کو محفوظ کر کے امام صاحبؒ نے اُمت مسلمہ پر کس قدر احسان کیا۔ امام عبداللہ بن داؤدؒ سے سنئے، فرماتے ہیں :

یجب علی اهل الاسلام ان یدعوا اللّٰه لابی حنیفه فی صلواتهم قال و قد ذکر حفظه علیهم السنن و الفقه۔ (تاریخ بغداد ج ۱۳، ص ۳۴۲ ...... والنہایہ ج ۱۰ ص ۱۰۷)

مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ اپنی نماز میں امام ابوحنیفہؒ کے لئے دعا کریں اور ذکر فرمایا کہ یہ اس لئے کہ انہوں نے سنت اور حدیث اور فقہ کو مسلمانوں کے لئے محفوظ کیا ہے۔

قاضی ابو یوسفؒ (جن کو یحیٰی بن معین صاحب الحدیث کہتے ہیں) فرماتے ہیں :

"جب ان کی رائے قائم ہو جاتی تو میں حلقۂ درس سے اُٹھ کر کوفہ کے محدثین کے پاس جاتا اور ان سے مسئلہ کے متعلق حدیثیں دریافت کرتا اور آ کر امام صاحبؒ کی خدمت میں پیش کرتا تو آپ بعض کو قبول کرتے

اور بعض کے بارہ میں فرماتے، یہ صحیح نہیں ہے۔ میں کہتا کیوں؟ تو فرماتے، کوفہ میں جس قدر علم ہے اس کا میں عالم ہوں"۔ (سیرت النعمان)

ائمہ کبار، فقہاءِ عظام اور محدثین کے آراء اور شہادتیں :

محدث اعظم، امیر المؤمنین فی الحدیث امام عبداللہ بن مبارکؒ کی شہادت رائے و تبصرہ اور کسی قدر اجمالی تذکرہ، گذشتہ صفحات میں عرض کر دیا گیا۔ ذیل میں ائمہ کبار، فقہاءِ عظام اور اکابر محدثین کے چند مزید اقوال، آراء اور شہادتیں درج کر دی جاتی ہیں تاکہ حقیقت کے اظہار میں اور بھی نکھار آ جائے۔ قائلین کے نورِ ایمان میں اضافہ ہو اور منکرین پر حجت پوری ہو۔

امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں :

"میں نے تفسیر و حدیث کے معاملے میں امام ابوحنیفہؒ سے زیادہ عالم نہیں دیکھا"۔

سفیان بن عیینہؒ کا قول ہے :

"امام ابوحنیفہ علم حدیث و فقہ میں اعلم الناس (لوگوں میں بڑے عالم) ہیں"۔

یحییٰ بن آدمؒ کہتے ہیں :

"امام صاحبؒ نے اپنے زمانہ کے تمام محدثین کی آراء کو یاد کر رکھا تھا"۔

حسن بن زیادؒ فرماتے ہیں :

"ابوحنیفہؒ نے چار ہزار احادیث روایت کی ہیں ...... دو ہزار حماد سے اور دو ہزار دیگر مشائخ سے"۔

ابن حجر مکیؒ فرماتے ہیں :

"امام ابوحنیفہؒ نے کبھی بھی اپنے مسلک کی طرف جناب حضور اقدس ﷺ کے بلا اشارۂ منامی کے دعوت نہیں دی"۔

یزید بن ہارون کا قول ہے :

''امام ابوحنیفہؒ کا نظیر تلاش کیا گیا مگر نہ ملا''۔

خارجہ بن مصعب فرماتے ہیں :

''امام اعظم ابوحنیفہؒ کے روبرو آتے ہی ان کے علم، زہد اور ورع وتقویٰ کی وجہ سے آدمی کی یہ حالت ہوجاتی تھی کہ اپنے نفس کو حقیر سمجھ کر متواضع ہوجاتا تھا''۔

سفیان ثوریؒ نے فرمایا :

''ابوحنیفہؒ کی مخالفت ایسا شخص کرسکتا ہے جو ان سے قدر اور علم میں بڑا ہو مگر ایسا شخص کون ہے، امام مالکؒ نے امام شافعیؒ کے استفسار پر فرمایا۔

''سبحان اللہ، امام ابوحنیفہؒ عجیب شخص تھے ان کی مثل میں نے نہیں دیکھا''۔

خلف بن ایوب کا قول ہے :

''امام ابوحنیفہؒ ایک نادر الوجود شخص ہیں، علم خدا کی طرف سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا، پھر صحابہ میں تقسیم ہوا، پھر تابعین میں، اس کے بعد امام ابوحنیفہؒ اور ان کے اصحاب میں آیا۔

فضل بن موسیٰؒ نے کہا :

''ہم حجاز وعراق کے علماء کی مجلسوں میں پھرا کرتے تھے، مگر جو برکت اور نفع امام ابوحنیفہؒ کی مجلس میں تھا وہ کہیں نہ تھا۔

حضرت وکیعؒ جو امام بخاریؒ کے کبار مشائخ سے ہیں اور محدث کبیر ہیں، ان کی مجلس میں ایک حدیث پیش ہوئی، جس کا مضمون بہت مشکل تھا۔ وہ کھڑے ہوگئے اور ٹھنڈی سانس بھر کر فرمایا :

''اب ندامت سے کیا فائدہ؟ وہ شیخ یعنی امام اعظم ابوحنیفہؒ کہاں ہیں، جن سے یہ اشکال حل ہوتا''۔

امام ابوداؤد (صاحب سنن) کا قول ہے کہ "امام ابوحنیفہؒ امامِ شریعت تھے"

امام اعمش کا قول ہے کہ :

"ابوحنیفہؒ وہ مسائل جانتے ہیں جنہیں نہ حسن بصریؒ جانتے ہیں نہ ابنِ سیرینؒ، نہ قتادہؒ جانتے ہیں، نہ فلاں اور فلاں اور نہ ان کے سوا کوئی اور"۔

مقاتل فرماتے ہیں کہ :

"میں نے تابعین اور تبع تابعین کو دیکھا، مگر ان میں ابوحنیفہؒ جیسا نقطۂ رس اور بصیرت والا شخص نہیں دیکھا"۔

امام شافعیؒ کا ارشاد ہے، فرمایا :

"لوگ فقہ میں ابوحنیفہؒ کے عیال ہیں، کیونکہ میں نے ان سے زیادہ فقیہ کسی کو نہیں پایا اور یہ بھی فرمایا کہ جو شخص ابوحنیفہؒ کی کتابوں کو نہ دیکھے، وہ نہ تو علم میں تبحر ہوگا اور نہ فقیہ بنے گا۔

(مندرجہ بالا عنوان کے تحت جس قدر اقوال و آراء نقل کر دئے گئے، یہ ان اقوال وشہادتوں کا بیسواں حصہ بھی نہیں ہے جن سے تاریخ کی کتابیں معمور ہیں۔ منقولہ اقوال کے مأخذ، موفق، ذب الزیات، کردری، انتصار، خیرات الحسان، تبییض الصحیفہ، تذکرۃ الحفاظ اور حدائق الحنفیہ ہیں)

☆☆☆

باب : ۵

الزامِ قلّتِ حدیث اور تنقیص ابوحنیفہؒ پر مشتمل اقوال کی حقیقت اور اعتراضات کے جوابات

مخالفین اور حاسدین، قلتِ روایت کی آڑ میں امامِ اعظم ابوحنیفہؒ کی حدیث دانی اور فقہی قدر ومنزلت کو مجروح کر کے حنفیت کا راستہ روکنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ مگر قلتِ روایت کوئی عیب نہیں اور نہ یہ کوئی عار کی بات ہے اور نہ قلتِ روایت، قلتِ علم اور قلتِ فقہ واجتہاد کو مستلزم ہے۔

خلیفۂ راشد حضرت عمر فاروقؓ سے ۵۴۵ روایات مروی ہیں، حالانکہ وہ نبوت کے چھٹے سال اسلام لائے اور تمام زندگی بارگاہِ نبوت میں باریاب رہے۔

حضرت علیؓ سے ۵۸۶ روایات منقول ہیں، حالانکہ وہ پہلے اسلام لانے والوں سے ہیں۔ حضور اقدس ﷺ کی پرورش اور تربیت میں رہے اور چوبیس سال حضور ﷺ کے خلوت وجلوت کے رفیق رہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو ۲۲ سال حضورِ اقدس ﷺ کی خصوصی رفاقت اور خدمت حاصل رہی، مگر اس کے باوجود ان کے مرویات کی تعداد ۸۴۸ ہے۔

دراصل بات یہ ہے، حضرت عمر فاروقؓ ، حضرت علیؓ اور حضرت ابن مسعودؓ براہِ راست حضور اقدس ﷺ سے منسوب کر کے روایات بیان کرنے میں حد درجہ محتاط رہتے تھے کہ مبادا نقلِ روایت میں کوئی فرق ہو جائے اور وعید کے مستحق ٹھہریں۔ اس لئے بہت کم روایتیں ان سے مروی ہیں۔

مگر ان حضرات نے اپنے حدیث کی وافر معلومات کو مسائل اور فتاویٰ کی صورت میں بیان کیا۔ جیسا کہ الاصابہ میں ہے کہ حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت ابن مسعودؓ حضرت ابن عمرؓ، حضرت ابن عباسؓ، حضرت زید بن ثابتؓ اور حضرت اُم المؤمنین عائشہؓ کے فتاویٰ اس قدر زیادہ ہیں کہ ان میں سے ہر ایک کے فتاویٰ سے ایک مستقل ضخیم جلد تیار ہو سکتی ہے۔

ابوحنیفہؒ صحابہؓ کی راہ چلے

امام اعظم ابوحنیفہؒ اور آپ کے اصحابؒ اور آپ کے شرکاءِ تدوینِ فقہ نے بھی حضراتِ صحابہؓ کے طریق کو اختیار کیا۔ ظاہری الفاظ کا تتبع، روایتی اعتبار سے حدیث کے ضعیف وقوی ہونے کا معیار اور ناسخ ومنسوخ اور آخری عمل کی تحقیق کئے بغیر صرف نقلِ روایت کے بجائے انہوں نے مذکورہ جلیل القدر صحابہؓ کے مستحکم، جامع اور محتاط طریقہ کو اختیار کیا۔ احادیث کے ساتھ ساتھ آثار اور فتاویٰ اور اقوالِ صحابہؓ اور تعامل کی تلاش وجستجو کی اور معانی حدیث کی تعیین میں ان سے مدد لی۔ فقہ حنفی کی یہ فضیلت اور فضل وتفوق، حاسدین ومعاندین اور متعصبین ومخالفین کے لئے وجہ حسد ومخالفت بن گئی۔ جب کچھ نہ بن پڑا، تو قلتِ روایت کا الزام دھر دیا۔

اس کے علاوہ محققین نے قلت روایت کے اشکال سے ایک دوسرا جواب دیا ہے کہ احادیث کی دو قسم ہیں :

ایک وہ قسم جس کا تعلق احکام سے ہے اور دوسری قسم وہ ہے جس کا تعلق احکام سے

نہیں۔ دوسری قسم کی روایات میں صحابہؓ اور فقہاء حد درجہ محتاط رہے ہیں، بلکہ خلفاءِ راشدین نے ان کی روایت سے اجتناب کیا ہے اور دوسروں کو بھی منع کیا ہے۔

پہلی قسم کی احادیث جن کا تعلق احکام سے تھا، جن کا جاننا اور ان پر عمل کرنا ضروری تھا لہٰذا ان سے نہیں روکا گیا، بلکہ ان کی روایت کی تاکید کی گئی۔

چنانچہ حضرت عمر فاروقؓ جب خلیفہ ہوئے تو انہوں نے فرمایا:

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے احادیث کی روایت کم کرو بجز ان احادیث کے جن کی عمل کے لئے ضرورت ہے۔ (مصنف عبدالرزاق)

عبادہ بن ثابتؒ نے فرمایا:

''جن احادیث میں تم لوگوں کا دینی فائدہ تھا، وہ سب میں نے تم سے بیان کر دی ہیں''۔ (صحیح مسلم)

علامہ نوویؒ نے قاضی عیاضؒ کے حوالہ سے حضرت عبادہؓ کے اس قول کی تشریح نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ عبادہؓ کے اس قول سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے وہ روایات بیان نہیں کیں، جن سے مسلمانوں کے کسی ضرر یا فتنہ میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہوتا تھا، یا جن کو ہر شخص نہیں سمجھ سکتا تھا اور یہ وہ روایات تھیں جن کا تعلق احکام سے یا کسی حد سے نہ تھا۔ ایسی احادیث کا روایت نہ کرنا کچھ حضرت عبادہؓ سے مخصوص نہیں بلکہ ایسا کرنا دوسرے صحابہؓ سے بھی بہت زیادہ ثابت ہے۔ (شرح مسلم للنووی)

چنانچہ امامِ اعظم ابوحنیفہؒ نے بھی حضرات خلفائے راشدینؓ اور فقہاءِ صحابہؓ کے ارشادات کو ملحوظ رکھتے ہوئے صرف وہی احادیث روایت کیں جن کا تعلق احکام سے تھا۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کا فیصلہ

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کا نام لینا اور ان سے انتساب کرنا آسان ہے، مگر ان کی بات مان جانا بعض کج باطنوں کے لئے آزمائش اور امتحان ہے۔ شاہ ولی اللہ محدث

دہلویؒ نے حضرت عمر فاروقؓ، حضرت علیؓ، حضرت ابن مسعودؓ کو قلتِ روایت کے باوجود مکثرینِ صحابہؓ میں شمار کیا ہے، چنانچہ تحریر فرماتے ہیں :

''جمہور محدثین نے مکثرین صحابہؓ آٹھ شخصیتیں قرار دی ہیں۔ حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت عائشہؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ، حضرت انسؓ، حضرت جابرؓ اور حضرت ابوسعید خدریؓ اور متوسطین میں سے حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ اور حضرت ابن مسعودؓ کو شمار کیا ہے، لیکن اس فقیر کے نزدیک ان حضرات سے احادیث بڑی کثرت سے موجود ہیں، کیونکہ جو احادیث بظاہر موقوف ہوتی ہیں، وہ بھی حکماً وحقیقتاً مرفوع ہیں اور ان حضرات سے بابِ فقہ، بابِ احسان اور بابِ حکمت میں جس قدر ارشادات مروی ہیں، وہ بہت سی وجوہ سے مرفوع کے حکم میں ہیں۔ لہٰذا اِن حضرات کو مکثرین کے حکم میں داخل کرنا زیادہ موزون ہے''۔ (ازالۃ الخفاء ص۲۱۴)

مذکورہ تینوں صحابہؓ جن سے ۵ سو سے لے کر ایک ہزار سے کم تک احادیث مروی ہیں، اگر ان کو مکثرینِ صحابہؓ میں شمار کیا جانا صحیح ہے تو امام اعظم ابوحنیفہؒ جن کی صریح مرفوع احادیث (جو ان کی مسانید وغیرہ میں ہیں) کے علاوہ احادیث موقوفہ، مسائل واحکام، آثارِ صحابہؓ تو ہزاروں صفحات میں پھیلے اِن سے مروی ہیں۔ لہٰذا امام ابوحنیفہؒ کی طرف قلتِ روایت کی نسبت کسی طرح بھی درست نہیں قرار دی جاسکتی۔

حضرت مسروقؒ اور شاہ ولی اللہؒ کی شہادت

مسئلہ زیر بحث کے آخر میں جلیل القدر تابعی حضرت مسروقؒ اور شاہ ولی اللہؒ محدث دہلوی کی دو واقعاتی اور ناقابل تردید شہادتیں بھی نذرِ قارئین ہیں۔ جلیل القدر تابعی حضرت

مسروقؒ فرماتے ہیں کہ :

''میں نے رسول اللہ ﷺ کے اصحاب کو گہری نظر سے دیکھا تو سب کے علوم کا سرچشمہ حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت ابن مسعودؓ، حضرت زیدؓ، حضرت ابودرداءؓ اور حضرت ابیؓ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو پایا اور اس کے بعد پھر زیادہ گہری نظر سے دیکھا تو اِن چھ حضرات کے علوم کا خزانہ حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو پایا'' (اعلام الموقعین علامہ ابن قیمؒ)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی ایک طویل بحث کا خلاصہ یہ ہے :

امامِ اعظم ابوحنیفہؒ کے اُستاذ الاستاذ حضرت ابراہیم نخعی نے اپنے مذہب کی بنیاد حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے مسائل وفتاویٰ پر قائم کی۔ ابراہیم علماءِ کوفہ کے علوم کے مخزن تھے اور ان کی فقہ کے اکثر مسائل اصل میں سلف یعنی صحابہؓ سے مروی ہیں اور ابراہیم نے وہی مسائل جمع کیے تھے، جن کو مشہور احادیث اور قوی دلائل کی صحیح کسوٹی پر کس لیا تھا۔ (حجۃ اللہ البالغہ ص ۱۴۹، ۱۵۱)

اسی بحث کی تکمیل کرتے ہوئے شاہ صاحبؒ نے جو تحریر فرمایا، خلاصۃً درج ذیل ہے : حضرت ابراہیم نخعی کے مسائل اور فتاویٰ کو امام اعظم ابوحنیفہؒ نے حاصل کیا۔

امام ابوحنیفہؒ قوانین کلیہ سے جزئیات کا حکم دریافت کرنے میں غیر معمولی ملکہ رکھتے تھے۔ فنِ تخریج اور مسائل کی باریکیوں پر اپنی دقیقہ رسی سے پوری طرح حاوی تھے۔ فروعات کی تخریج پر کامل توجہ تھی۔ ابراہیم اور ان کے اقران کے اقوال ومسائل کو اگر مصنف ابن ابی شیبہ، مصنف عبدالرزاق اور کتاب الآثار امام محمدؒ کی مرویات سے موازنہ کر کے دیکھو گے تو چند مسائل کے سوا سب میں اتفاق واتحاد پاؤ گے۔ (ایضاً)

ابوحنیفہؒ کی تنقیص پر مشتمل اقوال بے سند اور سراسر جھوٹ ہیں :

متعصبین اور حاسدینِ ابوحنیفہؒ اپنی تالیفات اور نجی و درسی تقریرات میں محدثینِ عظام اور ائمہ کبار کے مذکورہ تمام شہادتوں سے آنکھیں بند کر کے ان اقوال کو مزے لے لے کر بیان کرتے ہیں جو بعض اکابر کی طرف منسوب تاریخ کی بعض کتابوں میں نقل ہوتے چلے آئے ہیں اور سب خطیب بغدادی کی تاریخ سے نقل کرتے چلے آئے ہیں۔ خطیب بغدادی نے اپنی تاریخ میں بعض ائمہ سے منسوب ایسے اقوال بھی نقل کر دیئے ہیں جن سے ابوحنیفہؒ کی تنقیص کا پہلو نکلتا ہے اور بعد کی کتابوں کے لئے یہی اصل قرار پائی۔ ملکِ معظم عیسیٰ بن ابی بکر ایوبی کا خیال یہ ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہؒ پر طعن و تشنیع کی غرض سے یہ جھوٹی روایات ائمہ کبار کی طرف منسوب کر دی گئی ہیں۔

اور اگر بفرضِ محال ان روایات کو صحیح بھی تسلیم کر لیا جائے تو اس کا سبب وہی غلط فہمی اور ناواقفیت ہوسکتی ہے، جس کی مثال امام اوزاعیؒ اور امامِ اعظم ابوحنیفہؒ کے قصہ میں موجود ہے اور یہ قصہ تفصیل سے آئندہ کے صفحات میں درج کر دیا گیا ہے کہ ملاقات، تبادلۂ خیالات اور شخصی ملاقات سے قبل امام اوزاعیؒ کی رائے، امام ابوحنیفہؒ کے متعلق کچھ اور تھی، مگر ملاقات اور حقیقتِ حالات سے آگاہی کے بعد کچھ اور ہوگئی۔

اور اگر بعض معاصر علما اور ائمہ کبار کی طرف منسوب وہ تمام روایات جن میں امام ابوحنیفہؒ کی تنقیص کا پہلو نکلتا ہے کو صحیح بھی تسلیم کر لیا جائے تو اس کا صحیح محمل وہی قرار پائے گا جو امام اوزاعیؒ کی غلط فہمی اور حقیقت حال سے ناواقفیت کی بنا پر ان کی ملاقات سے قبل والی آراء کو حاصل ہے۔ خطیب بغدادی نے چونکہ اکابر علماء کی مدح و ذم کے دونوں قسم کے اقوال نقل کر دیئے ہیں تو اس میں شک نہیں کہ ان اکابر علماء اور ائمۂ کبار میں سے ہر ایک کو امام ابوحنیفہؒ سے حُسن ظن نصیب ہوا ہے اور ان کی تعریفیں کی ہیں اور اپنے پہلے اقوال اور

سوءِظن سے رجوع کیا ہے، مگر یہ تب ہوا جب ابوحنیفہؒ نے ۵۵ سال مسلسل سفرِ حج کر کے اکنافِ عالم سے آنے والے علماء اور فقہاء اسلام اور محدثین عظام سے علمی ملاقاتیں، مذاکرے، مباحثے، افہام وتفہیم اور تبادلۂ افکار وانظار اور اپنے طریقِ اجتہاد واستنباط کو ان پر واضح کر دیا۔

اسی قسم کا ایک واقعہ قاضی عیاض نے مدارک میں بیان کیا ہے کہ ایک دن مدینہ منورہ میں امام مالکؒ اور امام ابوحنیفہؒ کی ملاقات ہوئی اور کافی دیر تک دونوں کے درمیان علمی مباحثہ و مذاکرہ ہوتا رہا۔ اس کے بعد امام مالکؒ وہاں سے نکلے تو پسینہ میں نہائے ہوئے تھے۔ لیث بن سعد نے پوچھا، کیا بات ہے آپ پسینہ پسینہ ہو رہے ہیں؟ امام مالکؒ نے جواب دیا میں ابوحنیفہؒ کے ساتھ مناظرہ ومناقشہ میں پسینہ پسینہ ہو گیا، بلاشبہ یہ تو اے مصری! بڑا بھاری فقیہ ہے۔ (السنة و مكانتها فى التشريع الاسلامى)

اسی طرح امام شافعیؒ سے منسوب ایسے اقوال جن میں امام ابوحنیفہؒ کی تنقیص ہوتی ہے سراسر جھوٹ ہیں۔ امام شافعیؒ نے ابوحنیفہؒ کو پایا ہی نہیں تھا۔ ۱۵۰ھ میں ابوحنیفہؒ وفات ہوئے اور ۱۵۰ھ میں امام شافعیؒ پیدا ہوئے۔

امام محمد بن الحسن الشیبانی کے واسطے سے امام شافعیؒ نے امام ابوحنیفہؒ کی فقہ سے استفادہ کیا اور ابوحنیفہؒ کے اجتہادی علوم سے خوشہ چینی کی اور تین سال امام محمدؒ سے استفادہ کے بعد بغداد کو روانہ ہوئے تو فرمایا۔

میں محمد بن حسن الشیبانی سے ایک بارِ شتر کے بقدر علم اپنے ساتھ لے جا رہا ہوں، جب ابوحنیفہؒ کے تلامذہ کے امام شافعیؒ اس قدر زیرِ بارِ احسان ہیں تو یہ کیسے مانا جا سکتا ہے کہ وہ امام ابوحنیفہؒ کے بارے میں العیاذ باللہ کوئی بُری رائے بھی رکھتے تھے، بلکہ ان کا یہ مقولہ تو مشہور اور زبان زدِ خاص وعام ہے۔

الناس عيال فى الفقه على ابى حنيفه۔ (حسن التقاضی فی سیرۃ ابی یوسفؒ القاضی ص: ۲۸)

لوگ فقہ اور اجتہاد میں امام ابوحنیفہؒ کے پروردہ اور خوشہ چین ہیں۔

اسی طرح ان اقوال کا بھی کوئی اعتبار نہیں جو امام احمدؒ سے منسوب ابوحنیفہؒ کی تنقیص میں نقل کئے گئے ہیں۔ امام احمدؒ، ابوحنیفہؒ کی وفات کے ۱۴ سال بعد ۱۶۴ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے جلیل القدر شاگرد امام ابو یوسفؒ سے استفادہ کیا، حنفی علوم حاصل کئے۔ چنانچہ امام احمدؒ خود فرمایا کرتے :

کتبت عن ابی یوسف ثلاث قاطر فی ثلاث سنوات۔

(حسن التقاضی فی سیرۃ ابی یوسف القاضی ص:۲۸)

میں نے تین سال میں امام ابو یوسفؒ سے علمی یادداشتوں کے تین بڑے بستے لکھے تھے۔

خطیبِ بغدادی اور ابن خلدون کے منقول الزمات کے تحقیقی جوابات :

گذشتہ بحث سے مخالفین اور حاسدین کی دونوں تہمتوں کہ :

۱ امام ابوحنیفہؒ علم حدیث کے سرمایہ سے بالکل تہی دست اور ناواقف تھے۔

۲ امام ابوحنیفہؒ صحیح حدیث پر بھی اپنی رائے اور قیاس کو ترجیح دیتے تھے، میں سے پہلے الزام کی حقیقت واضح ہو کر قارئین کے سامنے آ گئی ہے۔ دوسرے الزام پر تفصیلی گفتگو آئندہ صفحات میں ملاحظہ فرماویں گے۔

اب ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ ان تہمتوں اور بے بنیاد الزامات کے تاریخی ماخذ کیا ہیں؟ اور حقائق کی کسوٹی پر ان کی صداقت کا معیار کیا ہے؟ اس سلسلہ میں اولاً خطیب بغدادی نے مختلف ائمہ کبار اور فقہاءِ عظام سے منسوب بے سند اقوالِ کاذبہ تاریخِ بغداد میں نقل کر دیئے ہیں۔ مشتے نمونہ از خروارے۔

کان یتیماً فی الحدیث، کان زمناً فی الحدیث، لم یکن بصاحب حدیث انه لیس له رای ولا حدیث، جمیع ماروی مَن ابی حنیفه من الحدیث مأة و خمسون حدیثاً اخطأ فی نصفها (یہ اور اسی نوع کے متعدد اقوال خطیب بغدادی کی تاریخ جلد۱۳ ص ۴۴۴ سے آگے کے صفحات پر بھی مختلف مقامات پر بکھرے ہوئے موجود ہیں)

ابوحنیفہؒ علم حدیث میں یتیم تھے۔ ابوحنیفہؒ تو حدیث میں بالکل اپاہج تھے، وہ حدیث کے آدمی نہ تھے، ابوحنیفہؒ کے پاس نہ تو رائے تھی اور نہ حدیث، ابوحنیفہؒ سے مروی کل کل ڈیڑھ سو حدیثیں ہیں، جن میں سے آدھی حدیثوں میں ان سے غلطیاں ہوئی ہیں۔

سنت کے مخالفین، حدیث کے منکرین اور ابوحنیفہؒ کے حاسدین اپنی تقریر و تحریر میں خطیب بغدادی کے نقل کردہ یہ الزامات اور بے حقیقت تہمتیں ہمیشہ سے دہراتے آئے ہیں۔ مؤرخین میں بھی بعض دانستہ برائے مخالفت اور بعض نادانستہ طور نہ برائے مخالفت ان الزامات کو اپنی تاریخوں میں نقل کرتے چلے آئے ہیں۔ مثلاً ابن خلدون نے اپنی تاریخ کے مقدمہ میں لکھا ہے:

ان مرویاته بلغت ،علی ما یقال سبعة عشر حدیثا۔

ابوحنیفہؒ سے مروی احادیث کی تعداد جیسا کہ کہا گیا ہے...... سترہ تک پہنچتی ہے۔

مگر حقائق اور واقعات کی دنیا میں اِن الزامات میں کہاں تک صداقت ہے، اسی سلسلہ میں گذشتہ بحثیں بھی کافی ہیں، مگر مزید تطیب خاطر کے لئے چند گذارشات پیش خدمت ہیں۔

(ا) امام اعظم ابوحنیفہؒ دین کے مسلّم امام اور مجتہد تھے۔ موافقین و مخالفین اور خطیب بغدادی کے نقل کردہ اقوال کے قائلین سب کا اس پر اجماع و اتفاق ہے، پھر سوال یہ ہے کہ جب ابوحنیفہؒ کو علمِ حدیث سے کوئی تعلق نہ تھا اور صرف سترہ حدیثیں یاد تھیں، تو ائمہ مجتہدین نے ان کے اجتہاد و استنباط کا اعتبار کیسے کیا۔ ان کے فقہی مسائل کی تحصیل کا اہتمام

اور پھر ان کی اشاعت کا انتظام کیوں کیا اور فقہ بھی ایسی جس کی عمارت کے لئے سرے سے علم حدیث کی بنیاد ہی نہیں تھی کیونکر پروان چڑھی اور آج تک سوادِ اعظم کے لئے قابلِ قبول کیوں بنی ہوئی ہے۔

(ب) ابوحنیفہؒ کے مذہب کا تحقیقی مطالعہ کرنے والے ائمہ کبار اور فقہاءِ عظام نے فقہ حنفی کے سینکڑوں مسائل واحکام کو صحیح احادیث کے بالکل موافق پایا۔ شارحِ قاموس سید مرتضیٰ زبیدی نے فقہ حنفی کے اصل تمام احادیثِ احکام کو "**الدرر المنیفه فی ادلة ابی حنیفه**" کے نام سے ایک مستقل کتاب میں جمع کر دیا ہے تو سوال یہ ہے کہ ابوحنیفہؒ کے علم حدیث سے نابلد اور تہی دامن ہونے کے باوجود ان کے استنباط کردہ مسائل واحکام صحیح احادیث کے موافق کیسے ہو گئے۔

(ج) امام ابن ابی شیبہؒ نے مصنفِ کبیر میں ایسے مسائل کی تعداد ایک سو پچیس گنوائی ہے جن میں ان کے نزدیک امام ابوحنیفہؒ صحیح احادیث کے معیار پر پورے نہیں اترے، اگر ابن ابی شیبہ کے بیان کو صحیح بھی تسلیم کر لیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ ایک سو پچیس کے علاوہ باقی امام ابوحنیفہؒ کے ہزاروں مسائل جن کی تعداد ایک روایت کے مطابق بارہ لاکھ تراسی ہزار (۸۳۰۰۰) ہے اور ایک دوسری روایت کے مطابق بارہ لاکھ تک پہنچتی ہے، صحیح اور حدیث کے موافق ہیں اور اس سے یہ بھی لازم آتا ہے کہ بارہ لاکھ مسائل کے استنباط کرنے والے کے پاس حدیثیں بھی سینکڑوں اور ہزاروں ہونی چاہئیں۔ لامحالہ یہ ماننا پڑے گا کہ واقعۃً امام اعظم ابوحنیفہؒ کے پاس حدیثوں کا بہت بڑا ذخیرہ موجود تھا اور حدیث کے اسی ذخیرہ سے انہوں نے بارہ لاکھ مسائل کا استنباط کیا تھا۔

(د) علم اصول حدیث (کتب مصطلح حدیث وکتب اسماء الرجال) میں امام ابوحنیفہؒ [illegible] کیا جاتا ہے اور ردّ وقبول کے اعتبار سے ان پر بھروسہ کیا جاتا ہے [illegible] امام ابوحنیفہؒ ردّ کر دیں، اس کو مردود سمجھا جاتا ہے اور جس کی وہ

تائید کردیں، اسے قبول کرلیا جاتا ہے کیا ایسی عظیم علمی شخصیت کو علم حدیث سے کورا اور تہی دامن قرار دینا سراسر جھوٹ اور بہتان نہیں ہے؟

(ر) امام اعظم ابوحنیفہؒ کے تلامذہ نے آپ سے سنی اور پڑھی ہوئی حدیثوں کو مستقل کتابوں اور مسندوں میں پورے اہتمام کے ساتھ لکھا اور لکھنے والے بھی کوئی معمولی شخصیتیں نہیں بلکہ علم حدیث وفقہ اور اجتہاد واستنباط میں مسلّم امام ہیں۔ مثلاً امام ابویوسفؒ، امام محمدؒ، حسن بن زیادؒ، ابوحنیفہؒ کے صاحب زادے حماد، الذہبی، البخاری، الحارثی، ابن المظفر محمد بن جعفر، ابونعیم الاصفہانی، قاضی ابوبکر الانصاری، ابن ابی العوام السعدی، ابن خسرو البلخی آسمان علوم نبوت کے یہ روشن ماہتاب، کون ہے جسے ان کی ضیاپاشیوں سے انکار ہو، پھر قاضی القضاۃ محمد بن محمود الخوارزمی نے مذکورہ تمام ائمہ کے مسانید کو ایک ضخیم کتاب میں جمع کرکے ''جامع المسانید'' نام رکھ دیا۔

حافظ محمد بن یوسف الصالحانی نے ایسی روایات نقل کی ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ابوحنیفہؒ کے مسانید کی تعداد سترہ ہے، پھر انہوں نے ان سترہ آدمیوں کی اسانید بسط و تفصیل کے ساتھ بیان کی ہیں، جنہوں نے ابوحنیفہؒ کی مسانید جمع کی ہیں۔ (عقود الجمان)

اس تحقیق وتفصیل کے بعد امام ابوحنیفہؒ پر قلت حدیث کے الزام کی کوئی وقعت باقی نہیں رہتی۔

ابنِ خلدون کی منقول روایت کی توجیہات :

اس تفصیل سے ابنِ خلدون کے بیان کی حقیقت بھی واضح ہو جاتی ہے۔ تاہم ابن خلدون کی عبارت بہت مبہم ہے، انہوں نے اتنا لکھا ہے کہ ''ابوحنیفہؒ کے مرویات کی تعداد سترہ ہے'' ہوسکتا ہے کہ

(ا) ابنِ خلدونؒ نے امام ابوحنیفہؒ کے مرویات کی تعداد سے ان کے سترہ مسانید مراد

لئے ہوں۔

(ب) اور یہ بھی ممکن ہے کہ امام محمدؒ نے جو پورا موطا امام مالکؒ سے روایت کیا ہے، مگر اس میں صرف تیرہ حدیثیں ایسی درج کیں ہیں جو ابوحنیفہؒ سے منقول ہیں اور چار حدیثیں ابو یوسفؒ سے روایت کی ہیں۔

ان سترہ حدیثوں کو دیکھ کر بعض اہلِ علم نے موطا میں درج شدہ احادیث کی تعداد سترہ بتائی ہو اور وہی نقل ہوتی چلی آئی ہو، مگر یاد رہے کہ سترہ احادیث والے بہتان اور بے بنیاد الزام کو ابنِ خلدونؒ کے سوا کسی کتاب نے بھی ذکر نہیں کیا۔ (تانیب الخطیب ص ۱۵۶)

ضد اور ہٹ دھرمی کا علاج نہیں، نہ ماننے والوں کے لئے دفتر کے دفتر بھی بے سود ہیں اور تسلیم کرنے والوں کے لئے ایک صحیح بات بھی کافی ہوتی ہے۔ کیا ماقبل کے مستند حوالہ جات، تحقیقی مباحث، شواہد، واقعات اور حقائق اور سچی شہادتیں اس بات کا بیّن ثبوت نہیں ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ کے علمِ حدیث و روایت میں کمالِ درک اور حزم و احتیاط کی محدثین میں نظیر نہیں ملتی، کیا ایسے شخص کو ''یتیم فی الحدیث'' اور ''قلیل الحدیث'' قرار دینا انتہائی ظلم اور کمالِ جہالت کا مظاہرہ نہیں۔ مبغضین و متعصبین کے امام ابوحنیفہؒ کے بارہ میں ''قلیل البضاعۃ فی الحدیث'' کے نظریہ کو صاحبانِ عقل و بصیرت، بے بنیاد، باطل، تقوّل اور جھوٹ کے سوا کیا کچھ کہہ سکتے ہیں۔

ارجاءِ ابوحنیفہؒ کی حقیقت اور غنیۃ الطالبین کی عبارت :

امام اعظم ابوحنیفہؒ ان شرفاء، عظماءِ رجال اور مردانِ علم و دین سے تھے، جو فقہ و اجتہاد اور علم و فضل کی بلندیوں اور ایسی بلند چوٹیوں پر پہنچے کہ آج صرف ان کے ناقدین کے اختلاف و تضاد ہی کو اگر دیکھ لیا جائے تو ان کی جلالتِ قدر، شرافت اور عظمتِ شان کا ثبوت واضح ہو کر سامنے آ جاتا ہے۔

دیگر اعتراضات الزامات کے ساتھ ساتھ ''ارجاء'' کے عنوان سے امام ابوحنیفہؒ کے خلاف جوطوفان برپا کیا گیا ہے، پوری تاریخ میں کسی دوسرے محدث یا امام کے خلاف اس کی نظیر نہیں ملتی۔

حالانکہ بقول شیخ مصطفیٰ حسنی السباعی کے ''امام ابوحنیفہؒ کا ارجاء'' خالص سنت ہے جو محض سنت اور قرآن و حدیث کے عین مطابق ہے یعنی اگر مسلمان مرتکب کبیرہ (گناہ) توبہ کئے بغیر مر جائے تو آخرت میں اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کی مشیت کے سپرد ہے، اللہ چاہیں تو اس کو گناہ کے بقدر جہنم میں ڈال کر سزا دیں، بعد میں جنت میں داخل کر دیں اور اگر چاہیں اپنی رحمت سے اس کے گناہ معاف فرما دیں اور سزا دئے بغیر ہی جنت میں داخل فرما دیں۔

اِنّ اللّٰہ لایغفر ان یشرک بہ و یغفر ما دون ذالک لمن یشاء۔(الایۃ)

بہ تحقیق اللہ تعالیٰ اس کو تو ہرگز معاف نہیں کرتا کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک بنایا جائے اور اسی (کفر و شرک) سے کمتر گناہ جس کے چاہے معاف فرماوے۔

مومن مسلمان کبیرہ گناہوں کا مرتکب بہرحال مسلمان ہے اور ایک روز جنت میں داخل ہوگا۔ ابدی جہنم صرف کافروں اور مشرکوں کے لئے ہے۔ وہی مخلّد فی النار ہوں گے، مسلمان مرتکب کبیرہ نہیں۔

خوارج کہتے ہیں کہ مسلمان مرتکب کبیرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے اور کافر ہو جاتا ہے اور مخلد فی النار ہوگا۔

معتزلہ کہتے ہیں کہ مسلمان نہیں رہتا اور نہ ہی کافر کہلایا جا سکتا ہے، البتہ مخلّد فی النار ہوگا۔

مرجیئہ کا عقیدۂ ارجاء (جو قرآن و سنت کے خلاف ہے) یہ ہے کہ:

لایضر مع الایمان معصیته کما لا تنفع مع الکفر طاعة۔

ایمان کے ہوتے ہوئے کوئی بھی معصیت نقصان نہیں پہنچاتی، جیسے کفر کے ہوتے ہوئے کوئی طاعت نفع نہیں دیتی۔

(اس گروہ کا ایک عقیدہ یہ بھی ہے کہ معرفت اور اقرارِلسانی کا نام ایمان ہے۔ تصدیق قلبی کی ضرورت نہیں اور یہ عقیدہ بھی رکھتے ہیں کہ عذاب ثواب سیئات اور حسنات پر مرتب نہیں ہوتے)

یہ عقیدہ قرآن و سنت کے خلاف ہے اور عقائد اہلسنت والجماعت سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ امام ابوحنیفہؒ اس عقیدہ سے بری ہیں۔ (ہم نے اوپر شیخ مصطفیٰ کے الفاظ میں ابوحنیفہؒ کے ارجاء کو خالص سنت قرار دیا ہے۔ تاریخی پس منظر میں جب دیکھا جائے تو یہ واقعہ ہے کہ صدرِاوّل میں معتزلہ اہلسنت والجماعت کو مرجیہ کہا کرتے تھے۔ ابوحنیفہؒ نے چونکہ معتزلہ اور خوارج کے خلاف زبردست کام کیا ہے، اس لئے انہوں نے اپنے آپ کو مرجی کے لقب سے مشتہر کیا۔ لہٰذا ابو شکور سالمی کے بقول مرجیہ کے دو قسم ہیں، مرجیہ مرحومہ، مرجیہ ملعونہ۔ سالمی لکھتے ہیں :

ثم المرجیئة علی نوعین مرجیة مرحومة و هم اصحاب النبی صلی اللّٰہ علیه و سلم و مرجیته ملعونته و هم الذین یقولون ان المعاصیة لاتضر العاصی لایعاقب (اوشحة الجید)

مرجیہ کے دو قسم ہیں، ایک مرجیہ مرحومہ جس میں صحابہؓ داخل ہیں، دوسرے مرجیہ ملعونہ جو یہ کہتے ہیں کہ معاصیات مضر نہیں اور عاصی کو عقاب نہ ہوگا)

علامہ ابن اثیر نے امام ابوحنیفہؒ پر الزامات کی تردید میں فرمایا :

والظاهر انه کان منزهاً عنها۔ (اوشحہ از جامع الاصول)

ظاہر یہ ہے کہ امام صاحب ان سب الزامات سے پاک تھے۔

جب کچھ نہ ملا تو غنیۃ الطالبین کی عبارت کو غلط معانی پہنا کر امام ابوحنیفہؒ کے خلاف کیچڑ اُچھالنے کے توشۂ آخرت میں اضافہ کرنا ضروری سمجھا۔ حالانکہ صاحب غنیۃ نے تو صرف اس قدر لکھا ہے کہ امام المرجیۂ فہم بعض اصحاب ابی حنیفہؒ بعض حنفی مرجیہ تھے اور یہ کوئی خلافِ واقعہ بات نہیں۔ علامہ زمخشری، صاحب قنیہ جبائی اور غسان کوفی فقہ میں امام ابوحنیفہؒ کے مقلد تھے، مگر عقائد میں معتزلی یا مرجی تھے، تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ امام اعظم ابوحنیفہؒ یا اس کے تمام اصحابِ مرجیۂ تھے۔

قرأت شاذہ کتاب منحول اور تکفیر ابوحنیفہؒ :

امام اعظم ابوحنیفہؒ کی شخصیت سیاسی، اجتماعی، اخلاقی، علمی، فقہی اور دینی حیثیت سے فضل وتفوق، برتری اور جس امتیاز کی حامل ہے اسی تناسب سے مخالفین وحاسدین بعض معاصرین اور تحزب پسند افراد نے آپ کی مخالفت میں آپ کی ذات پر کیچڑ اُچھالنے میں جو غضب ڈھایا ہے، اس کی جھلک قارئین مختلف ابواب میں دیکھتے آئے ہیں۔ ذیل میں ان میں سے چند بے جا خرافات اور ان کے مقابلہ میں واقعاتی حقائق نذرِ قارئین ہیں۔

عام طور پر کہا جاتا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ قرأت شاذہ کو اختیار کرتے اور روایت کرتے اور ان میں سے مسائل واحکام کا استنباط کر کے فقہ کی تدوین کرتے رہے۔ دراصل ہوا یوں کہ محمد بن جعفر خزاعیؒ نے قرأت شاذہ میں ایک رسالہ مرتب کیا اور ان میں درج کردہ قرأۃ شاذہ کی نسبت امام ابوحنیفہؒ کی طرف کردی، جس سے بعض مفسرین اور مصنفین کو دھوکہ ہوا۔ ابنِ حجر مکی کا ارشاد بطورِ قولِ فیصل خیرات الحسان سے نقل کردیا جاتا ہے۔

ائمہ اور علماء کی ایک جماعت نے جن میں دارقطنی بھی ہیں اس بات کی تصریح کی ہے کہ یہ کتاب موضوع ہے اور امام ابوحنیفہؒ اس سے بری ہیں۔

مخالفین بالخصوص اہلحدیث میں غالین کتاب منحول (جس میں امام اعظم ابوحنیفہؒ

پر اعتراضات کئے گئے ہیں) کی نسبت امام غزالیؒ کی طرف کرتے ہیں، علامہ ابن حجر مکیؒ نے خیرات الحسان میں اس کے بارے میں یہ تصریح فرمائی ہے کہ :

''یہ کتاب ایک معتزلی کی تصنیف ہے جس کا نام محمود غزالیؒ ہے جو حجۃ الاسلام نہیں''۔

کتاب منخول کو حجۃ الاسلام امام غزالیؒ کی طرف منسوب کرنے والے اپنا سا منہ لے کر رہ جاتے ہیں جب ان کے سامنے امام غزالیؒ کی احیاء العلوم کا یہ اقتباس پیش کیا جاتا ہے، جس میں انہوں نے امام اعظمؒ ابوحنیفہؒ کو عابد وزاہد اور ایک عظیم عارف باللہ قرار دیا ہے۔

كان ايضاً عابداً زاهداً عارفاً باالله خائفا منه مؤيدا وجهه الله بعلمه ۔

امام اعظم ابوحنیفہؒ عابد، زاہد، عارف باللہ، اللہ سے خوف کرنے والے اور اپنے علم کے ذریعہ اللہ کی مرضی کے طالب تھے۔

☆☆☆

باب : ٦

تدوینِ شرائع

كتابُ الآثار ...... اور ...... جامعُ المسانيد

دوسری اوّلیتوں، شرافت اور فضیلتوں کے ساتھ ساتھ تدوینِ شرائع اور ان کی ترتیب وتبویب میں بھی امامِ اعظم ابوحنیفہؒ کو مدوّن اوّل ہونے کا شرف حاصل ہے۔

جلال الدین سیوطیؒ لکھتے ہیں :

من مناقب ابی حنیفه انه انفرد بها انه اوّل من دون الشریعة و رتبه ابو اباً ۔ (تبیض الصحیفہ ص:۳٦)

امام ابوحنیفہؒ کی ان بزرگیوں میں جن میں یگانہ ہیں ایک یہ ہے کہ ابوحنیفہؒ پہلے شخص ہیں جنہوں نے شریعت کی ترتیب وتدوین اور تبویب کا کام کیا۔

تو سیوطیؒ کے قول کے مطابق ابوحنیفہؒ اس شرف میں یگانہ ہیں، مؤطا میں امامِ مالکؒ نے ابوحنیفہؒ کی اقتداء کی ہے۔

ثم تبعه مالک فی ترتیب المؤطا و لم یسبق اباحنیفه احد۔ (ایضاً)

امامِ مالکؒ نے مؤطا کی ترتیب میں ابوحنیفہ کی اتباع کی ہے، ترتیب وتدوین شرائع میں ابوحنیفہؒ پر کسی کو سبقت حاصل نہیں۔

اور یہ ایک نا قابلِ انکار حقیقت ہے، جیسا کہ قاضی ابوالعباسؒ نے بھی اخبار ابی حنیفہؒ میں بسند متصل عبدالعزیز بن محمد دراوردی سے روایت کی ہے کہ امامِ مالکؒ، امام اعظم ابوحنیفہؒ کی کتابوں سے استفادہ کرتے تھے۔

قال کان مالک ینظر فی کتب ابی حنیفه و ینتفع بها۔

(مناقب ذہبی ص ۱۱)

امامِ مالکؒ امام ابوحنیفہؒ کی کتابوں کا مطالعہ کرتے تھے اور ان سے نفع اندوز ہوتے تھے۔

حدیث میں امام ابوحنیفہؒ کی تصنیفات

امام اعظم ابوحنیفہؒ نے کوفہ کی مشہور علمی درسگاہ میں، تدریس اور تدوینِ فقہ کے ساتھ ساتھ فقہ کے ابواب پر مشتمل حدیثوں کا ایک مجموعہ بھی صحیح اور معمول بہ روایات سے انتخاب فرما کر مرتب کیا، پھر اسے اپنے تلامذہ کے سامنے درس کی صورت میں پیش فرمایا۔ متقدمین میں لائق تلامذہ اپنے شیوخ کی جن تعلیمات کو دورانِ سبق ہی زیر تحریر لے آئے تھے۔ وہ تصانیف ان کے شیوخ ہی کی طرف منسوب ہوتی تھیں، جیسے ابن دقیق العید کی ''احکام الاحکام'' جس کو ان کے لائق شاگرد قاضی اسمٰعیل نے تحریر کیا ہے۔ امام اعظم ابوحنیفہؒ نے بھی اپنے لائق تلامذہ قاضی ابویوسفؒ، محمد بن حسن الشیبانیؒ، زفر بن ہذیل اور حسن بن زیاد وغیرہ کے سامنے دورانِ درس جو احادیث بیان فرمائیں، انہیں آپ کے تلامذہ ''حدثنا'' اور ''اخبرنا'' کے صیغوں کے ساتھ قیدِ تحریر میں لائے۔ آپ کے ان درسی افادات کا نام ''کتاب الآثار'' ہے، جو دوسری صدی کے ربع ثانی کی تالیف ہے۔ امام اعظم ابوحنیفہؒ سے پہلے حدیثِ نبویؐ کے جتنے مجموعے اور صحیفے تھے ان کی ترتیب فنی نہیں تھی، مگر کتاب الآثار اس دور کی پہلی تصنیف ہے جس میں بعد کے آنے والے محدثین کے لئے

ترتیب وتبویب کی شاہراہ قائم کر دی گئی۔صدرِاوّل میں تمام علوم اور مہماتِ فنونِ عربیہ کی تدریس وحفاظت کا یہی طریقہ رائج تھا۔مشائخ اور اساتذہ درس واملاء اور تقریر کرتے اور تلامذہ اپنے حفظ و یادداشت کے لئے اساتذہ کے امالی یا ان کا خلاصہ لکھ لیا کرتے تھے اور پھر یہ طریقہ بتدریج ترقی کرتا رہا، حتیٰ کہ خود اساتذہ اور علماءِ فن اپنی مرویات کو بطورِ تصنیف مرتب کرنے لگے، حدیث میں یہ طریقہ تمام علوم سے زیادہ مقبول ہوا اور تحمل روایت کی مشہور اور اعلیٰ قسم قرار پایا۔حافظ زین الدین عراقی تحریر فرماتے ہیں :**سواء حدیث من کتابہ او من حفظہ او باملاء او بغیر املاء و ھو ارفع الاقسام**۔(تنقیص انظار ج۲ص ۲۹۸)

علامہ محی الدین عبدالحمید نے اس طریقہ کو تالیف وتصنیف اور تدریس میں سب سے اعلیٰ قرار دیا ہے‘فرماتے ہیں :حدیث حاصل کرنے کے طریقوں میں سب سے اونچا‘ ترقی یافتہ اور قوی ترین طریقہ یہ ہے کہ راوی شیخ کے الفاظ سے خواہ شیخ کسی دستاویز سے املا کر رہا ہو یا زبانی یادداشت سے املا کرانا تحدیث میں غیر املاء سے اونچا ہے۔

(تعلیقات علی التوضیح ج۲ص ۲۹۵)

حافظ ابن صلاحؒ فرماتے ہیں ،ہٰذا القسم ارفع الاقسام عند الجماہیر (مقدمہ ابن صلاح) کتاب الآثار بھی اس قسم کے املائی افادات کا مجموعہ ہے۔امام ابوحنیفہؒ کا قائم کردہ یہ طریقہ تصنیف بے حد مقبول ہوا، جسے بعد میں آپ کے تلامذہ نے بھی اختیار فرمایا۔

کتاب الآثار :

حدیث کی دوسری کتابوں کی طرح کتاب الآثار کے راویوں کے متعدد ہونے کی وجہ سے اس کے نسخے بھی متعدد ہو گئے ہیں، ویسے امام اعظم ابوحنیفہؒ سے کتاب الآثار کی روایت کرنے والے تلامذہ کی تعداد تو زیادہ ہے لیکن ان میں شہرت درج ذیل چار نسخوں کو حاصل ہوئی۔

(۱) کتاب الآ ثار بروایت امام محمدؒ۔

(۲) کتاب الآ ثار بروایت امام ابو یوسفؒ۔

(۳) کتاب الآ ثار بروایت امام زفرؒ۔

(۴) کتاب الآ ثار بروایت امام حسن زیادؒ۔

پھران چار نسخوں میں بھی سب سے زیادہ شہرت اور قبولیت امام محمد کے روایت کردہ نسخہ کو حاصل ہوئی۔حافظ ابن حجر عسقلانیؒ تحریر فرماتے ہیں :

و الموجود من حديث ابی حنيفه مفرداً انما هو كتاب الآثار التی رواها محمد بن الحسن عنه۔ (تعجیل المنفعۃ برجال الائمۃ الاربعۃ ص۴)

اس وقت امام اعظمؒ کی احادیث میں سے ''کتاب الآ ثار'' موجود ہے جسے محمد بن حسن نے روایت کیا ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے کتاب الآ ثار کے رواۃ کے حالات پر دو کتابیں لکھی ہیں،پہلی تصنیف مستقلاً کتاب الآ ثار کے رجال سے متعلق ہے،جس کا نام...... ''**الايثار بمعرفة رواة الآثار**'' ہے۔دوسری تصنیف کا نام'' **تعجيل المنفعه بزوائد رجال الاربعة**'' ہے(یہ کتاب حیدرآباد سے چھپ چکی ہے اور دستیاب ہے۔اس میں حافظ ابن حجرؒ نے ان راویوں کے حالات لکھے ہیں جن سے ائمہ اربعہ نے اپنی اپنی تصانیف میں حدیثیں نقل کی ہیں اور صحاح میں ان راویوں کے حوالے سے کوئی حدیث منقول نہیں ہے۔
حافظ سخاوی نے کتاب الآ ثار کے رجال پر ایک دوسری مستقل کتاب کی نشاندہی بھی کی ہے، لکھتے ہیں :

وللزين قاسم الحنفی رجال كل من الطحاری والمؤطا لمحمد بن الحسن و الآثار و مسند ابی حنيفه لابن المقری۔ (اعلان بالتوبیخ ص۱۱۷)

چلپیؒ نے کشف الظنون میں کتاب الآ ثار پر حافظ ابوجعفر طحاوی کی شرح کا بھی

ذکر کیا ہے۔

ابوزھرہ مصری کی رائے :

مشہور محقق شیخ ابوزہرہ مصری نے کتاب الآثار کے متعلق لکھا ہے کہ :

"یہ کتاب علمی طور پر تین وجہ سے قیمتی ہے۔ اولاً یہ کہ امام اعظم ابوحنیفہؒ کے مرویات کا ذخیرہ ہے اور اس کے ذریعہ سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ امام موصوف نے استخراجِ مسائل میں احادیث کو کیسے دلائل کے طور پر استعمال کیا ہے۔ دوم یہ کہ کتاب ہمیں بتاتی ہے کہ امام موصوف کے یہاں مواقع استدلال میں فتاویٰ صحابہ اور احادیث مرسلہ کا کیا مقام تھا۔ سوم یہ کہ اس کتاب کے ذریعے تابعین فقہائے کوفہ کے خصوصاً اور فقہائے عراق کے عموماً فتاویٰ تک ہماری رسائی ہو جاتی ہے۔ (ابوحنیفہ ص ۲۰۰)

امام اعظم ابوحنیفہؒ کا زمانہ صحابہ اور کبار تابعین کا زمانہ ایک ہے، حدیث کے طرق اور وسعت میں ابھی تک پھیلاؤ اور اتنی وسعت نہیں آئی تھی جو امام بخاری اور امام مسلم کے زمانے میں آ گئی تھی اور ایک ایک حدیث کے لئے ہزاروں طرق رونما ہو چکے تھے مگر اس کے باوجود بھی امام ابوحنیفہؒ نے چالیس ہزار احادیث سے کتاب الآثار کا انتخاب کیا ہے۔

کتاب الآثار کا انتخاب :

چنانچہ امام ابوبکر زرنجری فرماتے ہیں :

انتخب ابو حنیفه الآثار من اربعین الف حدیث۔ (مناقب للموفق ج ۲ ص ۹۵)

امام ابوحنیفہؒ نے کتاب الآثار کو ۴۰ ہزار احادیث سے منتخب کیا ہے۔

حضرت علامہ علی قاریؒ لکھتے ہیں :

ان الامام ذکر فی تصانیفه نیفاً و سبعین الف حدیث و انتخب الآثار

من اربعین الف حدیث۔ (مناقب علی قاری بذیل الجواہر ج ۲ ص ۴۷۴)

امام ابوحنیفہؒ نے اپنی تصانیف میں ۷۰ ہزار سے زائد حدیثیں بیان کی ہیں اور چالیس ہزار احادیث سے کتاب الآثار کا انتخاب کیا ہے۔

یحییٰ بن نصر کی روایت ہے فرماتے ہیں :

میں امام ابوحنیفہؒ کے یہاں ایسے مکان میں داخل ہوا جو کتابوں سے اٹا ہوا تھا، میں نے دریافت کیا کہ کیا ہے، فرمایا کہ یہ سب احادیث ہیں اور میں نے ان میں سے تھوڑی حدیثیں بیان کی ہیں۔ (عقود الجواہر ج ۱ ص ۲۳)

کتاب الآثار اور ابن مبارکؒ کے مدحیہ اشعار :

جلیل القدر محدث اور امام بخاریؒ کے شیخ امام عبداللہ بن مبارکؒ نے امام اعظم ابوحنیفہؒ کی شان میں مدحیہ اشعار کہے ہیں اور ان کی کتاب الآثار کی جلالتِ شان کا تذکرہ بھی کیا ہے :

روی آثارہ فاجاب فیھا کطیرانِ الصقور من المنفیہ

فلم یک بالعراق لہ نظیر والا بالمشرقین و لا بکوفہ

(المناقب ج ۲ ص ۱۹۰)

ترجمہ :- انہوں نے آثار کو روایت کیا تو اتنی تیزی سے چلے جیسے بلندی سے پرندے شکاری اڑتے ہوں نہ تو عراق میں ان کی نظیر تھی اور نہ کوفہ میں اور نہ مشرق ومغرب میں۔

اُمتِ مرحومہ کے سوادِ اعظم کا اوّلین مذہبی علمی سرمایہ امام ابوحنیفہؒ کی کتاب الآثار ہے، جسے اُمت میں تلقی بالقبول کا شرف حاصل رہا ہے۔

کتب ابوحنیفہؒ کا مطالعہ اور ضرورت واہمیت :

امام شافعیؒ فرماتے ہیں :

من لم ینظر فی کتب ابی حنیفه لم یتبحر فی الفقه۔ (مناقب)

جو امام ابوحنیفہؒ کی کتابوں سے بے نیاز رہے گا اسے علم میں تبحر حاصل نہ ہوگا۔

شیخ الاسلام یزید بن ہارون نے ایک مرتبہ ایک استفسار کے جواب میں فرمایا :

انظروا فیها ان کنتم تریدون ان تفقهوا فانی مارایت احداً من الفقهاء یکره النظر فی قوله . (تاریخ بغداد ج ۳ص ۳۴۲)

اگر تم فقیہ بننا چاہتے ہو تو امام اعظمؒ کی کتابوں کا مطالعہ کرو میں نے کسی بھی فقیہ کو ان سے بے نیاز نہیں دیکھا۔

ایک بار امام محمد بن احمد شرطیؒ نے امام طحاویؒ سے دریافت کیا کہ آپ نے اپنے ماموں (امام مزنی، جو امام شافعیؒ کے بڑے تلامذہ سے ہیں) کے خلاف ابوحنیفہؒ کا مذہب کیوں اختیار کیا تو امام طحاویؒ نے فرمایا :

''میں نے اپنے ماموں (امام مزنیؒ) کو دیکھا ہے کہ وہ ہمیشہ امام ابوحنیفہؒ کی کتابوں کا مطالعہ کیا کرتے ہیں۔ لہٰذا میں نے بھی ان کے مذہب کو اختیار کرلیا''۔

(وفیات الاعیان)

کتاب الآثار کے شروح وتعلیقات اور مختصرات :

حدیث کی دوسری کتابوں کی طرح کتاب الآثار کی بھی علمی خدمت کی گئی ہے۔ چنانچہ امام ابوحنیفہؒ کے ہر استاد کی مرویات کو یکجا کر کے اس کو مسند ابوحنیفہؒ کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ چنانچہ شاہ عبدالعزیزؒ لکھتے ہیں

پس نسبت ایں مسند بحضرت امام اعظم ازیں باب است کہ مثلاً مسند ابی بکر را از

مسند احمد بحضرت ابی بکر نمائیم۔ (بستان المحدثین ص ۷۸)

اس مسند کو حضرت امام اعظمؒ کی طرف نسبت کرنا ایسا ہی ہے جیسا کہ ہم مسند ابو بکر کو جو حضرت امام احمد کا ترتیب دادہ ہے حضرت ابو بکرؓ کی طرف نسبت کریں۔

ابوزہرہؒ نے امام ابوحنیفہؒ کے مسانید کی تعداد بالتفصیل پندرہ (۱۵) بتائی ہے۔

مشہور عارف علامہ عبدالوہاب شعرانیؒ نے مسانید امام اعظم کے مطالعہ کے بعد ارشاد فرمایا کہ :

اذ کل حدیث وجدناہ فی مسانید الامام الثلاثہ فھو صحیح۔

(المیزان الکبریٰ ج ۱ ص ۶۸)

امام اعظم ابوحنیفہؒ کے مسانید سہ گانہ کی ہر حدیث ہمارے نزدیک صحیح ہے۔

مسانید امام اعظمؒ پر مختلف حضرات نے کام کیا، علامہ صدر الدین موسیٰ (متوفی ۶۵۰ ھ) نے ترتیب شیوخ اور علامہ مندی نے انہیں سنن اور ابوابِ فقہ کی طرز پر مرتب کیا۔ مسانید امامِ اعظمؒ کے شروح میں حافظ زین الدین قاسم کی ضخیم شرح، حافظ جلال الدین السیوطیؒ کی شرح ''التعلیقہ المنیفة علیٰ مسند ابی حنیفہ''۔

شرح ملا علی قاریؒ اور تنسیق النظام از ابوالحسن اسرائیلی سنبھلی زیادہ مشہور ہیں۔

جامع المسانید :

امام ابوالمؤید محمد بن محمود خوارزمی (متوفی ۶۶۵ ھ) نے تمام مسانید کو ایک بڑی ضخیم کتاب جامع المسانید کے نام سے یکجا جمع کر کے ملت حنفیہ پر بہت بڑا احسان کیا۔ خوارزمیؒ نے جامع المسانید کو فقہی ابواب پر مرتب فرمایا ہے۔ اپنی کتاب کے مقدمہ میں تحریر فرماتے ہیں :

''میں نے شام میں بعض جاہلوں سے امام ابوحنیفہؒ کی حدیثوں کی مقدار کے

بارے میں ایسی حقیر مقدار کا ذکر سنا جس سے امام ابوحنیفہؒ کی تحقیر و تنقیص ہوتی تھی اور اس بنا پر وہ امام صاحب کی طرف قلتِ حدیث کو منسوب کرتے تھے اور اس قلتِ حدیث کی دلیل میں وہ مسند شافعیؒ اور موطا مالکؒ کو پیش کرتے تھے اور دعویٰ کرتے تھے کہ امام ابوحنیفہؒ کی کوئی ایسی مسند یا حدیث کی کتاب نہیں ہے، وہ تو صرف چند حدیثیں ہی روایت کرتے تھے۔ اس پر دینی غیرت وحمیّت دامن گیر ہوئی تو میں نے فیصلہ کرلیا بڑے بڑے علماءِ حدیث نے امام ابوحنیفہؒ کی لکھائی ہوئی حدیثیں جو پندرہ مسندوں میں جمع ہیں، ان کو یک جا کردوں۔ (السنته و مکانتها فی التشرایع الاسلامی)

علاوہ ازیں متعدد جلیل القدر محدثین امام شرف الدین اسماعیل بن عیسیٰ المکی، ابوالبقاء احمد بن الضیا محمد القرشی، حافظ الدین محمد بن محمد الکردری، عمر بن احمد الشجاع وغیرہم نے "جامع المسانید" کے مختلف ناموں سے اختصارات کرکے احادیث ابی حنیفہؒ کی عظیم الشان خدمت انجام دی ہے۔ بہر حال ماننے والوں نے تو مانا اور خوب مانا، نہ ماننے والوں کے لئے آج بھی چیلنج ہے اور ان شاء اللہ جب بھی میدانِ تحقیق میں قدم رکھا جائے گا تو امام صاحبؒ کی صرف املائی کتابوں میں ستر ہزار سے زیادہ حدیثیں موتیوں کی طرح بکھری پڑی نظر آئیں گی۔

علی بن جعد جوہری جو حدیث کے بہت بڑے حافظ، امام بخاریؒ اور امام ابوداؤد کے استاد ہیں سے نقل کیا گیا ہے۔

قال علی بن الجعد ابو حنیفه اذا جاء بالحدیث جاء به مثل الدرّ۔

(جامع المسانید ج۲ ص۳۰۸)

ابوحنیفہؒ جب بھی حدیث پیش کرتے ہیں تو وہ موتی کی طرح آبدار ہوتی ہے۔

رفع اشکال :

امام اعظم ... نیفہؒ اپنے معاصر محدثین او ... میں حاکم (جو حضورِ اقدس

صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام احادیث پر متناً وسنداً مکمل دسترس رکھتا ہو) مانے جاتے تھے اور وہ آپ کو علم حدیث کا شہنشاہ تسلیم کرتے تھے، مگر بظاہر یہ اشکال وارد ہوتا ہے اور عموماً وارد کیا جاتا ہے کہ امام بخاریؒ نے تو اپنی صحیح کا انتخاب چھ لاکھ احادیث سے کیا ہے، جبکہ امام ابوحنیفہؒ صرف ۷۰ ہزار احادیث سے ۴۰ ہزار احادیث کا انتخاب کر کے ''کتاب الآثار'' لکھتے ہیں، تو یہاں دونوں کے درمیان تقابل کی صورت میں جو نتیجہ نکلتا ہے وہی معترضین کا سب سے بڑا ہتھیار ہے جس سے امام ابوحنیفہؒ کی شخصیت کو مجروح کیا جاتا ہے۔

ایسا اشکال اور اعتراض تو وہی لوگ کر سکتے ہیں جنہیں علم حدیث سے دور کا واسطہ بھی نہ ہو، حالانکہ علم حدیث کا مبتدی طالب علم بھی جانتا ہے کہ احادیث کی قلت اور کثرت درحقیقت طرق اور اسانید کی قلت اور کثرت سے عبارت ہے۔ محدثین کی اصطلاح میں سند اور سند کے کسی راوی کے بدلنے سے حدیث کی گنتی اور تعداد بدل جاتی ہے، جب کہ نفسِ حدیث کی تعداد چار ہزار چار سو سے زائد نہیں ہے۔

احادیث صحیحہ کی تعداد :

امام ابوجعفر محمد بن الحسین البغدادیؒ نے کتاب التمیز میں امام سفیان ثوریؒ، امام شعبہؒ، امام یحییٰؒ، امام عبدالرحمٰن بن مہدیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کا متفقہ فیصلہ نقل کیا ہے۔

ان جملة الاحاديث المسنده عن النبی صلی اللہ علیه وسلم یعنی الصحیحه بلاتکرار اربعة الافِ و اربع مائة۔ (توضیح الافکار ص ۶۳)

بلاشبہ وہ تمام مسند احادیث صحیحہ جو بلا تکرار حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہیں ان کی تعداد چار ہزار چار سو ہے۔

چنانچہ اربابِ صحاح نے بھی مذکورہ تعداد کے قریب قریب اپنی کتابوں میں احادیث کی تخریج کی ہے۔ چنانچہ حافظ عراقی نے صحیح بخاری کے مکررات نکال کر احادیث کی

تعداد چار ہزار بتائی ہے۔ (تنقیح الافکار ج اص ۵۶)

امام نوویؒ نے بھی صحیح مسلم کی روایات کی تعداد بتاتے ہوئے لکھا ہے کہ و مسلم باسقاط المکرر نحو اربعة آلاف۔ (التقریب ص ۵۱)

امام زرکشی نے سنن ابی داؤد کی احادیث کی تعداد چار ہزار آٹھ سو گنوائی ہے۔ (توضیح الافکار ص ۶۱)

ابن ماجہ کے متعلق بھی علامہ ابوالحسن بن قسطان فرماتے ہیں:

عدته اربعة الاف حديث۔ (ایضاً ج اص ۶۲)

اسی پر دوسرے کتب حدیث قیاس کئے جاسکتے ہیں۔

بہرحال امام ابوحنیفہؒ کا سنِ ولادت ۸۰ھ اور امامِ بخاریؒ کا سنِ ولادت ۱۹۴ھ ہے۔ دونوں کے درمیان ۱۱۴ سال کے طویل عرصہ میں ایک حدیث کو سینکڑوں بلکہ ہزاروں اشخاص نے روایت کیا ہوگا تو دونوں کے درمیان چھ لاکھ اور ۷۰ ہزار کا جو فرق ہے وہ دراصل اسانید کی تعداد کا فرق ہے۔

☆☆☆

باب : ۷

دستورِ اسلامی (فقہ حنفی) کی تدوین لاء کونسل (دستوری کمیٹی) اور کتبِ فقہ ابی حنیفہؒ

پس منظر :

امامِ اعظم ابوحنیفہؒ کے زمانہ سے قبل جلیل القدر تابعین حضرت علقمہؒ حضرت اسودؒ حضرت حمادؒ حضرت ابراہیم نخعی وغیرھم اور حضرات صحابہؓ میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عائشہؓ، حضرت زید بن ثابتؓ اور حضرت ابنِ عمرؓ وغیرہ رضی اللہ عنہم کے ہاں علمِ حدیث کی طرح فقہی مسائل کے استخراج و استنباط اور اجتہاد کو بھی اہمیت حاصل تھی اور فقہ واجتہاد کے بہت سے مسائل اور احکام مدوّن بھی ہو چکے تھے، مگر یہ کوئی باقاعدہ اور منظم تدوین نہ تھی اور نہ اسے ایک مستقل فن کی حیثیت حاصل تھی اور نہ ابھی تک استدلال و استنباطِ مسائل کے قواعد مقرر ہوئے تھے اور نہ ایسے اُصول اور ضابطے منضبط ہوئے تھے جن کی روشنی میں باقاعدہ احکام کی تفریع کی جاتی۔

تدوینِ فقہ کی انگیخت :

فقہ جو اپنے وسیع اور ہمہ گیر نظام اور جامع فن ہونے کی وجہ سے جزئیات مسائل پر

حاوی ہے۔ باقاعدہ طور ایک دستور اور قانون کے رتبہ تک پہنچانے کے لئے ابھی بہت سے مرحلے باقی تھے۔ ہجرت کا ایک سو بیسواں سال تھا۔ امام ابوحنیفہؒ کے استاد حمادؒ بھی وفات پا چکے تھے۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ جب تمدن میں وسعت کی وجہ سے عبادات و معاملات میں کثرتِ مسائل کے واقعات پیش آنے لگے۔ تعلیم و تعلم میں ترقی اور تنوع، تجارت کا فروغ، ملکی تعلقات اور بین الاقوامی مسائل و معاملات میں بے انتہا وسعتوں کے پیشِ نظر دور دراز کے اطراف و بلاد سے روزانہ سینکڑوں استفتاء امام اعظم ابوحنیفہ کے پاس آنے لگے، یہ کام تن تنہا ایک شخص کا کام نہیں ہوسکتا تھا اور نہ ایک شخص اس کی ذمہ داری قبول کرسکتا تھا اور پھر یہ بھی ہوا کہ بارہا آپ نے سرکاری قاضیوں اور حکام کو شرعی قضایا فیصلوں اور احکام میں غلطیاں کرتے دیکھا۔

(جیسا کہ ابن المقفع نے خلیفہ ابوجعفر منصور کو اپنے ایک خط میں لکھا ہے کہ :

"عدالتوں میں بدنظمی چھائی ہوئی ہے، اس میں کسی مشہور قانون کی طرف رجوع نہیں کیا جاتا بلکہ ان فیصلوں کا دارومدار قاضیوں کے اپنے اجتہاد پر ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ایک ہی سانس میں متضاد احکام صادر ہوتے رہتے ہیں۔ چنانچہ ایک قاضی کے حکم کے مطابق اگر کوفہ کی ایک عدالت میں بعض لوگوں کے جان و مال اور عصمت کے خلاف فیصلہ دیا جاتا ہے تو دوسرے علاقہ میں دوسرے قاضی کے فیصلہ کے مطابق اس کی حمایت میں فیصلہ صادر ہوتا ہے"۔ (فقہ الاسلام)

چنانچہ ایسے حالات کے پیشِ نظر آپ کے دل میں داعیہ پیدا ہوا کہ احکام و مسائل کے کثیر اور وسیع جزئیات کو اُصولوں کے ساتھ ترتیب دے کر ایک فن بنا دیا جائے اور قیامت تک آنے والی نسلوں کے لئے ایک ایسا دستور العمل مرتب کر دینا چاہیے جس میں تمام چیزوں کی رعایت ہو اور یہ اسلامی قانون کی مکمل تدوین اور اُصولوں کے تعین کے

بغیر بہتر نہیں ہو سکتا تھا۔

چنانچہ امامِ اعظم ابوحنیفہؒ کی مجتہدانہ طبیعت اور متفقنانہ مزاج نے ان کو خود اس فن کی با قاعدہ ترتیب اور تدوین پر آمادہ کر لیا۔

اہلِ علم کو احساسِ ذمہ داری کی تلقین :

حجاز کے قیام اور تجربات نے امام صاحبؒ کے اس عزم میں مزید پختگی پیدا کر دی تھی۔ چونکہ قرآن وسنت اور آثارِ صحابہؓ کو پیشِ نظر رکھ کر با قاعدہ کوئی مدوّن قانون موجود نہ تھا۔ اس لئے دریافتِ مسئلہ یا قضاء کے وقت تمام پہلوؤں پر غور وفکر کا فقیہوں اور قاضیوں کو موقعہ کم ملتا تھا، جس کی وجہ سے بڑے بڑوں سے غلطیاں واقع ہو جاتی تھیں۔

چنانچہ بصرہ کے مشہور امام قتادہؒ، امام اعظم ابوحنیفہؒ کی فقہی اور علمی عظمت کی شہرت سن کر کوفہ میں امام صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے مجلس میں کسی مسئلہ کا ذکر چھڑا۔ امام ابوحنیفہؒ نے اس کے تمام پہلوؤں اور دقتوں کو واضح کیا۔ امام قتادہؒ نے دیکھا تو عرض کیا، ایسی کوئی صورت پیش آئی بھی ہے یا فرضی تقریر کر رہے ہو؟

امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا :

> ''علم والوں کو چاہئے کہ جن باتوں میں لوگوں کو مبتلا ہونے کا امکان ہے ،ان کے حل کے لئے وہ پہلے سے آمادہ ہو جائیں، واقع ہونے سے پہلے ان کے بچنے کی جو صورتیں ہیں، ان کو سوچ لینا چاہئے اور خدانخواستہ اگر واقع ہو جائے تو اس وقت ایسی کوئی چیز نہ ہونی چاہئے، جس سے لوگ پہلے سے واقف نہ ہوں بلکہ معلوم ہونا چاہئے کہ ایسے مسائل میں ابتلاء کے وقت شرعاً کیا کرنا چاہئے اور مبتلا بہ کے لئے شریعت نے خلاصی کی کیا صورت بنائی ہے''۔ (موفق ج ۱ ص ۱۶۰)

امام اعظم ابوحنیفہؒ کے اس جواب سے ان کے فطری رجحان اور تدوین فقہ کی طرف طبعی میلان کا بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے۔

دستوری کمیٹی کی تشکیل :

ظاہر ہے کہ اسلامی قانون کی تدوین اور دستوری حیثیت میں اس کی ترتیب جس قدر ضروری اور اہمیت کی حامل تھی، مگر اسی قدر وسیع اور پُر خطر اور حد درجہ حزم و احتیاط کا کام تھا۔ اتنے بڑے اہم اور وسیع کام کو تنِ تنہا فردِ واحد کے انجام دینے کے بس کی بات نہ تھی۔ اس میں دسیوں شبہات، زلات، اور لغزشوں کا احتمال تھا۔ چنانچہ امام اعظم ابوحنیفہؒ نے اسلام کے شورائی نظام کے تحت شریعتِ اسلامی کو باضابطہ قانون کے قالب میں ڈھالنے کے لئے وضع قوانین کی ایک دستوری کمیٹی (مجلس شوریٰ یا لاء کونسل) قائم کی اور کمیٹی کے باقاعدہ کام کرنے کے لئے بطورِ صدر مقام کوفہ کو منتخب کیا جو اس وقت مختلف عربی و عجمی تہذیبوں کا سنگم تھا۔ علماء کا مرکز تھا۔ فقہا کا شہر تھا، ان سے پیدا شدہ مسائل وضروریات اور حوائج اُبھر اُبھر کر سامنے آتے جن کو نظر انداز کر دیا جاتا تو اسلامی دستور کی تدوین نامکمل رہتی۔ امام اعظم ابوحنیفہؒ جس عظیم کام کا بیڑہ اُٹھا چکے تھے، کوفہ ہر لحاظ سے اس کے لئے موزوں تھا، جہاں باقاعدہ آپ کی منتخب کردہ مجلس شوریٰ (دستوری کمیٹی) نے کام شروع کر دیا۔

فوضع ابو حنیفه مذهب شوریٰ بینهم لم یستبد فیه بنفسه دونهم۔

(الجواهر المضیئة ج: ص۱۴)

امام ابوحنیفہؒ نے اپنے مسلک کو مشورہ پر رکھا، اور مجلسِ شوریٰ سے کٹ کر فقہ کو صرف اپنی ذات پر موقوف نہیں رکھا۔

شرکائے تدوین :

امام اعظم ابوحنیفہؒ نے دستور اسلامی کی تدوینی کمیٹی (لاء کونسل) میں کن کن

اشخاص کو لیا تھا اور وہ کیسی صلاحیتوں کے مالک تھے اور ان کی تعداد کتنی تھی۔ ابوحنیفہؒ کے تذکرہ نگاروں، فقہ اسلامی کے ماہرین اور تاریخ کے ثقہ راویوں نے ان کی مجموعی تعداد چالیس بتائی ہے۔ امام طحاوی نے اسد بن فرات کی روایت سے بسند متصل بتایا ہے کہ ابوحنیفہؒ کے تلامذہ جنہوں نے فقہ کی تدوین کی اور دستوری کمیٹی کے رُکن منتخب کئے گئے، چالیس تھے، اور ان میں سے ہر ایک فقہی مسائل کے استنباط واجتہاد میں درجۂ اجتہاد کو پہنچا ہوا تھا۔ امام اعظم ابوحنیفہؒ نے تدوینِ فقہ کے کام کو مکمل کرنے پر ایک مرتبہ کمیٹی کے ارکان سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

''تم سب میں سے چالیس آدمی ایسے ہیں کہ ان میں سے ہر ایک عہدۂ قضا کی ذمہ داریاں سنبھالنے کی پوری صلاحیت رکھتا ہے اور ان میں سے دس آدمی ایسے ہیں جو صرف قاضی نہیں بلکہ ان کے معلم بھی بن سکتے ہیں''۔ (معجم المصنفین ج ۲ ص ۵۵)

نیز تکمیلِ فقہ اور تدوینِ قانون کے لئے جس قدر علوم وفنون کی ضرورت تھی، امام ابوحنیفہؒ نے اس کمیٹی کی تشکیل میں ان کے ماہرین جو اس خاص فن میں استاد مانے جاتے تھے کو منتخب کیا تھا۔

مثلاً امام محمدؒ کو عربیت اور علم ادب میں خاص کمال حاصل تھا۔ قاسم بن معین بھی علمِ ادب میں مسلّم استاد تھے۔ استخراج واستنباطِ مسائل میں امام زفر اپنی نظیر آپ تھے۔ قاضی ابویوسفؒ، داؤد الطائیؒ، یحییٰ بن ابی زائدہؒ، عبداللہ بن مبارکؒ اور حفص بن غیاثؒ کو روایات اور حدیث وآثار میں خاص کمال اور امتیاز حاصل تھا اور وہ اس میں زمانہ کے مسلّم اساتذہ تسلیم کئے جاتے تھے۔ چالیس افراد کی اس دستوری کمیٹی کے علاوہ ۱۲ افراد پر مشتمل ایک دوسری مجلس شوریٰ تھی جو فیصلے کو آخری شکل دیتی اور حتمی نتائج پر پہنچتی تھی۔ اس کمیٹی میں عبداللہ بن مبارکؒ، امام ابویوسفؒ، امام زفرؒ، یوسف بن خالدؒ اور خود امام ابوحنیفہؒ تھے۔

امامِ اعظم ابوحنیفہؒ کی قائم کردہ مجلس شوریٰ (دستوری کمیٹی) کے ارکان کی

عظمت اور علمی جلالتِ قدر کا اندازہ مشہور محدث حضرت وکیعؒ کے اس بیان سے لگایا جا سکتا ہے کہ جب ایک شخص نے ان کے سامنے کہا کہ :

''ابوحنیفہؒ سے فلاں مسئلہ میں غلطی ہوگئی ہے''۔ تو وکیع پھڑک اُٹھے اور فرمایا :

''ابوحنیفہؒ کیونکر غلطی کر سکتے ہیں جب کہ ان کے ہمراہ بحث و تحقیق کے شرکاء قاضی ابو یوسفؒ جیسے ''قیاس'' میں یدِ طولیٰ رکھنے والے اور یحییٰ بن ابی زائدہ، حفص بن غیاث حبانؒ اور مندل جیسے ''حفّاظ حدیث'' قاسم بن معن جیسے عربی زبان اور علوم عربیت کے ماہر داؤد طائیؒ اور فضل بن عیاض جیسے زہد و تقویٰ میں شہرۂ آفاق حضرات موجود ہوتے ہیں، جس شخص کے ایسے ہم نشین ہوں وہ کبھی غلطی نہیں کر سکتا، کیونکہ اگر اس سے کبھی غلطی سرزد بھی ہو تو یہ حضرات فوراً ٹوک دیں گے''۔ (جامع المسانید ص:۳۱)

وکیع کے اس بیان سے جہاں تدوینِ فقہ کی دستوری کمیٹی کے افراد کی علمی جلالتِ قدر سامنے آتی ہے اور بحث و تحقیق کا طریقِ کار معلوم ہوتا ہے، وہاں یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کو جیسے جلیل القدر رفقاء میسر آئے، خالص علمی ماحول اور حضراتِ صحابہؓ سے قریب کا زمانہ حاصل ہوا۔ اسلامی تعلیمات میں خود ان کو جس قدر اعلیٰ درجہ کا فہم و بصیرت اور اجتہاد میں جو فوق العادت بصیرت نصیب ہوئی کہ اپنے پرائے سب اس کے فضل و تقدم کا اعتراف کرتے ہیں اور ایسے عظیم اور اُمت کی محسن شخصیت پر ظالمانہ حملے ان کی شان میں گستاخی، زبان درازی اور بے جا طعن و تشنیع کا محمل، بغض و عداوت اور نری دشمنی کے سوا اور کیا کچھ قرار دیا جا سکتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ امام ابوحنیفہؒ کی سرپرستی و رہنمائی میں اکابر علماء، فقہاء اور اپنے زمانہ کے مسلّم اساتذۂ فن و مجتہدین نے کم و بیش تیس سال تک تدوینِ فقہ یا اسلامی دستور کی ترتیب و تشکیل میں صرف کیے، یعنی ۱۲۱ سے ۱۵۰ھ تک یہ کام جاری رہا، جو امام ابوحنیفہؒ اور

آپ کے اصحاب کا ایک لازوال کارنامہ ہے، جس کی نظیر اسلام تو اسلام شاید غیر اسلامی تاریخوں میں بھی مشکل سے مل سکے۔

ابوحنیفہؒ کی تدوینِ فقہ تمام ائمہ کے لئے نمونہ بنی :

امامِ اعظم ابوحنیفہؒ کی رہنمائی میں تدوین یعنی آئینِ شریعت کی باضابطہ تشکیل و ترتیب کا اُمت میں یہ پہلا قدم تھا، اس لئے اوّلاً اسے اوپری نظروں سے دیکھا جانے لگا، مگر شدہ شدہ دیگر ائمہ عظام نے بھی اس کی ضرورت محسوس کی۔ حتیٰ کہ کوئی امام ایسا باقی نہ رہا جس کی ابوحنیفہؒ کے طریقہ پر فقہ مرتب ہوکر نہ آ گئی ہو۔ گویا امامِ اعظم ابوحنیفہؒ کو تدوینِ فقہ اور اسلامی دستور کی تشکیل میں سبّاق الغایات کا مقام حاصل ہے۔

تدوینِ دستور کا طریقِ کار :

مگر تمام ائمہ کے فقہی ذخیروں میں صرف فقہ حنفی کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ وہ کسی شخصی رائے پر مبنی نہیں بلکہ چالیس علماء کی جماعتِ شوریٰ (لاء کونسل) کی ترتیب دادہ ہے۔

موفق مکی کے بیان کے مطابق امام ابوحنیفہؒ کا مسلک ''شورائی مسلک ہے''۔

(مقدمۂ زیلعی از علامہ کوثری)

اسد بن عمرو کا بیان ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کی خدمت میں پہلے ایک مسئلہ کی مختلف صورتیں اور مختلف جوابات پیش کئے جاتے، پھر جو اس کا سب سے زیادہ تحقیقی جواب ہوتا آپ ارشاد فرماتے، اس طرح ایک ایک مسئلہ تین تین دن تک زیرِ بحث رہتا۔ اس کے بعد کہیں وہ لکھا جاتا تھا۔

اسد بن ابی العوامؒ اپنی مسند سے جو اسد بن الفرات تک پہنچی ہے، یہ بھی نقل کرتے ہیں کہ :

''زیر بحث مسئلہ میں امام ابوحنیفہؒ کے رفقاء (دستوری کمیٹی کے ارکان) کے جوابات مختلف ہوتے، چنانچہ ایک کا جواب یہ ہوتا، دوسرے کا جواب وہ ہوتا، پھر وہ مسئلہ امام ابوحنیفہؒ کے سامنے پیش کیا جاتا اور ان کی رائے دریافت کی جاتی، تو عموماً امام صاحب کا جواب قریب ہی قریب ہوتا، تو پھر ان جوابات پر بحث ہوتی، جو تین روز تک جاری رہتی، آخر میں جو جواب منقح ہو جاتا، اس کو مسائلِ فقہ حنفی کے رجسٹر میں درج کر دیا جاتا تھا''۔ (مقدمہ زیلعی از علامہ کوثری)

حمیریؒ کا بیان ہے، امام ابوحنیفہؒ کے تلامذہ امام صاحبؒ کے ساتھ دستوری کمیٹی کے اجلاسوں میں مختلف مسائل میں بحث و تمحیص کرتے، اگر اس وقت قاضی عافیہ بن یزید موجود نہ ہوتے تو امام ابوحنیفہؒ فرماتے، ان کے آنے تک مسئلہ کا فیصلہ ملتوی رکھو، جب وہ تشریف لے آتے''۔ اور وہ بھی دوسروں کی رائے سے اتفاق کر لیتے، تب امام صاحبؒ فرماتے، اس کو دیکھ لو جب تک مسئلہ تحقیق و تفتیش کے یہ مراحل طے نہ کر لیتا آپ اس کو لکھنے سے منع کرتے۔ (ایضاً)

امام صاحبؒ نے اپنے تلامذہ اور دستوری کمیٹی کے اکابر علماء پر اپنے مسائل اور اپنی ہی رائے تسلیم کرنے کے متعلق کبھی جبر نہیں کیا، بلکہ ہمیشہ اس کی پوری آزادی دی کہ کمیٹی کے ارکان بہت خوشی سے اپنی اپنی رائے پیش کریں، پھر اس پر خوب غور و خوض اور جرح و قدح ہو، اس کے بعد اگر سمجھ میں آ جائے تو قبول کر لیا جائے

آزادیٔ رائے کے اس دائرہ میں امام ابوحنیفہؒ نے شرکائے مجلس کو کتنی وسعت دے رکھی تھی، اس کا اندازہ اس واقعہ سے ہو سکتا ہے، جس کو امام صاحبؒ کے مختلف سوانح نگاروں نے نقل کیا ہے۔ الجرجانیؒ فرماتے ہیں کہ :

''میں امام ابوحنیفہؒ کی فقہی مجلس (لا، کونسل) میں حاضر تھا، تو ایک نوجوان جو اس حلقہ میں بیٹھا ہوا تھا، امام صاحبؒ سے اس نے کوئی سوال کیا تھا، جس کا آپ نے جواب دیا لیکن اس جوان کو میں نے دیکھا کہ وہ امام ابوحنیفہؒ کا جواب سننے کے ساتھ ساتھ بے تحاشا امام صاحبؒ کو مخاطب کر کے اخطأت (آپ نے غلطی کی) کہے جارہا ہے''۔

جرجانیؒ کہتے ہیں کہ جوان کے اس طرز گفتگو کو دیکھ کر میں حیران رہ گیا، میں نے جملہ شرکائے مجلس سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ :

''بڑے تعجب کی بات ہے کہ استاد (شیخ) کے احترام کا تم لوگ بالکل لحاظ نہیں کرتے''۔

میں ابھی اپنی بات مکمل نہ کر پایا تھا کہ امام ابوحنیفہؒ نے از خود ارشاد فرمایا:

دَعْهُم فانّی قد عودتُهم ذلک منْ نَفْسِی۔ (معجم المصنفین ص ۴۰۱)

تم ان لوگوں کو چھوڑ دو میں نے خود ہی اس طرز کلام کا ان کو عادی بنا دیا ہے۔

اور کبھی کبھی ایک ایک مسئلہ پر بحث کرتے کرتے مہینے گذر جاتے، امام صاحبؒ خاموش رہتے، ارکان کی تقاریر، دلائل اور ترجیحات سنتے اور گاہے گاہے دوران بحث یہ آیت پڑھ دیتے :

فبشّرْ عِبَادِیَ الّذِیْنَ یستمِعُوْنَ الْقَوْلَ وَ یَتّبعُوْنَ احسنه ۔

(الآیة)

آپ میرے ان بندوں کو بشارت دے دیں جو بات سنتے ہیں اور قول

حسن کا اتباع کرتے ہیں"۔

کُتبِ فقہ ابوحنیفہؒ :

خلاصہ یہ کہ امام ابوحنیفہؒ کی قائم کردہ دستوری کمیٹی نے تیس (۳۰) سال تک مسلسل کام کیا اور قانونِ اسلامی کی تدوین کی، جس کی مدوّنہ کتابیں کتبِ فقہ ابی حنیفہؒ کے نام سے مشہور ہوئیں۔ اس مجموعے میں ۸۳ ہزار دفعات تھیں اور امامِ اعظم ابوحنیفہؒ کو کوفہ سے بغداد جیل میں منتقل کیا گیا، تب بھی تدوینِ فقہ کا سلسلہ برابر جاری رہا۔ امام محمدؒ کا تعلق ابوحنیفہؒ سے یہیں سے قائم ہوا۔ اضافہ کے بعد اس دستوری خاکہ میں کل مسائل کی تعداد پچاس (۵۰) لاکھ تک پہنچ گئی۔ (جامع المسانید ص:۳۵)

چنانچہ کتبِ فقہ ابی حنیفہؒ کو چہار دانگ عالم میں شہرت اور مقبولیت حاصل ہوئی اور اس کے نسخے عدالتوں اور مختلف حکومتوں نے حاصل کئے۔ اسلامی حکومتوں نے سرکاری طور پر ان نسخوں کو اپنی عدالتوں کے قضاۃ کے ہاں رکھوالیا۔ وقت کے علماء، قضاۃ اور والیان ریاست ان سے مستفید ہوتے رہے، یحییٰ بن آدمؒ فرماتے ہیں :

قضٰی به الخلفاء والائمة والحکام و استقر علیه الامر۔

(موفق ج۲ص۴۷)

خلفاء، حکام اور ائمہ، امام ابوحنیفہؒ کے مدوّن کردہ فقہ کے مطابق فیصلہ کیا کرتے تھے، بالآخر اسی پر عمل ہونے لگا۔

دستورِ اسلامی کی تدوین، کتبِ فقہ ابی حنیفہؒ کے نام سے جن کتابوں میں ہوئی ہے اس کی تفصیل درج ذیل ہے۔

۱ کتبِ ظاہر الروایۃ، اس میں چھ کتابیں شمار کی جاتی ہیں۔

(۱) جامع صغیر، جسے امام محمدؒ نے امام ابو یوسفؒ کی روایت سے مرتب کیا ہے اور اس کی چالیس شروحات لکھی گئی ہیں۔ (الجواہر المضیۃ ج ۲ص:۴۴۹)

(۲) جامع کبیر، جامع صغیر سے اس کے مسائل کی تعداد زیادہ ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کے اقوال کے علاوہ اس میں امام ابو یوسفؒ اور امام زفرؒ کے اقوال بھی موجود ہیں۔ یہ بھی امام محمدؒ کی تصنیف ہے، جسے ایک نصرانی نے پڑھا تو مسلمان ہو گیا اور کہا جب مسلمانوں کے چھوٹے محمدؒ کا یہ حال ہے تو بڑے محمد ﷺ کیا حال ہوگا۔

(۳) مبسوط، امامِ محمدؒ کی پہلی تصنیف اور اصل کے نام سے مشہور ہے۔

(۴) زیادات، ان مسائل کا مجموعہ ہے جو جامع صغیر اور جامع کبیر میں درج نہ ہو سکے۔

(۵) السیر الصغیر، حکومت و سیاست اور جہاد کے مسائل پر مشتمل ہے۔

السیر الکبیر، یہ کتاب امامِ محمدؒ کی سب سے آخری کتاب ہے۔ (امام محمدؒ کے حالات میں لکھا ہے کہ آپ نے دس رومی (یورپین) عورتوں کو جو شرعی کنیز ہونے کی حیثیت رکھتی تھیں، عربی زبان اور کتابت و تحریر کی تعلیم دی تھی جو تدوین و ترتیب کے کام میں امام محمدؒ کا ہاتھ بٹاتی تھیں۔ کردری ج ۲ص ۱۶۳)

امام ابوالفضل محمد بن احمد مروزیؒ جو حاکم شہید کے لقب سے مشہور ہیں، نے ظاہر الروایۃ کی تمام کتابوں کے مسائل پر مشتمل ''کافی'' کے نام سے ایک کتاب لکھی، امام سرخسی نے ۳۰ جلدوں پر مشتمل اس کی شرح لکھی، جو مبسوط کے نام سے مشہور ہے۔

۲۔ کتب نوادر، مندرجہ بالا کتب ظاہر الروایۃ کے علاوہ امام محمدؒ کی دیگر فقہی تصنیفات کو نوادرات کہتے ہیں جو کیسانیات، جرجانیات، ہارونیات، امالی امام محمد اور نوادر ابن رستم وغیرہ کو شامل ہیں۔ اس کے علاوہ حدیث و فقہ میں امام محمدؒ اور امام ابو یوسفؒ کی جس قدر بھی دوسری کتب ہیں، مثلاً کتاب الآثار ہے۔ کتاب الحج، اختلاف ابی حنیفہ، و ابن ابی لیلیٰ ہے۔ الرد علی سیر الاوزاعی ہے۔ امام محمدؒ کی موطا اور امام ابو یوسفؒ کی کتاب الآثار ہے سب

پر نوادرات کا اطلاق ہوتا ہے۔

اسلامی دستور کی تشکیل اور نت نئے پیش آمدہ معاملات، مسائل اور جزئیات حنفی فقہ کی روشنی میں ائمہ فقہ حنفیہ، اکابر علماء اور فقہاء حل کرتے رہے اور آئینی اور دستوری توسیع کا سلسلہ جاری رہا اور مسلمانوں کو کرۂ ارض کے بڑے حصہ پر تقریباً ایک ہزار سال تک حکمرانی کے جو مواقع ملے تو ان کی حکمرانیاں الحمدللہ اصلاً یا ضمناً زیادہ تر ابوحنیفہؒ کے مدوّن کردہ آئین و دستور کی پابند رہیں۔

الحمدللہ کہ قانون سازی اور آئین طرازی کے سلسلہ میں مسلمانوں نے جو کام کیا ہے، دعوے کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ موجودہ زمانے کی قانونی اور جمہوری حکومتوں کی آئینی خدمات اور دساتیر'' مسلمانوں کی آئینی خدمات و دساتیر سے کماً و کیفاً بہت پیچھے ہیں۔ اس سلسلہ میں اہلِ اسلام بالخصوص حضراتِ احناف کے پاس فقہ و اُصولِ فقہ کے نام سے کتب خانوں میں جو سرمایہ موجود ہے، دنیا کی کوئی قوم اتنا بڑا قانونی سرمایہ نہ پہلے پیش کر سکی اور نہ آئندہ پیش کر سکتی ہے، سینکڑوں متون، ہزاروں شروح وحواشی کے سوا، وقائع و نوازل اور حوادث وفتاویٰ کی حیثیت وہی ہے، جو آج کل عدالتوں میں نظائر کی ہے بلکہ نظائر کی ترتیب وتدوین کا تصور بھی دنیا نے مسلمانوں کی کتابوں کو دیکھ کر اپنایا۔ بعض کتابیں پچاس پچاس، ساٹھ ساٹھ بلکہ اسّی اسّی، سو سو، ضخیم جلدوں پر مشتمل ہیں۔ مبسوطات، حاویات یا محیط کے نام سے جو فقہی انسائیکلوپیڈیا، مختلف اداروں میں مدوّن ہوتی رہیں، کیا دنیا کی کوئی قوم ایسی قانونی کتابوں کی مثال پیش کر سکتی ہے۔

بہرحال آج تک کی ساری قانونی اور فقہی سرگرمیوں کا سرچشمہ ابوحنیفہؒ کی ذات بابرکات تھی، جس کی کاوش کے صدقے قیامت تک اسلام کا آئینی خاکہ دنیائے انسانیت

کی آئینی زندگی کا سنگِ میل ہے جو بھی چلا ہے اسی راہ سے چلا ہے اور جو بھی چلے گا اسی راہ سے چلے گا۔

مذاہب ثلاثہ کی ترویج، فقہ حنفی کی مرہونِ منت ہے :

یہ مقام اس کا متحمل نہیں۔ تفصیل کی گنجائش بھی نہیں ہے، ورنہ یہ ثابت کر دیا جاتا کہ اگر حنفی مکتب فکر نے فقہی تدوین کی راہیں نہ کھولی ہوتیں تو آج دیگر مذاہب ثلاثہ کی ترویج کی صورتیں بھی موجود نہ ہوتیں۔ واقعہ یہ ہے کہ صرف فقہ حنفی ہی نہیں بلکہ مسلمانوں کے پاس فقہ کا آج جو کچھ سرمایہ ہے، وہ شافعیؒ فقہ ہو یا حنبلی بلکہ مالکیؒ فقہ تک کسی نہ کسی حیثیت سے سب کی بالآخر امام ابوحنیفہؒ ہی کی دیدہ ریزیوں سے آبیاری ہوئی ہے، جس کے لئے ابوحنیفہؒ کو قدرت نے بہترین صلاحیتوں سے نواز کر تدوین فقہ کے بہترین مواقع اور لائق رفقاءِ کار عطا فرمائے۔ دراصل تدوینِ فقہ اسلامی تاریخ کا اساسی مسئلہ ہے۔

مدوّنہ امام مالک کا پس منظر :

ابواسحاق شیرازیؒ نے طبقات الفقہاء میں اور ابن خلکان نے اپنی تاریخ میں اس کی تفصیلات لکھی ہیں۔ ہم اپنے دعویٰ مذکورہ کی دلیل میں بطور مثال اختصاراً مدوّنہ امام مالکؒ کا پس منظر تاریخ کی کتابوں سے نقل کر دیتے ہیں۔ اس کتاب کا اصل نامہ ''الاسدیہ'' تھا کہ اس کے مرتب امام مالکؒ کے تلمیذِ خاص اسد بن فراتؒ ہیں جو مغربی افریقہ سے امام مالکؒ کے پاس مدینہ منورہ میں حاضر ہوئے۔ بلا کے ذہین تھے۔ دماغ ان کا قانونی تھا۔ امام مالکؒ سے طرح طرح کے سوالات کرتے۔ امام مالکؒ نے ان کی ذہانت دیکھ کر فرمایا کہ اگر فقہی ذوق کی تشفی چاہتے ہو تو امام ابوحنیفہؒ کے تلامذہ کے پاس عراق چلے جاؤ۔ اسد نے عراق پہنچ کر امام محمدؒ کو لازمی طور پر مضبوط پکڑ لیا۔ امام محمدؒ نے

ان کے جذبۂ طلب و اخلاص کے پیش نظر اسد کو فقہ گویا گھول کر پلا دی۔ اسی عرصہ میں اسد نے امام محمدؒ سے امام ابوحنیفہؒ کی مجلس وضعِ قوانین کی نقلیں بھی حاصل کیں اور مصر پہنچے۔ وہاں امام مالکؒ کے تلمیذِ خاص ابن القاسم سے حنفی مذہب کی روشنی میں امام مالکؒ کے فتووں کو جمع کیا۔ اسد سوال ابوحنیفہؒ کی کتابوں سے چنتے، جواب ابن القاسمؒ امام مالکؒ کے مذاق کو پیش نظر رکھ کر دیتے۔ اسد اسے درج کر لیتے، امام مالکؒ کے ان اجتہادات کو اسد نے جمع کر کے کتابی شکل میں مرتب کیا۔ جس کا ابتداء میں نام ''الاسدیہ'' رکھا، بعد میں سحنون مالکیؒ نے اس کا نام بدل کر مدوّنہ امام مالکؒ رکھ دیا۔

☆☆☆

باب : ۸

علمی تبحر' ذہانت وشجاعت اور استقلال'

بحث ومناظرہ' صاف گوئی اور ستھرا استدلال

امام اعظم ابوحنیفہؒ نے فقہ واجتہاد اور مسائل واحکام کے استخراج میں مجتہدانہ مقام اور امامت میں درجۂ متبوعیت کا جو عظیم مقام حاصل کیا۔ اس میں بہت بڑا دخل ان کے غیر معمولی حافظہ، طبعی ذکاوت، فطری ذہانت کو تھا، جو ایک موہبتِ خداوندی اور ایک نعمتِ خداداد ہے۔ ابوحنیفہؒ کو اللہ تعالیٰ نے جو حافظہ، قوتِ استحضار عطا فرمائی تھی، اس کی مدد سے انہوں نے تفسیر، حدیث، فقہ، اُصولِ فقہ، علم کلام، تاریخ وسیر، آثار، علم رجال، لغت ونحو کے اس تمام ذخیرہ پر عبور حاصل کرلیا جو اس وقت مأخذ اور مواد کی صورت میں موجود تھا پھر انہوں نے اپنی عملی زندگی میں بحث وتحقیق، استنباط واستخراجِ مسائل، تدوینِ فقہ، ترتیبِ شرائع، تفریعات اور بحث ومناظرہ میں اس سے ہر طرح مدد لی، جیسا کہ ایک تجربہ کار جنگ آزما، اپنے ترکش کے ذخیرہ سے مدد لیتا ہے۔

معاصرین کے علاوہ مخالفین بھی ان کے حافظہ کی غیر معمولی قوت، استحضار اور نمایاں ذکاوت وذہانت کے مداح اور معترف ہیں۔ اس پر معاصرین اور متقدمین ومتاخرین سب کا اتفاق ہے کہ امام ابوحنیفہؒ نہایت ہی قوی الحفظ، سریع الفہم اور ذکی وذہین

تھے۔ وہ اپنے زمانہ کے سب سے بڑے حافظ الحدیث اور بڑے بڑے ائمہ حدیث کے استاد تھے۔ ان کا حافظہ کبھی بھی ان سے بے وفائی اور خیانت نہیں کرتا۔ ذیل میں تاریخ کے مستند مآخذ سے امام اعظم ابوحنیفہؒ کے چند ایسے واقعات، بحث و مناظرے اور مختلف فقہی اور محکم استدلالات نقل کر دیئے جاتے ہیں، جن سے امام ابوحنیفہؒ کے علمی تبحر، جامعیت، کاملیت، قوتِ استعداد فقیہانہ اور مجتہدانہ شان چھلکتی نظر آتی ہے۔

استدلال واستنباطِ حکم کی تین مختلف صورتیں :

فیاضِ ازل کی طرف سے امام ابوحنیفہؒ کو فطری طور پر ایک ہی مسئلہ کی مختلف اور متخالف صورتوں پر غور و فکر اور استنباطِ حکم کے طریقے ادل بدل کرنے اور ہر طریقہ کے لئے دلائل قائم کرنے اور دفاع کرنے کی جو عجیب و غریب اور زبردست قدرت عطا کی گئی تھی، وہ ذیل کے ایک واقعہ سے اندازہ لگائی جا سکتی ہے اور بلا مبالغہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ نصوص پر سب سے زیادہ دقیق اور گہری نظر اور سب سے زیادہ قوتِ استدلال کے مالک تھے۔

امام مالکؒ نے جو دیکھا صحیح دیکھا اور جس حقیقت پر پہنچے بغیر کسی جھجک کے اس کا اعلان کر دیا۔ فرماتے ہیں :

> ''امام ابوحنیفہؒ تو ایسا شخص ہے کہ اگر یہ اس پر دلائل قائم کرنا چاہے کہ سامنے والا ستون سونے کا ہے تو وہ اسے دلائل کی قوت سے سونے کا ثابت کر سکتا ہے''۔

بہرحال امام ابوحنیفہؒ کی باریک بینی، دوررسی، نکتہ آفرینی اور ہر مسئلہ میں استدلال اور استنباطِ حکم کے طریقے بدل بدل کر ائمہ کبار، فقہاءِ عظام کے جس عظیم مجمعے میں اپنی خداداد صلاحیتوں کا مظاہرہ کر کے سب کو حیران و ششدر کر کے رکھ دیا۔ اس کا طویل قصہ

ہم شیخ مصطفیٰ حسن السباعی کی مشہور کتاب ''السنة و مکانتها فی الشریع الاسلامی '' سے بروایت محمد بن حسن بعینہٖ نقل کر دیتے ہیں۔

'' امام ابوحنیفہؒ کے بغداد تشریف لانے کی خبر پہنچی تو ان کے تلامذہ اکٹھے ہوئے۔ ان تلامذہ میں ابو یوسفؒ، زفرؒ ، اسد بن عمرؒ اور ان کے علاوہ ابوحنیفہؒ کے قدیم فقہاء تلامذہ بھی شامل تھے، تو ان سب نے باہمی غور و فکر اور بحث و مباحثہ کے بعد ایک ایسا مسئلہ امام صاحبؒ کے سامنے پیش کرنے کے لئے تجویز کیا اور اس کی تائید و تقویت کے لئے بہت سی دلیلیں بھی جمع کیں اور اس کو پیش کرنے کے لئے بھی عجیب و غریب اور انوکھی صورت تجویز کی اور آپس میں کہنے لگے کہ امام کے آتے ہی ہم ان کے سامنے یہ مسئلہ رکھیں گے اور ایسی بحث کریں گے کہ امام صاحبؒ کو اس کا جواب دینا مشکل ہو جائے گا۔ جب امام ابوحنیفہؒ تشریف لائے تو (حلقہٴ درس میں بیٹھتے ہی سب سے پہلا مسئلہ جو امام صاحبؒ سے دریافت کیا گیا وہی (تیار شدہ) مسئلہ تھا، تو امام ابوحنیفہؒ نے اس کا جواب اُس کے خلاف دیا جو انہوں نے طے کر رکھا تھا تو ایک دم شور مچ گیا اور مجمع کی مختلف سمتوں سے آوازیں آنے لگیں۔

'' اے ابوحنیفہؒ ! تمہیں کیا ہو گیا، سفر نے تمہیں تعب میں ڈال دیا''۔

امام ابوحنیفہؒ نے ان سے خطاب کر کے فرمایا :

'' تھمو تھمو، نرمی سے کام لو، نرمی سے، شور و غوغا سے کچھ حاصل نہیں ہوتا، اچھا بتلاؤ تم کیا کہتے ہو؟ ...... وہ کہنے لگے :

اس مسئلہ کا یہ جواب ہرگز نہیں جو آپ نے دیا ہے۔

امامؒ نے فرمایا، تم کسی دلیل سے کہتے ہو یا بے دلیل؟

انہوں نے کہا دلیل سے۔

امامؒ نے فرمایا، اچھا اپنی دلیل بیان کرو۔

اور مناظرہ شروع ہوگیا۔ آخر امامؒ ہی اپنی دلیلوں کی قوت سے ان سب پر غالب آگئے اور ان سے اپنی بات منوالی اور انہیں یقین ہوگیا اور اعتراف کرلیا کہ ہماری رائے ہی غلط ہے۔ اس پر امامؒ نے فرمایا: اب تو تمہیں اپنے مسئلہ کے صحیح جواب کا علم ہوگیا؟

ان سب نے کہا جی ہاں ...... تو اس کے بعد امامؒ نے فرمایا : اب بتلاؤ اس شخص کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے، جو تمہاری پہلے جواب کو درست مانتا ہے اور میرے اس جواب کو غلط کہتا ہے۔

سب نے بیک زبان کہا، یہ ہرگز نہیں ہوسکتا، آپ کا یہ جواب دلائل سے صحیح ثابت ہو چکا ہے۔ امام صاحبؒ نے اُن سے اس پر مناظرہ شروع کردیا اور ان سے اپنے جواب کے غلط ہونے کا اقرار کرالیا اور وہ بے ساختہ کہہ اُٹھے۔

امام صاحب ! آپ نے ہمارے ساتھ بڑی ناانصافی سے کام لیا۔ حق تو ہمارے ساتھ تھا یعنی ہمارا جواب صحیح تھا، آپ نے اسے غلط بنادیا۔

پھر امام ابوحنیفہؒ نے ان سے دریافت کیا۔ اس شخص کے بارے میں تم کیا کہتے ہو جو دعویٰ کرتا ہے کہ یہ جواب بھی غلط ہے اور پہلا جواب بھی غلط ہے اور صحیح جواب یہ تیسرا ہے۔

وہ سب یک زبان ہوکر بولے، یہ کبھی نہیں ہوسکتا کہ دونوں جواب غلط ہوں۔

تو امام صاحبؒ نے فرمایا : اچھا سنو ! اور اس مسئلہ کا ایک تیسرا جواب اختراع کیا اور اس پر بھی ان سے مناظرہ شروع کردیا اور دلائل کی قوت سے اس تیسرے جواب اور اس کے صحیح ہونے کا بھی ان سے اقرار کرالیا۔ تب وہ زچ ہوکر کہنے لگے۔

اے امام خدا کے لئے ہمیں بتلایئے کہ اصل حقیقت کیا ہے۔ تب امام ابوحنیفہؒ نے ان چوٹی کے فقہاء کو بتلایا۔ فلاں فلاں دلیل کی بنا پر صحیح تو وہ پہلا ہی جواب ہے۔ جو میں نے شروع میں دیا ہے، باقی میرا مقصد آپ حضرات کو بتلانا تھا کہ یہ مسئلہ ان تین صورتوں سے

باہر نہیں ہوسکتا اور از روئے فقہ ان میں سے ہر صورت کی معقول وجہ (اور دلیل) بھی موجود ہے اور اربابِ مذاہب میں سے کسی نہ کسی کا) مذہب بھی ہے۔ یہ فرضی قیاس آرائیاں نہیں ہیں۔ باقی صحیح جواب وہی ہے جو میں نے بیان کیا۔ اسی کو تسلیم کرنا چاہئے اور اس کے علاوہ دوسرے جوابات کو ترک کر دینا چاہئے''۔

قاضی ابن ابی لیلیٰ کو اپنی غلطی کا فوراً احساس ہو گیا:

بات کی تہ تک پہنچنا، واقعات کے دقیق اور باریک ترین پہلوؤں تک رسائی اور نکتہ آفرینی تو امام ابوحنیفہؒ کی فطری صلاحتیں اور قدرت کی طبعی بخششیں تھیں جو آپ کو ودیعت کردی گئی تھیں جو استقلالِ فکر، ذوقِ تحقیق اور منفرد مجتہدانہ طرز کی صورتوں میں نمایاں ہوتی رہیں اور جنہوں نے نہ صرف آپ کی جامع شخصیت کو بلکہ آپ کی ہر ادا، ہر تحقیق پر اجتہاد و استنباط اور زندگی کے ہر پہلو اور آپ کے اخلاق اور سیرت و کردار کے ہر عنوان اور ہر ادا کو یگانۂ روزگار اور تاریخ میں زندہ جاوید یادگار بنا دیا۔

عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ کوفہ کے بہت بڑے قاضی اور مشہور فقیہ تھے۔ تینتیس (۳۳) سال تک منصبِ قضا پر فائز رہے۔ قاضی ابن ابی لیلیٰ کو امام ابوحنیفہؒ سے قدرے رنجش رہتی تھی۔ ابوحنیفہؒ علمی رفعت، علو مرتبت اور قبولِ عام کے جس مقام پر پہنچے ہوئے تھے، اس نے اپنے ہم عصروں کو اس پر مجبور کر دیا تھا کہ وہ از راہِ رقابت امام ابوحنیفہؒ کے متعلق اپنی مجالس میں ایسی باتیں کہیں اور حکمرانوں کو ایسی باتیں پہنچائیں جو کسی طرح بھی درست نہیں ہوسکتیں۔ چنانچہ خود امام ابوحنیفہؒ کو قاضی ابن ابی لیلیٰؒ کے متعلق یہ کہنا پڑا کہ یہ حقیقت ہے کہ ابن ابی لیلیٰؒ تو میرے اوپر ایسے حملے کرنا بھی حلال سمجھتے ہیں، جو میں ایک جانور پر بھی جائز نہیں سمجھتا۔ (مناقب ابی حنیفہؒ الموفق)

ایک روز امام اعظم ابوحنیفہؒ کا ایک پڑوسی ان کی عدالت میں حاضر ہوا اور کسی

شخص کے باغ کے متعلق گواہی دینا چاہی۔ قاضی ابن ابی لیلیٰؒ نے ان سے دریافت کیا کہ یہ بتلاؤ کہ جس باغ کے متعلق تم گواہی دے رہے ہو، اس میں کل درختوں کی تعداد کتنی ہے۔ جب گواہ یہ نہ بتلا سکے تو قاضی ابن ابی لیلیٰؒ نے ان کی گواہی (شہادت) کو رد کر دیا، چونکہ مردود شدہ گواہ امام اعظم ابوحنیفہؒ کے پڑوسی تھے۔ عندالملاقات اس نے اس تمام واقعہ سے ابوحنیفہؒ کو بھی آگاہ کر دیا تو امام ابوحنیفہؒ نے اس شخص کو واپس قاضی صاحب موصوف کی عدالت میں بھیجا اور اسے کہا کہ جاؤ اور قاضی صاحب موصوف سے دریافت کر کے لاؤ کہ آپ بیس سال سے کوفہ کی جس جامع مسجد میں بیٹھ کر فیصلہ کرتے ہیں، اس کے ستونوں کی تعداد کتنی ہے۔ ابوحنیفہؒ کے پڑوسی کی اس گفتگو پر قاضی ابن ابی لیلیٰؒ کو حیرت اور اپنے کیے پر ندامت ہوئی اور اس کی شہادت قبول کر لی۔ (موفق)

یہاں امام ابوحنیفہؒ کے جس پڑوسی کا قصہ بیان کیا جا رہا ہے، کتابوں میں لکھا ہے کہ یہ شخص دن بھر محنت مزدوری کر کے جب گھر لوٹتا تو شراب کباب خرید کر اپنے گھر میں محفل جماتا۔ اپنے دوستوں کو مدعو کرتا۔ شاعر بھی تھا خوب اودھم مچاتا۔ راوی کا بیان ہے کہ ہم نے اس کے پڑوس میں ہونے کی وجہ سے بہت سے اشعار بھی یاد کر لئے تھے۔ مثلاً ایک شعر یہ ہے ....

اضاعونی و ایّ فتی اضاعوا   یوم کریھۃٍ و سداد ثغر

لوگوں نے مجھے کھو دیا اور کتنے بڑے باکمال نوجوان شخص کو جو لڑائیوں اور رخنہ بندیوں میں کام آتا تھا۔ امام ابوحنیفہؒ اسے بارہا سمجھاتے، نصیحت کرتے، مگر وہ ان حرکتوں سے باز نہ آتا، چنانچہ ایک روز حکومت کے کارندے اسے گرفتار کر کے لے گئے اور حوالات میں بند کر دیا۔ ادھر امام صاحبؒ کو جب پڑوس میں حسبِ معمول اودھم اور شور سنائی نہ دیا تو دریافت کیا کہ ہمارے پڑوسی کو کیا ہو گیا ہے کہ آج ہمیشہ کا معمول ترک کر دیا ہے۔ جب لوگوں نے اصل صورتِ حال بتائی تو بے چین ہوئے اور اسی وقت اپنے رفقا کی ایک

جماعت کے ساتھ دارالامارت پہنچے۔ امیر نے آگے بڑھ کر استقبال کیا، جب آنے کی غرض معلوم ہوئی تو امیر نے ابوحنیفہؒ کے پڑوسی اور اس کے عیاش ساتھیوں کو آزاد کر دیا۔ ابوحنیفہؒ نے اس شرابی نوجوان کو دیکھتے ہی فرمایا:

''ہم نے آپ جیسے جوان کو ضائع کر دیا''۔ وہی شرابی نوجوان ابوحنیفہؒ کے اس خلقِ عظیم سے متاثر ہو کر نادم ہوا، توبہ کی اور آپ کے حلقۂ درس میں شریک ہو گیا اور ایک وقت آیا جب کوفہ کے علماءِ کبار میں ان کا نام شمار ہونے لگا۔ قاضی ابن ابی لیلیٰؒ کی عدالت میں مندرجہ بالا شہادت کا واقعہ انہی کا واقعہ ہے۔

تکفیر میں حزم واحتیاط اور فتویٰ میں تقویٰ:

امام اعظم ابوحنیفہؒ حتی الامکان مومن کی تکفیر سے احتراز اور فتویٰ کفر میں حد درجہ حزم واحتیاط برتتے ہیں، ظاہر پہ باطن اور فتویٰ پر تقویٰ غالب رہتا تھا۔ امام اعظمؒ کا مسلک ہے کہ اگر ایک مسلمان میں کفر کے ننانوے وجوہات ثابت ہو جائیں اور صرف ایک وجۂ ایمان موجود ہو تو اسی کو ترجیح دی جائے گی اور ممکن حد تک مؤمن کے فعل کی تاویل کی جائے گی۔ چنانچہ امام ابوحنیفہؒ کے سوانح نگاروں نے لکھا ہے اور یہ واقعہ مختلف کتابوں میں نقل ہوتا چلا آیا ہے ...... کہ ایک شخص امام اعظم ابوحنیفہؒ کی مجلس میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ حضرت ایک شخص ہے جو ایمان واسلام کا دعویٰ کرتا ہے خود کو مسلمان کہلواتا ہے، مگر اس کے باوجود:

۱) وہ جنت کی خواہش نہیں رکھتا۔

۲) اور نہ اسے نارِ جہنم کا خوف ہے۔

۳) میتہ (غیر مذبوح چیز) بلا جھجک کھاتا ہے۔

۴) نماز پڑھتا ہے مگر رکوع وسجدہ نہیں کرتا۔

۵) گواہی دیتا ہے مگر دیکھے بغیر۔

۶) اس کے ہاں فتنہ محبوب اور حق مبغوض ہے۔

۷) رحمت سے دور بھاگتا ہے۔

۸) یہود و نصاریٰ کے قول کی تصدیق کرتا ہے۔

بظاہر یہ سب وجوہات کفر ہیں جو اس میں موجود ہیں، ایسے شخص کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے، اگر اب کا زمانہ ہوتا، سوال ختم ہونے سے پہلے خدا جانے کفر کے کتنے فتوے لگ چکے ہوتے۔ مگر یہ تو امام اعظم ابوحنیفہؒ ہیں، جن کو قدرت نے سوادِ اعظم اہلِ سنت کی امامت کا شرف بخشا ہے، بغیر کسی تردد کے فرمایا:

میرے نزدیک وہ شخص مؤمن ہے۔

سائل کو حیرت ہوئی تو امام صاحبؒ نے فرمایا کہ اس لئے کہ:

۱) اس پر اللہ کی خواہش غالب ہے، جب اللہ ہی اس کا مطلوب ہے تو جنت کی خواہش کی اسے کیا پرواہ۔

۲) اسے نارِ جہنم کا نہیں بلکہ ربّ النار کا خوف ہے۔

۳) میتہ (غیر مذبوح چیز) کھاتا ہے مچھلیوں کی صورت میں۔

۴) نمازِ جنازہ پڑھتا ہے اور اس میں سجدہ اور رکوع نہیں۔

۵) توحید و رسالت کی شہادت دیتا ہے (یعنی کلمۂ شہادت پڑھتا ہے) حالاں کہ اس نے خدا کو دیکھا ہے نہ رسول ﷺ کو۔

۶) **انما اموالکم و اولادکم فتنه**، قرآن نے اموال اور اولاد کو فتنہ قرار دیا ہے، اسے محبوب رکھنا انسان کی فطرت ہے۔

موت امرِ حق ہے، مگر ذوقِ عبادت اور جمعِ حسنات کی وجہ سے اس سے بغض رکھنا

(ناپسند کرنا) محمود ہے۔

۷) بارش اللہ کی رحمت ہے۔ اس سے دور بھاگتا ہے کہ بھیگ جانے سے بچ جائے۔

۸) یہود کے اس قول کہ : لَیۡسَتِ النَّصٰرٰی عَلٰی شَیۡءٍ. (البقرہ:۱۱۳) (نہیں ہے نصاریٰ اوپر کسی چیز کے) اور نصاریٰ کے قول کہ: لَیۡسَتِ الۡیَهُوۡدُ عَلٰی شَیۡءٍ. (البقرہ:۱۱۳) (نہیں ہے یہودی اوپر کسی چیز کے) کی تصدیق کرتا ہے جو عین ایمان ہے۔

سائل و حاضرین ابوحنیفہؒ کے اس جواب سے حیرت و استعجاب کے ساتھ ان کا منہ تکتے رہ گئے۔ (عقود الجمان ص ۲۵۱)

امام ابوحنیفہؒ نے امام اعمشؒ کی مشکل حل کر دی :

امام اعمشؒ مشہور تابعی ہیں اور اکابر محدثین میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ سلیمان نام تھا۔ ۶۱ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۴۷ھ میں وفات پائی۔ چار ہزار احادیث زبانی بیان کیا کرتے تھے۔ ان کے پاس کتاب نہیں ہوتی تھی۔ ظاہری شکل و صورت کے لحاظ سے اچھے نہیں تھے۔ اعمش کہلانے کی وجہ بھی یہی ہے کہ اُن کی آنکھوں میں عموشت (چندھیاپن) آ گئی تھی۔ دوسری جانب ان کی رفیقۂ حیات، نہایت حسین اور جمیل تھی۔ اپنے حسن و جمال پر اسے غرور تھا۔ بات بات پر امام اعمشؒ سے جھگڑتی اور ہر کام میں جھگڑے کی بات پیدا کر لیتی۔ مختلف حیلوں اور بہانوں سے امامِ اعمشؒ کو تنگ کر کے آپ سے ہمیشہ کے لئے نجات کی خواہشمند رہتی۔

ایک روز عشاء کے بعد کسی مسئلہ پر تنازعہ ہوا۔ دونوں طرف سے بات بڑھ گئی اور شدت اختیار کر گئی۔ بالآخر بیوی نے امام اعمشؒ سے بولنا بند کر دیا۔ امام اعمشؒ نے ہزار جتن جتنے مختلف ترکیبیں سوجھیں، مگر بیوی ان سے بولنے پر کسی طرح بھی رضامند نہ ہوئی۔ آخر غصہ میں آ کر امام اعمشؒ نے قسم کھائی کہ اگر آج کی رات تو میرے ساتھ نہ بولی تو تجھ پر

طلاقِ بائنہ۔ غصہ اور جذبات میں امام اعمشؒ کے منہ سے یہ الفاظ نکل تو گئے، مگر گھریلو حالات، چھوٹے بچوں کی نگہداشت، اُمورِ خانہ داری اور زوجہ کی رفاقت میں فطری تسکینِ خاطر اور دیگر مہم مسائل جب سامنے آئے تو حد درجہ نادم اور پشیمان ہوئے، مگر اب کیا ہوسکتا تھا۔ ایک کے پاس گئے، دوسرے سے ملے، مگر کوئی تدبیر نہ سوجھی۔ بالآخر امام اعظم ابوحنیفہؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سارا واقعہ عرض کیا۔ امام ابوحنیفہؒ نے تسلی دی اور فرمایا کوئی فکر کی بات نہیں۔ اطمینانِ خاطر رکھئے۔ آج صبح کی اذان آپ کے محلے میں صبح صادق سے پہلے پڑھوا دوں گا۔

چنانچہ امام ابوحنیفہؒ خود بہ نفس نفیس مسجد کے مؤذن سے ملے اور انہیں صبح صادق سے قبل اذان کہنے پر رضامند کرلیا، ابھی صبح صادق طلوع نہ ہوئی تھی کہ مؤذن نے اذان دے دی۔

ادھر امامِ اعمشؒ کی بیوی نے جو پہلے ہی بوریا بستر سمیٹے صبح کی اذان کی منتظر بیٹھی تھی نے اذان سنی تو خوش ہوئی اور جوشِ مسرت میں بول اُٹھی :

''خدا کا شکر ہے آج بوڑھے بداخلاق سے میرا دامن پاک ہوا''۔

امامِ اعمش نے کہا، خدا کا شکر ہے کہ مؤذن نے امام ابوحنیفہؒ کی مہربانی سے صبح صادق سے قبل اذان دے کر آپ کے ٹوٹنے والے رشتہ کو میرے ساتھ ہمیشہ کے لئے جوڑ دیا۔ (عقود الجمان ص ۲۷۵)

غسلِ جنابت بھی ہوگیا اور طلاق بھی واقع نہ ہوئی :

ایک صاحب امام ابوحنیفہؒ کی خدمت حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ مجھے بظاہر ایک لاینحل مشکل درپیش ہے، اگر غسل کرتا ہوں تو بیوی کو طلاق ہوتی ہے، اگر جنابت میں رہتا ہوں تو اللہ ناراض ہوتے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ میں نے قسم کھا رکھی ہے کہ اگر میں غسلِ جنابت کروں تو میری بیوی پر تین طلاق ...... اب کیا کروں، خدارا میری مدد فرمائیے۔

امام ابوحنیفہؒ نے اس کا ہاتھ پکڑا اور باتوں باتوں میں انہیں وہاں قریب کی ایک نہر کے پل پر لائے اور دفعۃً اسے پانی میں دھکا دے دیا۔ وہ شخص از سرتا پا قدم پانی میں ڈوب گیا، پھر امام صاحبؒ نے اسے باہر نکلوایا اور اس سے فرمایا :

''جا، اب تیرا غسل بھی ہو گیا ہے اور بیوی کو بھی طلاق نہیں ہوئی''۔

(موفق ج ا ص ۱۶۶)

احناف کے نزدیک غسل میں پورے جسم پر پانی بہانا، کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا فرض ہے، نہ جسم کو ملنا فرض ہے اور نہ غسل میں نیت فرض ہے۔ پانی میں ابوحنیفہؒ کے سائل کو دھکیل دینے کی صورت میں تینوں فرض ہو چکے ہیں، لہٰذا اس کو شرعاً غسل حاصل ہو گیا۔ چونکہ بلا قصد و ارادہ تھا، اس لئے طلاق بھی واقع نہ ہوئی۔

وقوعِ طلاقِ ثلاثہ کا ایک پیچیدہ مسئلہ :

ایک مرتبہ امام صاحب کی مجلس میں ایک شخص آیا اور دریافت کیا کہ ایک شخص نے تین قسمیں کھائی ہیں، نجات کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ اس کی بیوی پر تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی اور بستا گھر اُجڑ جائے گا۔

آپ نے فرمایا کیسی قسمیں ؟

سائل نے عرض کیا کہ صاحبِ واقعہ شخص نے اوّلاً قسم کھائی کہ

۱) اگر آج میں کسی بھی وقت نماز نہ پڑھوں تو میری بیوی پر تین طلاق۔

۲) پھر قسم کھائی کہ اگر آج میں اپنی بیوی سے وطی (جماع) نہ کروں تو اس پر تین طلاق۔

۳) پھر قسم کھائی کہ اگر آج میں غسلِ جنابت کروں تو اس پر تین طلاق۔

عجیب مخمصہ تھا جو کہیں بھی حل نہیں ہو رہا تھا۔ علماء عاجز آ گئے تھے۔ امام اعظم

ابوحنیفہؒ کی باریک بینی اور دوررسی کی داد دیجئے۔ سر اُٹھایا اور ایک چٹکی میں مسئلہ کا حل سامنے رکھ دیا۔ فرمایا :

۱) صاحبِ واقعہ آج عصر کی نماز پڑھ لے۔

۲) نمازِ عصر سے فراغت کے بعد اپنی بیوی سے وطی (جماع) کر لے۔

۳) جب سورج چھپ جائے تو یہ شخص غسل کر لے، پھر مغرب اور عشاء کی نماز پڑھ لے۔ طلاق واقع نہیں ہوگی اور تینوں قسمیں بھی پوری ہو جائینگی۔ (عقود الجمان ص ۷۷)

دراصل مسئلہ یہ ہے کہ اصطلاحِ شریعت میں رات' دن کے تابع ہوتی ہے۔ لہٰذا جب سورج غروب ہو جاتا ہے تو اسی وقت سے اگلا دن شمار ہونے لگتا ہے، مثلاً عید کا چاند نظر آتے ہی عید کا حکم لگایا جاتا ہے۔ اس حکم کے پیشِ نظر صاحبِ واقعہ کا غسل آج کے دن میں شمار نہیں ہوگا، بلکہ غروب کے بعد نہانا، گویا آئندہ کل کا عمل ہے۔ لہٰذا حانث نہیں ہوگا۔ (الموفق)

دیت کس پر ؟

مجلس قائم تھی، دقیق فقہی مسائل زیر بحث تھے۔ سفیان ثوری قاضی ابن ابی لیلیٰ کے علاوہ ابوحنیفہؒ کے دیگر ہم عصر علماء بڑے بڑے فقہا اور جلیل القدر تلامذہ زیر بحث مسائل پر اپنے اپنے خیالات کا اظہار کر رہے تھے کہ اچانک ایک شخص نے سوال کر دیا کہ :

کچھ لوگ مجلس بنائے بیٹھے تھے۔ اچانک ایک سوراخ سے سانپ نکلا اور حاضرینِ مجلس میں سے کسی ایک پر چڑھ آیا۔ اس نے دیکھا تو ہیبت واضطراب میں سانپ کو دوسرے شریکِ مجلس پر جھٹک دیا۔ دوسرے نے تیسرے پر اور تیسرے نے چوتھے پر جھٹک دیا، چوتھے نے پانچویں پر جھٹکا، بدقسمتی سے پانچویں کو سانپ نے ڈس لیا اور اس کے ڈسنے سے مر گیا۔ اب مسئلہ عدالت میں آیا۔ مر جانے والے کے ورثاء نے دیت کا

مطالبہ کیا۔

اب سوال یہ ہے کہ شرعاً دیت کون ادا کرے گا اور کس پر واجب ہوگی۔ فقہاء، اکابر علماء اور ائمہ مجتہدین، قرآن و حدیث اور اپنی فقہی صلاحیتوں کے پیشِ نظر مختلف جوابات دیتے رہے۔ کسی نے کہا سب پر آئے گی، ایک نے کہا پہلے پر آئے گی، دوسرے نے کہا آخری پر آئے گی۔

امامِ اعظم ابوحنیفہؒ سب کی سنتے اور مسکراتے رہے۔

جب سب نے اپنے اپنے نقطۂ ہائے نظر پیش کر دئے اور امامِ اعظم ابوحنیفہؒ سے ان کی رائے کے خواہاں ہوئے تو آپؒ نے فرمایا :

"جب پہلے شخص نے سانپ کو دوسرے پر جھٹک دیا اور دوسرا آدمی اس کے ڈسنے سے محفوظ رہا تو پہلا شخص بری الذمہ ہوگیا۔ دوسرے نے تیسرے پر جھٹکا، تیسرا محفوظ رہا تو دوسرا شخص بھی بری الذمہ ہوگیا، اسی طرح تیسرا بھی۔

مگر جب چوتھے نے پانچویں پر سانپ کو پھینک دیا اور وہ اس کے فوراً ڈسنے سے مرگیا تو دیت بھی اس شخص پر آئے گی۔ البتہ اگر چوتھے کے جھٹکنے کے بعد سانپ نے ڈسنے میں کچھ وقفہ کیا اور وقفہ کے بعد ڈسا تو یہ چوتھا آدمی بھی بری الذمہ ہوگا کہ اصل میں مرنے والے نے سانپ سے اپنی حفاظت میں خود کوتاہی کی کہ جلدی سے کام نہ لیا۔ اس رائے سے سب نے اتفاق کیا اور امام اعظم ابوحنیفہؒ کے حسنِ فقہ کی تعریف کی"۔

(عقود الجمان ص ۲۶۹)

رومی دانشمند کے تین سوالوں کا مسکت جواب :

ایک رومی دانشمند بغداد میں خلیفہ کے دربار میں حاضر ہوا۔ علم و فضل اور دانائی اور

ہمہ دانی کے دعوے کئے اور بڑے طمطراق سے کہا کہ میرے پاس ایسے تین سوال ہیں کہ آپ کی پوری سلطنت کے علماء جمع ہو کر بھی ان کا جواب نہیں دے سکتے۔ خلیفہ حیران ہوا، اس نے اعلان کرا دیا۔ علماءِ عظام، ائمہ کبار اور بڑے بڑے فقہاء جمع ہوئے۔ امامِ اعظم ابوحنیفہؒ بھی تشریف لائے۔

رومی دانشمند نے اپنے لئے منبر رکھوایا تھا۔

جب سب علماء آموجود ہوئے تو رومی نے منبر پر چڑھ کر علماءِ اسلام کو علی الترتیب اپنے تین سوال پیش کئے :

(۱) یہ بتاؤ کہ خدا سے پہلے کون تھا۔

(۲) یہ بتاؤ کہ خدا تعالیٰ کا رُخ کدھر ہے۔

(۳) اور یہ بتاؤ کہ اس وقت خدا تعالیٰ کیا کر رہا ہے۔

واقعۃً بظاہر پریشان کن سوالات تھے۔ مجمع پر سکوت طاری تھا، سب جواب کی سوچ رہے تھے کہ امام ابوحنیفہؒ آگے بڑھے اور کہا :

آپ نے منبر پر بیٹھ کر سوالات بیان کئے ہیں تو مجھے بھی ان کے جوابات منبر پر بیٹھ کر دینا چاہئے۔ تاکہ سب حاضرین آسانی سے سن سکیں۔ لہٰذا اب تمہیں منبر سے نیچے اُتر آنا چاہئے۔

رومی دانشمند منبر سے نیچے اُترے تو امام صاحبؒ منبر پر تشریف لے گئے اور رومی کو مخاطب کر کے کہا کہ اب نمبروار اپنے سوال دُہراتے جاؤ اور ان کا جواب سنتے جاؤ۔ رومی دانشمند سابقہ ترتیب سے سوالات دُہراتا رہا اور امام صاحبؒ حسبِ ذیل جوابات دیتے رہے :

(۱) پہلے سوال کے جواب میں امام ابوحنیفہؒ نے کہا گنتی شمار کرو، رومی نے دس تک گنتی شمار کی۔ ابوحنیفہؒ نے فرمایا: دس سے پیچھے کی طرف اُلٹی گنتی کرو۔ رومی نے ۱۰ سے ۹، ۸، ۷ تا ۱

گنتی کی تو امام ابوحنیفہؒ نے ان سے کہا ایک سے پہلے گنو رومی نے کہا کہ ایک سے پہلے کوئی گنتی نہیں ہے اور کچھ نہیں ہے تو ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ خدا بھی ایک ہے اور اس سے پہلے بھی کچھ نہیں ہے۔

(۲) دوسرے سوال کے جواب میں امام صاحبؒ نے ایک شمع روشن کی اور کہا بتاؤ اس کا رُخ کدھر ہے۔ رومی دانشمند نے کہا سب کی طرف ہے۔ ابوحنیفہؒ نے کہا شمع مخلوق ہے اس کے اس رُخ کے تعین سے آپ جیسے دانشمند بھی عاجز ہیں تو خالق کے رُخ کے تعین میں بے چارے عاجز بندوں کا کیا دخل۔ بہرحال خدا تعالیٰ کا رُخ بھی سب کی طرف ہے۔

(۳) تیسرے سوال کے جواب میں امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا: کہ اس وقت خدا تعالیٰ نے تجھے منبر سے نیچے اُتار دیا اور مجھے منبر پر بیٹھنے کی عزت بخشی۔

رومی دانشمند نے جوابات سنے تو شرمندہ ہوا اور راہِ فرار اختیار کی۔

(موفق ج ا ص ۱۸۷، عقود الجمان ص ۲۸۴)

قرأت خلف الامام:

مدینہ منورہ سے کچھ لوگ امام ابوحنیفہؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے [illegible] ان سے وجہ آمد دریافت کی تو انہوں نے کہا کہ ہم آپ سے قرأت خلف الامام [illegible] نا چاہتے ہیں۔ ابوحنیفہؒ نے فرمایا تم سب بیک وقت [illegible] سے ساتھ کیسے مناظ[illegible] ایک فرد ہوتا تو بات سنی جا سکتی تھی۔ یہ پوری جماعت ہے، کس کس کی بات کو سمجھ [illegible] کس کس کی بات کا جواب دیا جائے گا۔ آپ سب اہلِ علم و فضل ہیں بہتر ہوگا [illegible] بڑے عالم کو منتخب کرلو اور وہ مجھ سے بات کرے۔

چنانچہ انہوں نے ایک عالم کو منتخب کرلیا اور کہا یہ ہم سب میں بہت [illegible] ہے۔ یہ آپ سے قرأت خلف الامام پر مناظرہ کرے گا اور باقی ہم سب خاموش [illegible] اور

سنیں گے۔ امام صاحبؒ نے ان سے کہا، اگر واقعۃً اس پر آپ کا اعتماد ہے تو پھر کیا اس کی ہار کو اپنی ہار سمجھو گے، انہوں نے کہا ہاں۔

تب امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا : بس مناظرہ ختم ہوا اور فیصلہ ہوگیا۔ اس لئے کہ ہم نماز میں بھی امام کو اسی لئے تو منتخب کرتے ہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :

من کان له امام فقراء ة الامام قرأة له۔ (ایضاً ص ۲۸۳)

جن کا امام موجود ہو تو امام کی قرأت ان کی قرأت ہوتی ہے۔

رافضی نے توبہ کی اور شنیع حرکات سے باز آیا :

کوفہ کا ایک رافضی حضرت عثمان ذوالنورینؓ کے خلاف بکواس کیا کرتا تھا، کبھی اسے کافر کہتا اور کبھی یہودی۔ امام اعظم ابوحنیفہؒ کو خبر ہوئی تو صحابہؓ کے دفاع کے لئے تڑپ اُٹھے، جب تک اس رافضی سے ملاقات نہ کرلی، بے چین رہے۔ آخر اس رافضی کے پاس تشریف لے گئے اور بڑے ادب محبت اور نرمی سے کہا۔

اے بھائی ! میں تیری لختِ جگر (بچی) کے لئے فلاں صاحب کی طرف سے منگنی کا پیغام لایا ہوں۔ اللہ نے اس صاحب کو حفظ القرآن کی دولت سے نوازا ہے اس کی تمام رات نوافل اور قرآن کی تلاوت میں گذرتی ہے۔ خدا کا خوف ہمیشہ ہمہ وقت غالب رہتا ہے تقویٰ میں اس کی نظیر نہیں۔

رافضی نے کہا، بہت اچھا، یہ تو صرف میری لڑکی کے لئے نہیں بلکہ ہمارے پورے خاندان کے لئے سعادت ہے۔

امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا: ہاں مگر اس میں ایک عیب ہے کہ مذہباً یہودی ہے۔

رافضی کا رنگ بدلا اور جھلاّ کر بولا، کیا میں اپنی لڑکی کی شادی یہودی سے کردوں؟

تب امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا :

''بھائی! آپ تو اپنی لختِ جگر ایک یہودی کے نکاح میں دینے کو تیار نہیں ،تو کیا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ایک نہیں اپنے نورِ دل کے دو ٹکڑے (دو بیٹیاں) حضرت عثمانؓ (جو بزعم آپ کے یہودی تھا) کے نکاح میں کیوں دیدیں۔ ابوحنیفہؒ کا یہ ارشاد رافضی کے لئے تنبیہ او رہدایت کا باعث ہوا۔ اپنے کئے پر نادم اور خلوص دل سے تائب ہوا اور ہمیشہ کے لئے ایسی حرکتوں سے باز آیا''۔ (عقود الجمان ص ۲۷۳)

ابوحنیفہؒ کے قاتل ابوحنیفہؒ کے غلام بن گئے :

امام اعظم ابوحنیفہؒ نے مناظرہ میں کامیابی کے اُصول بتاتے ہوئے ایک مرتبہ یہ بھی ارشاد فرمایا کہ جب کسی سے مناظرہ کا اتفاق ہو تو اُلٹا اسی سے پوچھنا شروع کردو تم ہی غالب آجاؤ گے۔ پھر خود اپنی زندگی میں ابوحنیفہؒ نے اس اُصول پر عمل کیا۔ ذیل میں بطورِ مثال مناقب کردری سے خوارج سے مناظرہ کا ایک واقعہ نقل کردیا جاتا ہے۔

ایک مرتبہ خوارج کے ستر (۷۰) افراد پر مشتمل ایک گروہ اچانک امام ابوحنیفہؒ کے سر آ چڑھا اور تلواریں نیام سے نکال کر سونتیں اور کہا، چونکہ تم مرتکب کبیرہ کو کافر نہیں کہتے، اس لئے تمہیں قتل کردیا جائے گا۔

امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا: جذبات میں آنے کے بجائے ٹھنڈے دل سے بات کیجئے پہلے بات پوچھ لیں، اگر واقعۃً میری ہی غلطی ہے تب قتل کا اقدام کریں۔ بہتر ہے کہ اولاً اپنی تلواریں نیام میں کرلو، اور سنجیدگی سے اپنے سوالات بیان کیجئے۔ بعد میں جو جی میں آئے کر ڈالیئے۔

خوارج نے کہا! ہم اپنی تلواروں کو آپ کے خون سے رنگین کریں گے۔ ہمارے عقیدہ کے مطابق ایسا کرنا ستر (۷۰) سال جہاد فی سبیل اللہ سے افضل ہے۔

ابوحنیفہؒ نے فرمایا : اچھا بات کیجئے، کیا کہنا چاہتے ہو۔

تب خارجیوں نے کہا کہ :

''باہر دو جنازے پڑے ہیں ایک جنازہ مرد کا ہے اور ایک عورت کا۔ مرد نے شراب پی اور اسی حالت میں اس کی موت واقع ہوگئی جبکہ عورت حاملہ تھی اور اس نے خودکشی کرلی اور مرگئی۔ اب ان کے بارے میں تمہارا کیا قول ہے؟''۔

امام ابوحنیفہؒ نہ تو گھبرائے اور نہ ذہن غائب ہوا۔ بڑی حاضر دماغی' حوصلے اور سنجیدگی سے ان ہی سے دریافت فرمایا اور کہا یہ بتلاؤ کہ یہ دونوں یہودی تھے، نصرانی تھے یا مجوسی تھے۔

خارجیوں نے کہا : نہ یہودی تھے نہ نصرانی اور نہ مجوسی۔

امام ابوحنیفہؒ نے پھر دریافت کیا، اچھا! تو ان کا تعلق کس ملت سے تھا۔ خارجیوں نے کہا کہ ان کا تعلق اس ملت سے تھا، جو کلمۂ شہادت پڑھتے اور اقرار کرتے ہیں کہ :

اشهد ان لا اله الا الله و اشهد ان محمدا رسول الله۔

تب امام ابوحنیفہؒ نے دریافت کیا اچھا یہ بتلاؤ کہ یہ کلمہ ایمان کا کونسا جز ہے؟ نصف ہے یا چوتھائی یا تہائی۔

خارجیوں نے کہا یہ تو کل ایمان ہے۔ اس لئے کہ ایمان کے اجزاء نہیں ہوتے۔

امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا :

جب ایمان کے اجزاء نہیں ہوتے اور وہ دونوں اس کلمہ کے قائل اور اس پر یقین کرنے والے تھے، تو اب تم ہی بتاؤ کہ یہ دونوں جنازے کن کے ہوئے؟ مسلمانوں کے یا کافروں کے؟

خارجی پریشان ہوئے، حواس باختگی ان پر طاری ہوئی اور کہنے لگے اچھا! ان کو رہنے دیجئے جی!

ایک دوسرے سوال کا جواب عنائت فرمایئے وہ یہ کہ :

یہ دونوں جہنمی ہیں یا جنتی ؟

امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا : اس سوال کا جواب میرے سامنے انبیاء کا اسوۂ حسنہ موجود ہے جو اللہ کی سچی کتاب قرآن میں منقول ہیں۔

میں وہی کہوں گا ، جو حضرت ابراہیمؑ نے ان دونوں سے زیادہ مجرموں کے بارے میں اللہ کی بارگاہ میں عرض کیا تھا :

فَمَنْ تَبِعَنِیْ فَاِنَّہٗ مِنِّیْ وَمَنْ عَصَانِیْ فَاِنَّکَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۔ (ابراهیم: ۳۵)

جس نے میری اتباع کی وہ میرا ہے، اور جس نے میری نافرمانی کی پس اے خدا تو غفور رحیم ہے۔

اور وہ کہوں گا جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کہا تھا :

اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُکَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّکَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ.

(المائدہ : ۱۱۷)

اے اللہ ! اگر آپ ان کو عذاب دیں تو وہ آپ کے بندے ہیں اور اگر بخش دیں تو آپ غالب حکمت والے ہیں۔

اور وہ کہوں گا، جو حضرت نوح علیہ السلام نے کہا تھا :

وَ مَا عِلْمِیْ بِمَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ○ اِنْ حِسَابُهُمْ اِلَّا عَلٰی رَبِّیْ لَوْ تَشْعُرُوْنَ۔ (الشعراء :۱۱۲،۱۱۳)

مجھ کو کیا جاننا ہے، اس کا جو کام وہ کرر ہے ہیں، ان کا حساب پوچھنا میرے رب ہی کا کام ہے اگر تم سمجھ رکھتے ہو۔

خارجیوں نے امام ابوحنیفہؒ کی یہ مدلل گفتگو سن کر ندامت محسوس کی ، نیام سے نکلی اور سونتی ہوئی تلواریں واپس نیاموں میں داخل کر دیں ،تو بہ کی اور عقیدہ اہلسنت والجماعت

کو اختیار کیا۔ ابوحنیفہؒ کے حسنِ سلیقہ تدبیر وفراست سے ان کی عظمت کے قائل ہوئے اور ان کے غلام بن گئے۔

دھوبی کا مسئلہ امام ابویوسفؒ کی ندامت :

امام ابویوسفؒ امام ابوحنیفہؒ کے تلمیذِ رشید اور قریب ترین اصحاب سے تھے۔ ذہین' اخاذ فقیہ اور مسائل کے استنباط واجتہاد میں کافی دسترس رکھتے تھے۔ ابوحنیفہؒ سے فیض حاصل کیا اور ابوحنیفہؒ کی حوصلہ افزائیوں سے خود اعتمادی پیدا ہوئی۔ ایک طویل اور شدید بیماری سے افاقہ کے بعد اپنی علیحدہ درسگاہ قائم کرلی۔ نہ امام ابوحنیفہؒ سے اس کی اجازت لی اور نہ امام صاحبؒ نے فی الحال ان کی مجلس درس قائم کرنے کو مناسب سمجھا۔ چنانچہ امام ابوحنیفہؒ نے ایک صاحب کو ایک استفتاء سمجھا کر امام ابویوسفؒ کے مجلسِ درس میں بھیج دیا کہ :

''ایک شخص نے کسی دھوبی کو کپڑا دھونے کے لئے دیا۔ دھوبی نے اس کو واپس لینے کی ایک تاریخ بتادی، جب کپڑے کا مالک متعینہ تاریخ کو اپنا کپڑا مانگنے آیا تو دھوبی نے کپڑا واپس دینے سے انکار کردیا۔

پھر اس کے بعد خود دھوبی وہ کپڑا دینے آیا تو کپڑے کے مالک پر اس دھوبی کی اُجرت واجب ہوگی یا نہیں؟ اگر ابویوسف کہیں کہ اُجرت واجب ہوگی تو تم کہہ دینا کہ غلط، اور اگر کہیں کہ اُجرت واجب نہیں ہوئی تب بھی کہہ دینا غلط۔

چنانچہ امام ابوحنیفہؒ کا فرستادہ شخص امام ابویوسفؒ کی مجلسِ درس میں حاضر ہوا اور جس طرح انہیں بتلایا گیا تھا انہوں نے وہی کیا اور کہا۔

امام ابویوسفؒ ذہین اور دور رس تھے فوراً سمجھ گئے کہ اس کا پس منظر کیا ہے۔ گھبرائے اپنے فعل پر تنبہ حاصل ہوا۔ فوراً امام ابوحنیفہؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا : ''تمہیں یہاں دھوبی والا مسئلہ لایا''۔

امام ابو یوسفؒ اپنے کیئے پر نادم تھے۔ امام ابوحنیفہؒ نے مسئلہ کو سلجھاتے ہوئے فرمایا کہ جب دھوبی نے کپڑا دھونے سے پہلے دینے سے انکار کر دیا تھا، تب وہ غاصب قرار پائے اور غاصب کے لئے اُجرت نہیں ہوتی اور جب کپڑا دھونے کے بعد انکار کر دیا تھا تو کپڑا دھونے کی وجہ سے اُجرت واجب ہوگئی تھی، اب جب وہ کپڑا از خود واپس لے آیا تو غصب کا جرم ساقط ہوگیا تو اس کا حقِ اُجرت بدستور باقی رہا۔

(وفیات الاعیان لابن خلکان جلد ۵ وعقود الجمان ص ۲۵۳)

ضحاک خارجی دم بخود رہ گیا :

اللہ پاک نے امام صاحبؒ کو ذکاوت، جودتِ طبع اور مشکل سے مشکل مسئلہ کو ایسے عام فہم طریقہ سے سمجھانے کی صلاحیت دی تھی کہ مخالف سے مخالف شخص بھی قائل ہو جاتا اور طویل بحثیں جلد اور آسانی سے طے ہو جاتی تھیں، سیرت النعمان میں ہے کہ :

> ''ایک دفعہ ضحاک خارجی جو خارجیوں کا مشہور سردار تھا اور بنو اُمیہ کے زمانہ میں کوفہ پر قابض ہو گیا تھا۔ امام ابوحنیفہؒ کے پاس آیا اور تلوار دکھا کر کہا ''توبہ کرو'' امام صاحبؒ نے پوچھا کس بات سے؟ ضحاک نے کہا، تمہارا عقیدہ ہے کہ علیؓ نے معاویہؓ سے جھگڑے میں ثالثی مان لی تھی۔ حالانکہ وہ حق پر تھے تو ثالث ماننے کے کیا معنیٰ؟ امام صاحبؒ نے فرمایا، اگر میرا قتل مقصود ہے تو اور بات ہے ورنہ اگر حق منظور ہے تو مجھ کو تقریر کی اجازت دو۔
>
> ضحاک نے کہا میں بھی مناظرہ ہی چاہتا ہوں۔ امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا، اگر بحث آپس میں طے نہ ہو تو کیا علاج؟ ضحاک نے کہا ہم دونوں ایک شخص کو منصف قرار دیں۔ چنانچہ ضحاک ہی کے ساتھیوں سے ایک شخص

کا منصف کے لئے انتخاب کیا گیا کہ دونوں فریق کی صحت و غلطی کا تصفیہ کرے۔ امام صاحبؒ نے فرمایا، یہی تو حضرت علیؓ نے بھی کیا تھا پھر ان پر الزام کیا ہے۔ ضحاک دم بخود رہ گیا اور چپکے سے اُٹھ کر چلا گیا''۔

(عقود الجمان ص ۲۶۵)

ابوحنیفہؒ کا حکیمانہ فیصلہ:

رائے و تدبیر، عقل و فراست اور نقطہ آفرینی امام ابوحنیفہؒ کے مشہور اوصاف ہیں۔ محمد انصاریؒ کہا کرتے تھے کہ ابوحنیفہؒ کی ایک ایک حرکت یہاں تک کہ بات چیت، چلنے پھرنے میں دانش مندی کا اثر پایا جاتا تھا۔ علی بن عاصم کا قول ہے کہ اگر آدھی دنیا کی عقل ایک پلہ میں اور ابوحنیفہؒ کی عقل دوسرے پلہ میں رکھی جاتی تو ابوحنیفہؒ کا پلہ بھاری ہوتا۔

کوفہ کے ایک شخص نے بڑے دھوم دھام سے ایک ساتھ اپنے دو بیٹوں کی شادی کر دی۔ ولیمہ کی دعوت میں شہر کے تمام اعیان و اکابر کو مدعو کیا۔ ''مسعر بن کدام''، حسن بن صالح، سفیان ثوریؒ اور امام اعظم ابوحنیفہؒ بھی شریکِ دعوت تھے۔ لوگ بیٹھے کھانا کھا رہے تھے کہ دفعۃً صاحبِ خانہ بدحواس گھر سے نکلا اور کہا ''غضب ہو گیا''۔ لوگوں نے کہا، خیر تو ہے؟ بولا، زفاف کی رات عورتوں کی غلطی سے شوہر اور بیبیاں بدل گئیں جو لڑکی جس کے پاس رہی وہ اس کا شوہر نہ تھا۔

سفیانؒ نے کہا امیر معاویہؓ کے زمانہ میں بھی ایسا ہوا تھا۔ اس سے نکاح میں کچھ فرق نہیں آتا۔ البتہ دونوں کو مہر لازم ہوگا۔

مسعر بن کدامؒ امام ابوحنیفہؒ کی طرف مخاطب ہوئے کہ آپ کی کیا رائے ہے۔ آپ نے فرمایا شوہر خود میرے پاس آئیں تو جواب دوں گا۔ لوگ جا کر دونوں شوہروں کو

بلا لائے۔ امام صاحبؒ نے دونوں سے الگ الگ پوچھا کہ ''رات جو عورت تمہارے ساتھ رہی وہی تمہارے نکاح میں رہے تو تم کو پسند ہے؟ دونوں نے کہا ہاں، تب امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا:

تو تم دونوں اپنی بیبیوں کو جن سے تمہارا نکاح بندھا تھا طلاق دے دو، اور ہر شخص اس عورت سے نکاح پڑھا لے جو اس کے ساتھ ہم بستر رہ چکی۔ (عقود الجمان ص ۲۵۵)

حضرت سفیان ثوریؒ نے جو جواب دیا تھا فقہ اور حقیقت مسئلہ کے لحاظ سے وہ بھی صحیح تھا، وطی بالشبہ سے نکاح نہیں ٹوٹتا، مگر امام اعظم ابوحنیفہؒ نے جس مصلحت کو پیشِ نظر رکھا وہ ان ہی کا حصہ ہے، ایک دوسرے کی بیوی سے وطی کے بعد اپنی اصلی بیوی سے نکاح قائم رکھنا غیرت وحمیت کے خلاف ہوگا۔ تزوج کا اصل مقصد خلوص ومحبت اور اتحاد بڑی مشکل سے پیدا ہوگا۔

ابوحنیفہؒ کی تدبیر سے گم شدہ متاع مل گئی:

ایک صاحب نے امام اعظمؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میں نے کچھ روپے ایک جگہ احتیاط سے رکھ دئے تھے۔ اب ہزار کوشش کے باوجود یاد نہیں آ رہا کہ کہاں رکھے تھے، مجھ کو سخت ضرورت درپیش ہے۔

امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا، بھائی یہ مسئلہ تو فقہ میں کہیں بھی مذکور نہیں۔ مجھ سے کیا پوچھنے آئے ہو۔ اس شخص نے بڑی لجاجت کی اور کہا، خدارا میری مدد فرمایئے، تو امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا، ابھی سے وضو کر کے ساری رات نماز پڑھو۔

صاحب واقعہ نے وضو کیا اور نماز پڑھنی شروع کر دی۔ اتفاق یہ کہ تھوڑی دیر بعد کہ ابھی چند رکعت نماز پڑھی تھی، ان کو یاد آ گیا کہ روپے فلاں جگہ رکھے تھے۔ وہ شخص دوڑا ہوا امام اعظم ابوحنیفہؒ کے پاس آیا، اور عرض کیا کہ آپ کی تدبیر راست آئی اور مجھے گم شدہ

متاع مل گئی۔ امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا، ہاں، شیطان کب گوارا کر سکتا تھا کہ رات بھر نماز پڑھتے رہو۔ اس لئے اس نے جلد یاد دلایا۔ تاہم تمہارے لئے مناسب یہ تھا کہ اس کے شکریہ میں شب بیداری کرتے اور تمام رات نمازیں پڑھتے، تاکہ شیطان کو بھی ذلت نصیب ہوتی۔ (وفیات الاعیان ابن خلکان جلد ۵ ص ۴۱۱، وعقود الجمان ص ۲۶۸)

امام اعظم ابوحنیفہؒ سے متعلق چند ایک تاریخی واقعات آپ نے ملاحظہ فرما لئے، جس سے ان کے حافظہ و ذہانت کی غیر معمولی قوت، استحضار، نمایاں ذکاوت، علمی تبحر، طبّاعی و شجاعت، سریع الفہمی، فکری استقلال، بحث و مناظرہ، حق پرستی، صاف گوئی، ستھرے استدلال، وسعت نظر، رائے و قیاس، اجتہاد و استنباطِ احکام، حاضر دماغی اور جامعیت کی بخشی ہوئی عظیم صلاحیتوں کے پیشِ نظر نیز علم حدیث سے خصوصی تعلق اور مناسبت کی وجہ سے حدیث کا ذخیرہ گویا ان کے آنکھوں کے سامنے اور زبان کی نوک پر تھا، تدریس اور بحث و مناظرہ کے وقت اس سے بے تکلف استفادہ اور اس کا اعادہ کر سکتے تھے۔ وہ اپنے زمانے کے سب سے بڑے حافظِ حدیث تھے۔ ان کا حافظہ کبھی ان سے بے وفائی اور خیانت نہیں کرتا تھا۔ حدیث کا ذخیرہ جتنا وسیع اور عظیم ہے، اس کو ہر وقت متحضر رکھنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اتنی ہی اعلیٰ صلاحیتوں سے امام ابوحنیفہؒ کو نوازا تھا۔

احادیث کے استحضار اور ان سے احکام کے استنباط و استخراج میں ابوحنیفہؒ نے ایسے تبحر اور جامعیت کی شان پیدا کر لی تھی کہ ان کے وہ نامور معاصرین جو سن میں ان سے بڑے، علمی نسبتوں میں ان کے مشائخ و اساتذہ اور اپنے زمانہ کے مسلّم الثبوت حافظ الحدیث استاد اور امامِ فن تھے۔ امام ابوحنیفہؒ کے رائے اجتہاد، استنباطِ احکام نکتہ آفرینیوں، باریک بینیوں اور صحیح اور مصالح پر مبنی فیصلوں، علمی تبحر اور جامعیت کو دیکھ کر انگشت بدنداں رہ جاتے تھے اور اس کی شہادت دیتے تھے۔ (محدثین عظام اور ائمہ کبار کی شہادتیں باب ۴ میں تفصیلاً درج کر دی گئی ہیں، وہاں ملاحظہ کر لی جائیں) کہ وہ علم کا دریا اور اسلام کا بولتا ہوا ایک وسیع علمی ذخیرہ

ہیں۔ امام اعظم ابوحنیفہؒ اور آپ کے تلامذہ اور رفقاءِ کار ہر ایک گویا علوم شرعیہ کا دائرۃ المعارف (انسائیکلو پیڈیا) تھا۔ علوم و معارف میں جتنی وسعت تھی اللہ نے ابوحنیفہؒ کو اسی قدر فکر میں عمق عطا فرمایا تھا۔

ان کی بے چین اور مواج طبیعت، ان کا نکتہ سنج و نکتہ آفرین دماغ ان کا سیال و رواں فکر، صرف حفظ و روایتِ حدیث پر قانع نہیں ہو سکتا تھا بلکہ قرآن مجید کا گہرا علم، مسائل شریعت سے گہری واقفیت اور اُصولِ فقہ اور اُصولِ تشریع کا ملکہ راسخہ ان کی ہر تحقیق و استنباط میں ان کا رفیق رہا۔ ان کی فکری کاوشوں سے نئے علمی حقائق، علمی نکتے، ناقدانہ بحثیں اور جدید اُصولی مباحث کے علاوہ فہمِ قرآن کی ایک نئی راہ اور مقاصد شریعت کے سمجھنے کا نیا دروازہ کشادہ ہوا۔

امامِ اعظم ابوحنیفہؒ نے کبھی بھی نقلِ صحیح پر عقلِ صریح کو ترجیح نہیں دی۔ بلکہ ان کے نزدیک صحیح عقل اور صحیح نقل میں کبھی تعارض ہو نہیں سکتا۔ شرط یہ ہے کہ عقلِ سلیم ہو اور نقل صحیح و محفوظ ہو، معقول اور منقول میں پوری موافقت ہے، جو باتیں وحی و نبوت اور کتاب و سنت سے ثابت ہو چکی ہیں، صحیح و کامل عقل ان سب کی تصدیق کرتی ہے اور جب بھی بالغ نظری اور دقتِ نظر سے کام لیا جائے گا اور جب بھی اس پہلو سے امام ابوحنیفہؒ کے استنباط کردہ احکام و مسائل اور فقہ حنفی کو پرکھا جائے اور بغیر کسی تعصب کے طلبِ حق کے جذبہ سے ریسرچ کی جائے تو یہ واضح ہو کر سامنے آ جائے گا کہ فقہ حنفی کی بنیاد محض نقلیات و سمعیات پر ہے اور دلائل ایسے محکم، مدلل اور واضح الثبوت ہیں کہ مخالفین کے اعتراضات اور قوی سے قوی گرفتیں بھی قدرے غور کے بعد محض توہم اور ہوائی قلعہ ثابت ہوتے ہیں، جسے محض لفاظی قرار دیا جا سکتا ہے اور جن کی کوئی علمی بنیاد نہیں۔

☆☆☆

باب : ۹

حنفی تاریخ کے بعض حیرت انگیز، نادر، علمی اور تاریخی شہ پارے ائمہ احناف کی سیرت و کردار کے چند پہلو

اس عنوان کے تحت ذیل میں امامِ اعظم ابوحنیفہؒ، آپ کے جلیل القدر تلامذہ اور دیگر ائمہ احناف کے بعض مؤثر واقعات، ایمان آفرین اور انقلاب انگیز حالات درج کئے جا رہے ہیں، جن کے ذریعے انسانی زندگی، اسلامی سیرت و کردار، ظاہری و باطنی کمالات، جامعیت، ذوقِ مطالعہ، علمی، تصنیفی اور تدریسی انہماک، بلند اخلاقی، اولوالعزمی، فکرمندی و دلسوزی، شوقِ شہادت و عزیمت، رجوع و انابت، اتباعِ شریعت و سنت کی دعوت اور سعی و جدوجہد کے کچھ عملی نمونے سامنے آجاتے ہیں۔

جن کے مطالعہ سے قلوب میں رقت اور ذوقِ عمل کا جذبہ بیدار ہوتا ہے۔ اپنی خامیوں اور کمزوریوں کا احساس ہونے لگتا ہے۔ ہمت میں بلندی، قلب و نظر میں وسعت، وقت کی قیمت، زندگی کی کوتاہی کا شعور، عمل نافع اور باقیاتِ صالحات کے ذخیرہ کی آرزو اور

شوق پیدا ہونے لگتا ہے۔

اس لحاظ سے یہ باب ان شاء اللہ اس عہد پُر فتن اور دورِ انقلاب میں موضوع اور مقصد کے لحاظ سے مفید، ہمت آفریں، فکر انگیز، مزید مطالعہ و تحقیق کے لئے محرک اور سعی و جدوجہد کے لئے شوق انگیز ثابت ہوگا۔

واقعات کے انتخاب میں کسی ترتیب کو ملحوظ رکھے بغیر دورانِ مطالعہ جس بات سے تسکینِ خاطر اور ذوقِ عمل کی انگیخت ہوئی نوٹ کر لی اور اب وہی ناظرین کے پیشِ خدمت ہے ....

بہر تسکین دل نے رکھ لی ہے غنیمت جان کر
جو بوقتِ ناز کچھ جنبش تیرے ابرو نے کی

ابوحنیفہؒ کی خود انکاری اور تواضع :

اپنے علم کے متعلق امام اعظم ابوحنیفہؒ کے جو احساسات تھے، ان کا پتہ خود ان کے بعض اقوال سے چلتا ہے۔

کہتے ہیں کوفہ کے بازار میں ایک آدمی یہ پوچھتے ہوئے داخل ہوا کہ ابوحنیفہ فقیہ کی دوکان کہاں ہے؟ اتفاق سے یہ سوال خود انہوں نے امام ابوحنیفہؒ سے کیا تو امام صاحبؒ نے فرمایا :

لیس هو بفقیه انما هو مفت متکلّف۔ (موفق ج ۲ ص ۹۲ و عقود الجمان ص ۳۰۲)

وہ فقیہ نہیں ہے بلکہ زبردستی مفتی (یعنی فتویٰ دینے والا) بن بیٹھا ہے۔

خشیت اور تقویٰ :

کہتے ہیں کہ امام صاحب ایک صاحب سے گفتگو کر رہے تھے۔ اچانک اس نے امام صاحبؒ سے کہا :

اتق اللّٰہ خدا سے ڈرو

اس لفظ کا اس کے منہ سے نکلنا تھا کہ امام کا چہرہ زرد پڑ گیا سر جھکا لیا اور کہتے جاتے تھے۔

"بھائی ! خدا آپ کو جزائے خیر دے علم پر ناز جس وقت کسی کو ہونے لگے اس وقت اس کا وہ محتاج ہوتا ہے کہ کوئی اس کو خدا یاد دلا دے"۔

(ایضاً ص ۹۵ وص ۲۲۷)

استغنا و توکل :

ابوجعفر منصور عباسی خلیفہ نے جب امام اعظم ابوحنیفہؒ کی خدمت میں مسلسل سینکڑوں کے تحائف و ہدایا اور نذرانے پیش کئے اور امام اعظم ابوحنیفہؒ نے بڑی بے نیازی سے ٹھکرا دئے تو ابوجعفر منصور نے امام صاحب سے گاہے گاہے دربار میں آنے اور ملاقات کا موقعہ بخشنے کی درخواست کی تو جواب میں امام ابوحنیفہؒ نے ان کے دربار میں وہی اشعار دہرائے جو والی کوفہ عیسیٰ بن موسیٰ کے دربار میں کہے تھے ......

کسرة خبزٍ و قعبُ ماءٍ وفروِ ثوب مع السلامه
خير من العيشِ في نعيم يكون بعدها الملامه

(عقود الجمان ص ۳۰۶)

فارسی میں ضیاء گیلانی نے اس کا ترجمہ یوں کیا ہے :

کوزۂ آب پارۂ نانے جامۂ چند درتن و جانے
ہست بہتر ہزار بار زعیش کآورد عاقبت پشیمانے

(امام ابوحنیفہ کی سیاسی زندگی ص ۲۹۵)

ابوحنیفہؒ کا زندگی میں پہلا اور آخری عدالتی فیصلہ :

جن دنوں دجلہ کے اس پار ایک چھوٹی سی آبادی کی بنیاد پڑ رہی تھی جو بعد میں

ایک بڑا فوجی کیمپ قرار پایا، اور رصافہ کے نام سے مستقل شہر بن گیا۔ امام ابوحنیفہؒ نے قاضی القضاۃ اور وزارتِ عدل کے جلیل منصب کو ٹھکراتے ہوئے چند ایک گھروں کی اس چھوٹی سی بستی کی دوایک روز کی قضا قبول کرلی۔ آپ کی عدالت میں سب سے پہلا اور آخری مقدمہ جو دائر ہوا اور جس کے بعد امام ابوحنیفہؒ نے استعفیٰ دیدیا وہ ایک غریب ٹھٹھیرے (صفار) کا تھا۔ جس نے ایک شخص پر دعویٰ کیا کہ میں نے اس کو پیتل کی ایک ٹھلیا دی تھی جس کی قیمت میں دو درہم اور چار پیسے باقی رہ گئے۔

ابوحنیفہؒ نے مدعیٰ علیہ کو مخاطب کر کے فرمایا :

بھائی ! اللہ سے ڈر، ٹھٹھیرا جو کچھ کہہ رہا ہے بتا کہ واقعہ کیا ہے؟

مدعیٰ علیہ نے انکار کر دیا۔

مدعیٰ کے پاس گواہ نہیں تھے تو مدعیٰ علیہ پر قسم آنی تھی، لہٰذا قانونی طریقہ اختیار کرتے ہوئے ابوحنیفہؒ نے مدعیٰ علیہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا :

قل واللّٰہ الذی لا الہ الا ھو۔ (تاریخ بغداد ج ۱۳، ص ۳۲۹)

اچھا کہو ! قسم ہے اس اللہ کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔

ابوحنیفہؒ نے دیکھا کہ مدعیٰ علیہ بغیر کسی جھجک کے بے تحاشا قسم کھانے لگا۔

ایمان کی حسّی ذکاوت سے ابوحنیفہؒ کی فطرت سرفراز تھی، قسم کھانے کی یہ دلیری اور جرأت ان کے لئے ناقابلِ برداشت ہوگئی۔ مدعیٰ علیہ کی بات ابھی پوری نہ ہوئی تھی کہ ابوحنیفہؒ نے اس کی بات کو کاٹ کر اسے چپ کرا دیا اور اپنے دستی بیگ سے دو بھاری بھاری درہم نکال کر ٹھٹھیرے کو دیتے ہوئے فرمایا :

''اپنے دام کے جس بقایا کا تم نے اس پر دعویٰ کیا ہے مجھ سے لے لو۔ اس طریقہ سے مدعیٰ علیہ کو آپ نے قسم کھانے سے روک لیا اور ساری زندگی کسی مقدمہ کے عملی تجربے کا

یہی ایک موقعہ تھا جو آپ کو ملا۔

شفقت و ہمدردی اور انسانی مروّت کا حیرت انگیز واقعہ :

مشہور شیخ الصوفیہ حضرت شفیق بلخی کی یہ چشم دید روایت نقل کی جاتی ہے، کہتے ہیں کہ میں ایک روز ابو حنیفہؒ کے ساتھ ساتھ جا رہا تھا۔ اتنے میں دور سے آتے ہوئے شخص نے ہمیں دیکھ کر راستہ بدل دیا اور ایک دوسری گلی میں مڑ گیا۔ شفیق فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ امام ابو حنیفہؒ اسی شخص کو خطاب کر کے پکار رہے ہیں :

"جس راستے پر تم آ رہے تھے اسی پر چلے آؤ بھائی ! دوسرای راہ تم نے کیوں اختیار کی"۔ راہ گیر ٹھہر گیا، ہم قریب پہنچے تو بے چارہ کچھ کچھ شرمایا سا کھڑا ہوا ہے۔ امام ابو حنیفہؒ نے ان سے پوچھا کہ تم نے اپنی راہ کیو بدل لی؟ راہ گیر نے عرض کیا، حضرت! دس ہزار کی رقم آپ کی مجھ پر باقی ہے ادا کرنے میں تاخیر ہوگئی ہے۔ آپ کو دیکھ کر سخت ندامت ہوئی، نظر برابر کرنے کی استطاعت نہیں رکھتا، اس لئے دوسری گلی کی طرف مڑ گیا تھا۔

امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا، سبحان اللہ! بس اتنی سی بات کے لئے تم نے مجھے دیکھ کر راستہ بدل دیا اور مجھ سے چھپنے کی کوشش کی۔ صرف یہ نہیں بلکہ امام صاحبؒ نے قرض دار کو یہ بھی کہا کہ ...... **قد وهبت منی کله** ۔ (الموفق ج ۱ ص ۲۶۰)

جاؤ میں نے یہ ساری رقم اپنی طرف سے تمہیں ہبہ کر دی ہے۔

ابو حنیفہؒ نے صرف اس پر کہاں اکتفا کیا، شفیق راوی ہیں کہ اس پر مستزاد یہ کہ امام ابو حنیفہؒ اپنے قرض دار سے معافی مانگ رہے تھے۔

بھائی ! مجھے دیکھ کر تمہارے دل میں ندامت یا دہشت کی جو کیفیت پیدا ہوئی خدا کے لئے معاف کر دو۔ (عقود الجمان ص ۲۳۵)

گالی کا جواب اخلاق سے :

حاسدوں کا گروہ گاہے گاہے شہر کے غنڈوں کو آمادہ کر کے امام ابوحنیفہؒ کو بری بھلی باتیں بھی سنوایا کرتا۔ تذکرہ نگاروں نے بیسیوں واقعات نقل کئے ہیں۔ ہم یہاں بطورِ نمونہ ایک واقعہ درج کئے دیتے ہیں۔

لکھا ہے کہ انہی غنڈوں میں ایک شخص امام صاحبؒ کو سرِ راہ بُرا بھلا اور سخت و سُست کہتے ہوئے پیچھا کیا چاہتا تھا۔ مقصد یہ تھا کہ امام صاحبؒ بھی اس کی یاوہ گوئیوں کے جواب میں کچھ کہیں۔ مگر امام ابوحنیفہؒ اس کی گالیاں سنتے، سر جھکائے گھر کی طرف بڑھے جا رہے تھے، جب امام صاحبؒ نے جواب نہ دیا تو گالیاں بکنے والا کھسیانا سا ہو کر کہنے لگا کہ :

''کیا مجھے کوئی کتا فرض کر لیا ہے کہ میں بھونک رہا ہوں اور تم جواب بھی نہیں دیتے''۔

بلکہ اسی قسم کے ایک واقعہ میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ امام صاحبؒ جب اپنے گھر کے دروازے پر پہنچ گئے تب گالیاں بکنے والے سے خطاب کر کے فرمایا :

لو بھائی ! اب میری حویلی آ گئی، اندر چلا جاؤں گا، جی اگر نہ بھرا ہو تو میں ٹھہر جاتا ہوں اپنی بھڑاس اچھی طرح نکال لو۔ (عقود الجمان ص ۲۹۱،۲۹۲)

مجاہدہ و ریاضت :

مجاہدہ و ریاضت، تہجد و شب بیداری کے واقعات امام صاحبؒ کے تذکرہ نگاروں نے اس کثرت سے لکھے ہیں کہ وہ حد تواتر کو پہنچے ہیں، صاحب معجم نے لکھا ہے :

من ثم یسمّی الوتد من کثرة قیامه باللیل ۔ (معجم المصنفین ص ۶۸ و عقود الجمان ص ۲۲۱)

شب بیداری اور مسلسل قیام لیل کی وجہ سے لوگ امام ابوحنیفہؒ کو وتد یعنی میخ

بھی کہتے تھے۔

اس سلسلہ میں کتابوں میں ایک لطیفہ بھی منقول ہوتا چلا آیا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کے پڑوس میں ایک صاحب کا مکان تھا۔ امام صاحب کا جب انتقال ہوگیا تو اسی پڑوسی کے چھوٹے بچے نے اپنے باپ سے پوچھا، ابا، سامنے پڑوسی کی چھت پر ایک ستون نظر آتا تھا اسے کیا ہوگیا، کس نے گرادیا کہ اب وہ نظر نہیں آتا۔

باپ نے کہا بیٹا ! وہ تو امامِ اعظم ابوحنیفہؒ تھے، رات بھر کھڑے ہوکر نمازیں پڑھا کرتے تھے، وہ ستون اب گر گیا ہے یعنی امام صاحب کی وفات ہوگئی۔

(الموفق ۲۵۵ و عقود الجمان ص ۲۲۲)

متاعِ گم گشتہ کی تلاش :

داؤد طائی کا شمار اسلام کے اکابر اولیاء اللہ میں ہے۔ امام صاحبؒ کے قدیم تلامذہ میں تھے۔ ابوحنیفہؒ کے تلمذ میں علمِ حدیث و فقہ میں عربیت اور قرأۃ و تفسیر میں کافی دستگاہ حاصل کرلی۔

ایک روز امام ابوحنیفہؒ نے ان سے فرمایا، داؤد ! آلات تو تمہارے سارے مکمل ہوگئے۔ داؤد نے عرض کیا، تو پھر کوئی چیز باقی بھی رہی؟ امام صاحبؒ نے فرمایا، علم پر عمل کرنا باقی رہ گیا ہے۔ اسی وقت اُٹھے وراثت میں حاصل کردہ زمین کو چار سو درہم میں فروخت کر دیا اور دنیا سے الگ ہوگئے۔ لوگوں سے بہت کم ملتے جلتے تھے۔

ایک روز فضیل بن عیاضؒ ملنے آئے، دروازہ نہ کھولا، فضیل باہر بیٹھے بیٹھے رونے لگے، داؤد طائی اندر بیٹھے رو رہے تھے۔ فضیل نے عرض کیا، آخر کہاں جاؤں، مجھے تو آدمی کی تلاش ہے۔

فرمایا : یہی تو وہ گم گشتہ متاع ہے جو نہیں ملتی۔

مجلس البرکۃ اور محتاجوں کی حاجت براری :

امام اعظم ابوحنیفہؒ کی ''مجلس البرکۃ'' کا ذکر اسی کتاب میں کسی اور مقام پر بھی درج کر چکا ہوں۔ ذیل میں اس سلسلہ کا ایک واقعہ جسے امام ابوحنیفہؒ کے اکثر سوانح نگاروں نے لکھا ہے، درج کر دیا جاتا ہے، جس سے ابوحنیفہؒ کی قیام گاہ کے ''مجلس البرکۃ'' کے نام سے مشہور ہونے کی وجہ بھی معلوم ہو جاتی ہے۔

لکھا ہے کوفہ میں ایک صاحب بڑے خوشحال تھے، مگر ایام بدلے زمانہ کی گردش میں مبتلا ہو گئے۔ فقر و تنگ دستی کا دور آیا، مگر تھے بڑی غیرت اور حمیت والے، جس طرح بھی گذر رہی تھی، گذار رہے تھے۔ اتفاق سے ایک روز اس کی چھوٹی بچی تازہ ککڑیوں کو دیکھ کر چلاتی ہوئی گھر آئی۔ ماں سے ککڑی لینے کے لئے پیسے مانگے، مگر افلاس تھا، ماں بچی کی مراد کب پوری کر سکتی تھی، بچی بلبلا رہی تھی، اس کا باپ بیٹھا تماشا دیکھ رہا تھا، آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور امام اعظم ابوحنیفہؒ سے امداد حاصل کر لینے کا فیصلہ کر لیا۔ مجلس البرکۃ میں حاضر ہونے کا ارادہ کیا اور مجلس البرکۃ امام ابوحنیفہؒ کی مجلس کا نام تھا۔ (الموفق ص: ۲۶۳)

لیکن جس نے کبھی بھی کسی سے نہ مانگا تھا، آج بھی اس کی زبان نہ کھل سکی۔ حیاو شرم اور حمیت مانع رہی۔ آخر بے چارہ یوں ہی اُٹھ کر چلا گیا۔

لکھا ہے امام ابوحنیفہؒ نے اس کے چہرے سے اس کو تاڑ لیا تھا کہ اسے کوئی حاجت ہے مگر شرافت اس کے اظہار سے مانع ہے، جب وہ شخص گھر چلا تو ابوحنیفہ بھی چپکے سے اس کے پیچھے ہو لئے، جس گھر میں وہ داخل ہوا، اس کو خوب پہچان لیا۔ رات آئی اور جب کافی بیت گئی تو امام ابوحنیفہؒ اپنی آستین میں پانچ سو درہم کی تھیلی دبائے اس صاحبِ حاجت کے دروازہ پر پہنچ گئے، کنڈی کھٹ کھٹائی، جب وہ قریب آیا تو ابوحنیفہؒ نے جلدی سے وہ تھیلی اس کے دروازہ کی چوکھٹ پر رکھ دی اور خود اندھیرے میں جلدی سے اُلٹے

پاؤں یہ کہتے ہوئے واپس لوٹے :

"دیکھو تمہارے دروازے پر تھیلی پڑی ہوئی ہے، یہ تمہارے ہی لئے ہے"۔

اس صاحب نے اندر جا کر تھیلی کھولی تو اس کے اندر ایک پرزہ پایا، جس پر لکھا ہوا تھا :

هذ المقدار قد جاء به ابو حنيفه اليک من وجه حلال فليفرغ بالا ۔

ابو حنیفہ اس رقم کو لے کر تیرے پاس آیا تھا، یہ حلال ذریعہ سے حاصل کی گئی ہے، چاہئے کہ اس سے اپنے قلب کی فراغت میں کام لو۔

ابو حنیفہؒ سایہ چھوڑ کر دھوپ میں بیٹھ گئے :

اسماعیل بغدادی کہتے ہیں کہ کسی نے یزید ابن ہارون سے دریافت کیا کہ آدمی کو فتویٰ دینا کب جائز ہے۔ فرمایا : جب ابو حنیفہؒ کا احتیاط اختیار کرے، سائل نے کہا، حضرت آپ یہی کہتے ہیں، فرمایا، ہاں میں اس سے بھی زیادہ کہوں گا۔ ہاں میں نے ان سے زیادہ فقیہ اور اورع (زیادہ پرہیزگار) نہیں دیکھا۔

ایک روز امام صاحبؒ کسی شخص کے دروازہ کے سامنے دھوپ میں بیٹھے ہوئے ہیں، میں نے کہا، اگر آپ دھوپ چھوڑ کر اس گھر کے سایہ میں بیٹھ جاتے تو بہتر ہوتا، اور ایک روایت میں ہے کہ میں نے امام ابو حنیفہؒ کو قسم دے کر دریافت کیا کہ سایہ چھوڑ کر دھوپ میں بیٹھنے کا سبب کیا ہے، تو انہوں نے فرمایا، اس صاحبِ مکان پر میرا کچھ قرض ہے، میں اپنے مقروض کے گھر کے سایہ کے استعمال کو اس وجہ سے مکروہ سمجھتا ہوں کہ کہیں وہ ناجائز نفع اور سود میں نہ آ جائے (کیونکہ حدیث کا مضمون ہے، جس قرض سے کوئی نفع حاصل ہو وہ سود ہے)

(موفق، الانتصار، کردری وعقود الجمان ص ۲۴۴)

حالت نزع میں تعلیم مسائل :

تعلیم علم اور تعلیمِ مسائل سے امام ابو یوسفؒ کو بے انتہاء دلچسپی تھی۔ اس کام سے وہ کبھی اور کسی حالت میں غافل نہ رہتے تھے۔ اب اس سے بڑھ کیا ہوگا کہ عالمِ احتضار (حالتِ نزع) میں بھی وہ اپنے اس فریضہ سے غافل نہیں رہے۔

ابراہیم ابن الجراح کی روایت ہے کہ :

امام ابو یوسفؒ بیمار پڑے، میں ان کی عیادت کے لئے حاضر ہوا، میں نے دیکھا کہ بیہوشی طاری ہے، جب ذرا افاقہ ہوا، آنکھ کھولی اور مجھ سے فرمایا :

اے ابراہیم! رمی جمار میں افضل صورت کیا ہے؟ آیا رمی جمار پیدل کرنا چاہئے یا سوار ہو کر ؟

میں نے جواب دیا، پیدل، فرمایا ''غلط''۔ میں نے عرض کیا ''سوار ہو کر'' ارشاد ہوا یہ بھی ''غلط'' اس کے بعد فرمایا :

جو شخص دعا کے لئے وہاں رُکنا چاہتا ہو اس کے لئے افضل ہے کہ پاپیادہ رمی جمار کرے اور جو نہ رُکنا چاہتا ہو اس کے لئے افضل یہ ہے کہ سواری پر بیٹھے بیٹھے رمی جمار کرلے اور آگے بڑھ جائے۔

ذرا دیر بیٹھ کر امام ابو یوسفؒ کے پاس سے رُخصت ہوا، مشکل سے دروازے تک پہنچا ہوں گا کہ کان میں رونے دھونے کی آواز آئی، میں فوراً پلٹا، معلوم ہوا کہ امام صاحبؒ اس جہانِ فانی سے رخصت ہوگئے۔ خدا ان پر اپنی رحمتیں نازل کرے۔

(سیرت امام ابو یوسفؒ از علامہ زاہد الکوثریؒ)

شوقِ علم کی انتہاء :

امام ابو یوسفؒ کو امام ابو حنیفہؒ کی ذات سے اتنا گہرا ربط پیدا ہوگیا تھا اور ان

کی مجلسِ درس سے ان کے شغف و انہماک کا یہ عالم تھا کہ دنیا کا ہر کام چھوڑ سکتے تھے، مگر مجلس درس کی حاضری ترک کرنے پر آمادہ نہ تھے، محمد بن قدام سے روایت ہے کہ انہوں نے امام ابو یوسفؒ کو کہتے ہوئے سنا :

''میرے لڑکے کا انتقال ہو گیا لیکن میں نے نہ اس کی تدفین و تجہیز میں حصہ لیا نہ تکفین میں' یہ سارا کام میں نے اپنے پڑوسیوں اور عزیزوں پر چھوڑ دیا۔ مجھے یہ دھڑکا لگا رہتا تھا کہیں ایسا نہ ہو کہ میں مجلسِ درس سے بچھڑ جاؤں اور یہ حسرت رہ جائے کہ فلاں وقت میں موجود نہ تھا''۔

جماعت سے نماز نہ پڑھنے کی وجہ سے خلیفہ کا چہیتا وزیر مردود الشہادت قرار دیا گیا :

قاضی ابو یوسف نے خلیفہ کے ایک چہیتے وزیر کو مردود الشہادت قرار دیا یعنی کسی مقدمہ میں وزیر نے قاضی ابو یوسفؒ کی عدالت میں گواہی دی تھی، خلیفہ کے بعد جو سب سے بڑا وزیر تھا قاضی ابو یوسفؒ کی عدالت میں اسے سنایا جا رہا ہے کہ تمہاری شہادت قابلِ قبول نہیں قرار دی جا سکتی۔

وزیر اسے اپنی سبکی اور توہین خیال کرتے ہوئے قاضی ابو یوسفؒ کی عدالت سے سیدھے خلیفہ کے دربار میں پہنچے اور قاضی ابو یوسفؒ کے اس برتاؤ کی شکایت کی۔

وزیر کی اس شکایت پر ہارون نے قاضی ابو یوسفؒ کو بلا کر دریافت کیا کہ اس بیچارے کو آپ نے کیوں مردود الشہادت قرار دیا۔ روایتیں مختلف ہیں :

ا۔ بعض کہتے ہیں کہ قاضی صاحبؒ نے کہا کہ میں نے اپنے کانوں سے اس شخص کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں تو خلیفہ کا عبد، بندہ یا غلام ہوں ...... اس زمانہ کے خوشامدی امیروں میں کچھ یہ دستور چل پڑا تھا کہ اپنے آپ کو خلیفۂ وقت کا عبد اور غلام کہتے تھے۔

درحقیقت یہ لوگ خلیفہ کے نہیں درہم اور دینار کے بندے تھے۔ ایسا کہنے والے تمام امراء کو قاضی ابویوسفؒ نے مردودالشہادت قرار دے دیا تھا۔

ب۔ اور بعض روایتوں میں ہے کہ قاضی صاحب نے وزیر مذکور پر جرح کی کہ جماعت کے ساتھ نماز نہیں پڑھتا اور میں ایسے آدمی کی شہادت قبول نہیں کرسکتا۔

ہارون خاموش رہا اور حنفی قاضی کی عظمت اور عوامی دباؤ کے پیشِ نظر اسے حکومت کے وقار کا مسئلہ نہ بنا سکا۔

بعض روایتوں سے پتہ چلتا ہے کہ بالآخر اسی وزیر نے اپنی ڈیوڑھی میں مسجد بنائی اور جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کا پابند ہوگیا۔ (موفق ج ۲ ص ۲۲۷)

ذوقِ مطالعہ و یکسوئی قلب :

ابوحازم، امام محمدؒ کے نواسہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا، میں نے اپنی والدہ سے دریافت کیا کہ گھر میں نانا جان (امام محمدؒ) کے معمولات کیا تھے؟ میری والدہ نے بتایا، خدا کی قسم میرے بچے وہ اس گھر میں کتابوں کے ڈھیر کے سامنے بیٹھے رہتے تھے، ان کا مشغلہ صرف کتب بینی اور مطالعہ و تحریر رہ گیا تھا۔ کسی سے بات نہیں کرتے تھے اور دربان سے بھی انگلیوں کے اشارہ سے جو کچھ کہنا ہوتا فرمادیا کرتے تھے۔

(بلوغ الامانی از علامہ زاہد الکوثری)

امام ذہبی اور خطیب وغیرہ نے محمد بن سماعہ سے روایت کی ہے کہ :

امام محمدؒ نے گھر والوں سے کہہ رکھا تھا کہ ضروریاتِ دنیاوی کے سلسلہ میں مجھ سے بات چیت نہ کیا کرو، کچھ نہ کہا کرو، جتنے روپے یا جس چیز کی ضرورت ہو میرے مختار سے لے لیا کرو، کیونکہ اس طرح میرا وقت ضائع نہ ہوگا اور میں یکسوئی قلب کے ساتھ اپنا کام جاری رکھ سکوں گا۔

تعلیم وتحصیل علم کے دوران شب بیداری کا معمول :

اسد بن فرات کا تذکرہ اس کتاب میں متعدد مقامات پر آ گیا ہے۔ وہی راوی ہیں کہ

اندھا کیا چاہے دو آنکھیں۔ میں نے امام محمد کے ہاں شب باشی شروع کر دی۔ رات کو وہ اپنے پاس نہ سے ایک پیالہ لے کر اترتے جو پانی سے لبالب بھرا ہوتا اور مجھے درس دینا شروع کر دیتے۔ جب رات زیادہ گذر جاتی اور میں اونگھنے لگتا تو ایک چلو بھر کر پانی میرے منہ پر چھڑک دیتے۔ میں فوراً ہوشیار ہو جاتا۔ ایک عرصہ دراز تک ہم دونوں کا یہی معمول رہا۔ یہاں تک کہ میں نے گوہر مقصود حاصل کرلیا اور جو کچھ امام صاحب سے سیکھنا چاہتا تھا، وہ سیکھ لیا۔ (ایضاً)

محمدؒ اصغر کی کتاب دیکھ کر محمدؐ اکبر کی عظمت وصداقت کا یقین ہو گیا :

امام محمدؒ، امام اعظم ابوحنیفہؒ کے خاص شاگرد اور خود امام مجتہد ہیں۔ فقہ حنفی کا مدار تقریباً آپ کی تصانیف پر ہے۔ ان میں ایک مشہور ومعروف تصنیف مبسوط ہے جو ہزار ہزار صفحات کی چھ جلدوں میں تمام ہوئی ہے۔

علامہ زاہد الکوثریؒ نے امام محمدؒ کے تذکرے میں ایک مختصر مگر بے حد مؤثر اور کیف آور واقعہ لکھا ہے جو صرف ڈیڑھ سطر کی عبارت ہے' لیکن ہے حیرت انگیز اور ایمان آفرین' تحریر فرمایا :

واسلم حكيم من اهل الكتاب بسبب مطالعة المبسوط هذا قائلا هذا كتاب لمحمدكم الاصغر فكيف كتاب لمحمدكم الاكبر۔

(بلوغ الامانی از علامہ زاہد الکوثریؒ)

علماءِ اہلِ کتاب میں سے ایک بڑے عالم اور حکیم نے امام محمدؒ کی کتاب ''مبسوط''

کا مطالعہ کیا تو اس کتاب کے مطالعے نے اس کے قلب میں حقانیت اسلام کا یقین پیدا کر دیا اور یہ کہہ کر اپنے اسلام کا اعلان کر دیا کہ جب تمہارے محمد اصغر (محمد بن حسن) کی کتاب کا یہ حال ہے جو میرے مشاہدے میں آیا تو محمدؐ اکبر (حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم) کی کتاب کا کیا حال ہوگا۔

ہارون کے دربار میں امام محمدؒ کی حق گوئی :

عباسی حکومت کا سب سے بڑا حکمران ہارون الرشید ہے اور یہ کسی حنفی مؤرخ کی نہیں بلکہ خطیبِ بغدادی کی روایت ہے، جس کی کتاب میں حنفی ائمہ اور اکابر سے متعلق بمشکل انصاف سے کام لیا گیا ہے۔ لکھتے ہیں کہ :

''ابوعبید کہتے ہیں کہ ہم لوگ محمد بن الحسن (تلمیذ ابی حنیفہؒ) کے ساتھ تھے کہ اتنے میں ہارون الرشید کا سامنے سے گذر ہوا، ان کو دیکھتے ہی تمام حاضرین مجلس سروقد کھڑے ہو گئے۔

الا محمد بن الحسن فانه لم يقم۔

صرف محمد بن الحسن ہی ایسے ایک فرد تھے جو کھڑے نہیں ہوئے۔

تھوڑی دیر بعد امام محمد بن الحسن کی خلیفہ کی پیشی میں طلبی ہوئی۔

ابوعبیدہ کہتے ہیں کہ ان کے بلاوے سے ہم تمام حاضرین کا خون خشک ہو گیا، مگر امام محمدؒ اطمینان کے ساتھ اُٹھے اور خلیفہ کے پاس تشریف لے گئے، تھوڑی دیر بعد واپس ہوئے، چہرہ بشاش تھا، خوش نظر آرہے تھے اور خود ہی فرمانے لگے کہ خلیفہ نے بلا کر مجھ سے پوچھا کہ لوگوں کے ساتھ تم کیوں کھڑے نہیں ہوئے۔

میں نے کہا :

''مجھے کچھ اچھا معلوم نہیں ہوتا کہ آپ نے جس طبقہ میں مجھے رکھا ہے، اس طبقہ

سے نکل کر دوسرے گروہ میں داخل ہو جاؤں، آپ نے مجھے اہلِ علم کی جماعت میں داخل کیا ہے۔ یہ بات مجھے پسند نہ آئی کہ اہل علم کی جماعت سے باہر ہو کر ان لوگوں میں شریک ہو جاؤں جو آپ کی خدمت کے لئے ملازم ہیں"۔

اور یہ بھی ان سے کہا کہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے :

"کہ جو کوئی توقع رکھتا ہو کہ اس کی تعظیم کے لئے لوگ کھڑے ہوا کریں، چاہیئے کہ اپنا ٹھکانا وہ جہنم میں بنائے"۔

امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ ہارون الرشید میری گفتگو سنتا رہا اور آخر میں کہا :

صدقت یا محمد ۔ محمد! تم نے سچی بات کہی۔

آپ دیکھ رہے ہیں کہ ہارون جس کی زبان پر **النطع والسیف** (چرمی فرش اور تلوار) کے الفاظ چڑھے ہوئے تھے۔ ان کے سامنے بھی ابوحنیفہؒ کا پڑھایا ہوا سبق اور چڑھایا ہوا رنگ پھیکا نہیں پڑا۔

عبداللہ بن مبارکؒ اور ادائے امانت :

حسن بن عرفہؒ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مبارکؒ نے شام میں کسی سے ایک قلم مستعار لیا تھا۔ خراسان پہنچنے پر معلوم ہوا کہ پرایا قلم بھولے سے ساتھ آ گیا ہے تو صرف مستعار قلم کو واپس کرنے کے لئے خراسان سے شام تک کے سفر کی صعوبت برداشت کی، پرائی امانت اس کے حوالے کر کے بارِ امانت سے سبکدوش ہوئے۔ (حقیقۃ الفقہ ج ۱ص ۲۳۲)

ہارون الرشید اور ابنِ مبارکؒ کی حکومتوں میں فرق :

ایک مرتبہ خلیفہ ہارون الرشید رقہ پہنچے۔ اسی زمانہ میں عبداللہ بن مبارکؒ کی بھی رقہ تشریف آوری ہوئی۔ جب ابن مبارکؒ کی آمد کی خبر مشہور ہوئی تو ہر طرف سے لوگ

استقبال کے لئے ٹوٹ پڑے۔ اس قدر ہجوم اور عظیم استقبال ہوا کہ لوگوں کی جوتیاں ٹوٹ گئیں۔ لوگوں کا سیلاب تھا جو چہار طرف سے اُمڈ آیا۔

ہارون الرشید کی ایک حرم (اہلیہ) جو مکان کے ایک بالا خانہ پر یہ منظر دیکھ رہی تھی حیرت زدہ ہو کر دریافت کرنے لگی کہ یہ لوگوں کا کیا حال ہے یہ کس کا استقبال ہو رہا ہے؟ جب اسے بتایا گیا کہ خراسان کا ایک عالم آیا ہوا ہے، جس کا نام عبداللہ بن مبارکؒ ہے، یہ سب لوگ اس کے عقیدت مند ہیں، جو استقبال کو نکلے ہوئے ہیں تو کہنے لگی۔

''حقیقت میں اقتدار و سلطنت اسی کا نام ہے، جو اللہ نے ابن مبارک کو دی ہے' ہارون الرشید کی حکومت بھی کوئی حکومت ہے کہ پولیس اور سپاہیوں کے بغیر ایک آدمی بھی حاضر نہیں ہو سکتا۔ (حقیقۃ الفقہ ج ا ص ۲۳۲ بحوالہ ابن خلکان)

قاضی عافیہ کی دیانت احتیاط اور کمال تقویٰ :

امامِ اعظم ابوحنیفہؒ کی انقلابی تعلیمات، تاثیرات اور ان کے نتائج یہ کوئی صرف ایک دو واقعات نہیں بلکہ امام ابوحنیفہؒ کی تربیت و پرداخت نے جیسے باکردار و باصلاحیت رجالِ کار پیدا کئے اور پھر ان لوگوں کی صحبتوں میں جو لوگ بنے، اس طرح صدیوں یہ سلسلہ چلتا رہا اور چلتا رہے گا۔ ذیل میں خطیب ہی کی روایت سے ابوحنیفہؒ کے ایک دوسرے تلمیذ قاضی عافیہ کا قصہ درج کر دیا جاتا ہے۔

مہدی عباسی خلیفہ نے قاضی عافیہ کا تقرر عہدۂ قضا پر کیا تھا، کچھ دن تو کام کرتے رہے، ایک روز خلافِ معمول بستہ بغل میں دبائے خلیفہ کے دربار میں حاضر ہو کر باریابی کی اجازت چاہی، اجازت ملی تو خلیفہ سے عرض کیا کہ :

جناب عالی ! دو ماہ سے دو فریقین کا مقدمہ میرے ہاں چل رہا ہے۔ مقدمہ ذرا پیچیدہ اور دشوار تھا۔ شہادت اور گواہیاں دونوں طرف سے پیش ہو رہی تھیں، ایک کو دوسرے

پر ترجیح کی کوئی صورت سمجھ میں نہیں آ رہی تھی، تاخیر ہوئی، فریقین میں سے ایک شخص کو معلوم ہوا کہ مجھے تازہ کھجور سے رغبت ہے، کھجوروں کے موسم کی ابتداء ہے، مگر اس خدا کے بندے نے خدا جانے کہاں سے ان کو مہیا کیا۔ میرے دربان کو رشوت دے کر کھجوروں کا طباق لے کر میرے مکان پر پہنچ آیا۔ میں نے سخت ناگواری کا اظہار کیا، اسے فوراً واپس کر دیا، دربان کو بھگا دیا۔

بات ختم ہوگئی، مگر دوسرے روز جب اجلاس پر پہنچا، فریقین میرے سامنے حاضر ہوئے تو امیر المؤمنین! میں نے یہ محسوس کیا کہ دونوں نہ میرے دل کے آگے برابر باقی رہے تھے اور نہ میری آنکھوں میں، دونوں یکساں تھے۔

قاضی عافیہ نے سارا ماجرا سنانے کے بعد مہدی سے عرض کیا کہ امیر المؤمنین! رشوت کے نہ لینے کی صورت میں جب میرے نفس کی یہ حالت ہوگئی، اس سے اندازہ کرتا ہوں رشوت کے قبول کر لینے کے بعد کیا حال ہوسکتا ہے، میں ڈر رہا ہوں کہ اس حال میں اپنے دین کو برباد کر کے اپنے آپ کو تباہ نہ کر دوں۔ (خطیب بغدادی ج ۱۱ ص ۳۰۹)

قاضی عافیہ خلیفہؒ کی چھینک کے ساتھ بھی کسی رعایت پر آمادہ نہ ہو سکے :

ہارون الرشید کا زمانہ ہے، قاضی عافیہ جو امام ابوحنیفہؒ کی مجلس وضع قوانین کے مشہور اور معتمد رکن تھے، بغداد کے قاضی تھے، کسی مقدمہ میں ایک فریق نے قاضی صاحب کے خلاف یعنی ہارون کے دربار میں بے جا پاسداری کی شکایت پہنچائی۔ شکایت کرنے والا کوئی بڑا آدمی تھا۔

قاضی عافیہ کا یہ طرز عمل ہارون کو سخت ناگوار گذرا۔ قاضی صاحب کو دربارِ خلافت میں حاضری کا حکم ملا۔ قاضی عافیہ دربار میں لائے گئے، ابھی اصل مسئلہ پر گفتگو نہیں ہوئی تھی

کہ خلیفہ کو چھینک آ گئی۔ چھینک کا آنا تھا کہ دربارِ خلافت "یرحمک اللہ، یرحمک اللہ" کی آوازوں سے گونج اُٹھا۔ چھینک آنے کے بعد مسنون یہی ہے کہ جسے چھینک آئی ہو، وہ الحمد للہ کہے تب چاہئے کہ سننے والے "یرحمک اللہ" کے ساتھ اسے جواب دیں اصطلاحاً اسے تشمیت کہتے ہیں۔

مگر یہاں تو ہارون نے الحمد للہ نہیں کہا تھا۔ ہارون الرشید نے دیکھا کہ سارے درباریوں نے تو یرحمک اللہ کہا مگر قاضی عافیہ خاموش بیٹھے رہے ... صبر نہ کر سکا، قاضی صاحب سے پوچھ بیٹھا کہ سارے تشمیت کہہ رہے تھے تو آپ کیوں چپ بیٹھے رہے؟

قاضی عافیہ نے بے محابا جواب دیا کہ جناب ! آپ نے الحمد للہ کب کہا تھا کہ میں یرحمک اللہ کہتا۔

اس کے ساتھ ہی ہارون کو حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی سنادی کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے مجلس میں دو آدمیوں کو چھینک آئی۔ اس میں ایک آدمی کو حضور ﷺ نے یرحمک اللہ فرمایا اور دوسرے کو کوئی جواب نہ دیا۔

دوسرے نے پوچھا کہ حضرت ! پہلے کو دعا دی اور مجھے کیوں محروم رکھا گیا۔ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ انہوں نے الحمد للہ کہا تھا، اس لئے انہیں یرحمک اللہ کہا گیا۔ تم نے الحمد للہ نہیں کہا، اس لئے میں نے بھی کچھ نہیں کہا۔

جب قاضی عافیہ کی بات ختم ہوئی تو ہارون نے ان سے مخاطب ہو کر کہا :

"جایئے جایئے آپ اپنا کام قضا کا جا کر کیجئے، بھلا میری چھینک کے ساتھ جو کسی رورعایت پر آمادہ نہیں ہوسکتا، وہ فیصلہ میں کسی دوسرے کی پاسداری کیسے کرے گا۔

(تاریخ بغداد ج ۳ ص ۳۰۹)

خلف بن ایوب' فتویٰ اور تقویٰ :

خلف بن ایوب جو امام ابوحنیفہؒ کے نہیں بلکہ ان کے شاگردوں کے شاگرد تھے، قاضی ابو یوسف اور اسد بن عمرو سے تعلیم حاصل کی تھی۔ حدیث بڑے بڑے لوگوں سے سنی تھی اور رئیس الصوفیہ ابراہیم بن ادھم کی صحبت میں تربیتِ نفس کی منزلیں طے کی تھیں۔ ان کی ذہنی نزاکت حسی اور کمالِ تقویٰ کا اندازہ اس سے لگایئے۔ اذان ہو رہی تھی دیکھا کہ ایک شخص بجائے اذان کی طرف متوجہ ہونے کے لکھنے میں مصروف تھا، گواہی میں جب وہی شخص پیش ہوا تو خلف بن ایوب نے اسے مردود الشہادت قرار دیدیا۔

یہ ایوب ہی کا مشہور فتویٰ ہے کہ :

مسجد میں فقیروں کو جو بھیک دے گا، اس کی شہادت مسترد کر دی جائے گی یعنی مسجد میں بھیک مانگنے کو گناہ ہی نہیں سمجھتے تھے بلکہ دینے کو بھی اور اتنا بڑا گناہ ہے کہ شہادت تک ایسے آدمی کی غیر معتبر ہے۔ (جواہر مضیہ)

فضل وزیر ابراہیم فقیر کے قدموں میں :

خطیب بغدادی جو حنفی مکتبِ خیال کے بزرگوں کے حالات بیان کرنے میں بہت زیادہ احتیاط سے کام لینے کے عادی ہیں، تاریخ بغداد میں مستقل سند کے ساتھ یہ روایت نقل کی ہے کہ خلیفہ ہونے کے بعد مامون الرشید اپنے وزیر فضل ذوالریاستین کے ساتھ مَرو پہنچا۔ جہاں امام محمد بن حسن الشیبانی کے شاگرد ابراہیم بن رُستم نے دباغوں (چمڑا پکانے والوں) کے محلے میں قیام اختیار کر کے دباغوں کے بچوں کو پڑھانا شروع کر دیا تھا۔ مامون مَرو پہنچا، تو ابراہیم بن رستم کے علم وفضل سے مرو کو معمور پایا۔ مامون نے ابراہیم کو اپنے دربار میں بلا کر بطور خاص عہدۂ قضا کی پیشکش کی اور قبولِ قضا کے لئے اصرار کیا، مگر ابراہیم راضی نہ ہوئے اور درس وتدریس ہی کے مشغلہ میں رہنا اپنے لئے پسند کیا۔

لکھا ہے کہ ایک روز مامون کے وزیر فضل دباغوں کے اسی محلہ میں ابراہیم کی قیامگاہ پر ان سے ملنے کے لئے آیا۔ اس وقت وہ دباغوں کے بچوں کو پڑھانے میں مصروف تھے۔ فضل ان کے حلقۂ درس کے قریب آکر کھڑا رہا، مگر ......

فلم یتحرک له ولا فرق اصحابه عنه ۔ (تاریخ بغداد ص ۷۳)

نہ تو ابراہیم اپنی جگہ سے ہلے اور نہ پڑھنے والوں کو جدا کیا۔

ایک صاحب جو وزیر کے ہمراہ آئے تھے، بڑے بولنے والے تھے نہ رہا گیا ابراہیم سے مخاطب ہوا۔

''ابراہیم ! تعجب ہے خلیفہ کا وزیر آپ کے پاس آیا ہے اور تم ان چمڑوں کے پکانے والوں کے خیال سے جو تمہارے پاس بیٹھے ہیں وزیر کی تعظیم کے لئے اُٹھے بھی نہیں' ابراہیم ابھی کچھ کہنے بھی نہ پائے تھے کہ ان کے حلقۂ درس کے ایک طالب علم بول اُٹھے ہاں جناب ! ہم لوگ چمڑے کے دباغ (پکانے والے) نہیں ہیں بلکہ اس دین کو پختہ کر رہے ہیں، جس نے ابراہیم کو اتنی بلندی بخشی ہے کہ خلیفہ کا وزیر بھی اس کے پاس آتا ہے''۔

ادھر بھی معاملہ اللہ تعالیٰ کا ہے :

ابنِ جوزی نے ۲۵۸ھ کے واقعات کے سلسلہ میں حنفی قاضی احمد بن بدیل کے حالات کا ذکر کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ معتصم کے مشہور ترکی جنرل بغا کے بیٹے موسیٰ بن بغا کا ایک مقدمہ مرو میں کسی جائیداد کے متعلق دائر تھا۔ موسیٰ ایک جائیداد لینے کا خواہشمند تھا، جس میں کسی یتیم کا بھی حصہ تھا۔ موسیٰ کے سکریٹری عبیداللہ بن سلیمان بیان کرتے تھے کہ قاضی احمد بن بدیل کو میں نے لاکھ آمادہ کیا کہ موسیٰ کی جلالتِ قدر کا خیال کر کے یتیم

کے معاملہ میں تھوڑی چشم پوشی سے کام لیں۔ لیکن وہ کسی طرح راضی نہیں ہوئے۔

میں نے جھنجلا کر کہا کہ قاضی جی ! کچھ سمجھ بھی رکھا ہے معاملہ کس کا ہے ؟

انه موسی بن بغا۔ یعنی موسیٰ بن بغا کا معاملہ ہے۔

یہ سننے کے ساتھ ہی قاضی احمد کی زبان سے نکلا

اعزک الله انه تبارک و تعالٰی ۔

خدا تیری عزت کو قائم رکھے ادھر بھی تو معاملہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ہے۔

عبید اللہ کا بیان ہے کہ شرم سے میری گردن جھک گئی۔ میں نے موسیٰ کے سامنے قاضی احمد کے اس فقرے کو دہرایا تو وہ بھی اس درجہ متأثر ہوا کہ انه تبارک و تعالٰی کے الفاظ کو بار بار دہراتا جاتا تھا اور روتا جاتا تھا پھر قاضی احمد کو کہلا بھیجا آپ کو جس چیز کی بھی ضرورت ہو بلا تکلف طلب کیجئے۔ قاضی صاحب نے جواب میں کہلا بھیجا کہ میری مقررہ تنخواہ رُکی ہوئی ہے۔ اس کے سوا اور مجھے کچھ نہیں چاہئے۔ (ابوحنیفہ کی سیاسی زندگی)

عباسی شہزادے اور تحصیلِ فقہ حنفیہ :

مؤرخین نے لکھا ہے کہ عباسی شہزادوں کو دوسرے علوم وفنون کے ساتھ فقہ حنفی کی بھی باضابطہ استدلالی رنگ میں تعلیم دی جاتی تھی۔

مامون اپنے والد ہارون کی طرف سے خراسان کے والی ہونے کی حیثیت سے مرو میں مقیم تھا۔

نضرؔ کی تحریک پر مقامی علماء کی ایک جماعت جو حنفی علماء سے ناراض تھی، مامون سے حنفی علماء اور فقہاء کا اثر کم کرنے کی غرض سے حاضر خدمت ہوئی۔

اتفاق سے دربار میں دونوں فریق کے بڑے بڑے علماء جمع تھے۔ مامون نے نضرؔ کی طرف متوجہ ہو کر پوچھا کہ حنفی فقہ کے ساتھ آخر آپ لوگوں کے اس مخالفانہ طرزِ عمل کی

وجہ کیا ہے ؟

خود نضر تو جواب نہ دے سکے، مگر ان کے ایک اہم خیال عالم احمد بن زہیر (جن کا شمار حفاظِ حدیث میں ہوتا ہے، خطیب نے لکھا ہے کہ " **كان ثقه عالماً متقناً حافظا بصيرا** " بڑے معتبر عالم محتاط اور حافظ حدیث تھے۔ یہ یحییٰ بن معین، احمد بن حنبل کے ممتاز تلامذہ میں سے تھے) نے عرض کیا کہ مجھے حکم ہو تو عرض کروں۔ مامون نے کہا یہی تو میں پوچھنا چاہتا ہوں، تو احمد بن زہیر نے کہا :

ابوحنیفہؒ کی فقہ میں بہت سے مسائل ایسے ہیں، جن میں صراحۃً کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کی مخالفت کی گئی ہے۔ قاضی خالد بن صبیح حنفی نے متعلقہ مسائل میں مامون کی دریافت پر امام ابوحنیفہ کا جو فتویٰ تھا وہی بیان کر دیا۔ احمد بن زہیر نے کہا، لیجیے، اس فتویٰ کے مقابلہ میں یہ قرآن کی آیت ہے۔ یہ حضور ﷺ کی حدیث ہے۔ ابوحنیفہؒ نے قطعی نصوص کے خلاف گویا فتویٰ دیا ہے، جب ابن زہیر کی بات ختم ہوئی تو قاضی خالد کے بجائے خود مامون، ابن زہیر کی طرف متوجہ ہوا اور صرف ایک ہی حدیث نہیں بلکہ لکھا ہے۔

خود مامون ابوحنیفہؒ کی تائید میں بطورِ دلیل کے ایسی چند حدیثیں پیش کرنے لگا کہ مخالف جماعت کے لوگ اس سے ناواقف تھے۔ (موفق ص ۵۶)

اور ایک ہی مسئلہ نہیں بلکہ جس جس مسئلے کے متعلق مخالف وفریق کا الزام تھا، مامون پوچھتا جاتا تھا اور امام ابوحنیفہؒ کی تائید میں قرآن وحدیث سے دلائل پیش کرتا جاتا تھا۔

جب اس قسم کے مسائل پر کافی بحث ہو چکی، تب مامون نے کہا کہ اگر حنفی فقہ کو ہم اللہ کی کتاب اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مخالف پاتے تو دستور العمل کی حیثیت سے ہم اسے کبھی بھی اختیار نہ کرتے۔ (ایضاً)

لکھا ہے کہ ان الفاظ کے بعد نضر اور ان کی جماعت کی طرف خطاب کر کے

مامون نے کہا :

''خبردار ! آئندہ پھر اس قسم کی حرکت کی جرأت تم میں کوئی نہ کرے، اگر تمہاری جماعت میں اس وقت یہ شیخ (نضر) نہ ہوتے تو تم میں سے ہر ایک کو ایسی سزا دیتا جسے تم کبھی نہیں بھول سکتے تھے۔ (ایضاً)

سیف الدولہ کا عطا ونوال امام کرخی کی دعا اور انتقال :

مشہور حنفی امام ابوالحسن الکرخی کا قصہ ہے۔ موصوف بغداد میں حنفی فقہ کے اپنے زمانے کے سب سے بڑے مدرس اور مفتی تھے۔ حکومت کی ملازمت سے تمام عمر گریز کرتے رہے۔ آخر عمر میں فالج کا حملہ ہوا۔ افلاس کی وجہ سے جیسا کہ چاہئے تھا علاج ممکن نہ ہوا۔ ان کے بعض شاگردوں نے حلب کے بادشاہ سیف الدولہ کو لکھ بھیجا کہ اتنا بڑا عالم مفلسی کی وجہ سے اپنا علاج نہیں کرا سکتا۔ اسی وقت دس ہزار درہم سیف الدولہ نے روانہ کر دیئے۔ روپے کے پہنچنے سے پہلے کسی طرح ابوالحسن کرخیؒ کو اس کی خبر ہوگئی کہ لوگوں نے سیف الدولہ سے میرے لئے امداد طلب کی ہے۔ لکھا ہے کہ گڑگڑا کر خدا سے کہنے لگے کہ آپ نے رزق جس راہ سے مجھے عطا فرمایا ہے، اس کے سوا دوسری راہ پر مجھ پر نہ کھولئے، کہتے ہیں کہ روپیہ پہنچنے سے پہلے کرخی کا انتقال ہو چکا تھا۔ خدا نے سیف الدولہ کے احسان سے ان کو بچالیا۔

امام سرخسی کنویں میں محبوس ہوئے تو ۳۰ جلدوں میں مبسوط تصنیف کر لی :

محمد بن احمد شمس الائمہ سرخسی، ائمہ احناف میں ممتاز مقام رکھتے ہیں، بہت بڑے عالم، امام، مناظر، اُصولی، مصنف اور مجتہد تھے، حق گوئی اور نصح وخیر خواہی کا جذبہ غالب رہتا

تھا۔ اپنے دور کے حکمران ترکی خان خاقان کو اسی جذبہ حق گوئی اور اعلائے کلمۃ اللہ کے پیش نظر نصیحت کی اور لوگوں پر ناجائز محصول عائد کرنے کے مظالم سے روکا، مگر نشہ اقتدار نے خاقان کو حق سننے اور حق قبول کرنے کے بجائے غیض وغضب میں مبتلا کر دیا۔

انہوں نے امام سرخسی کو حق گوئی کی پاداش میں سخت سزائیں دینا شروع کیں۔ آخر میں "جند" کے جب (کنوئیں) میں محبوس کر دئے گئے، پھر کیا ہوا، قدرت کی نیرنگی، ذوق علم اور اشاعت فقہ واحکام کا جذبہ دیکھئے۔

"تلامذہ کنوئیں کے من پر بیٹھ جاتے تھے۔ شمس الائمہ امام سرخسیؒ اندر سے طلبہ پر املاء کراتے تھے، نہ کتب خانہ تھا اور نہ کوئی کتاب ساتھ تھی جو کچھ لکھواتے تھے، اپنے سابقہ مطالعہ، قوت یادداشت اور حافظہ کی مدد سے لکھواتے تھے، جو آج تیس جلدوں میں مبسوطِ سرخسی طبع ہو کر فقہ و قانون کے ماہرین اور ایک علمی دنیا کو ورطۂ حیرت میں ڈال چکی ہے۔ یہ اسی زمانۂ حبس کے لیکچروں کا مجموعہ ہے جس میں جگہ جگہ امام سرخسیؒ نے اس کا ذکر کیا ہے کہ کتاب اس فصل تک پہنچی ہے اور میں ابھی کنوئیں کے قید کی سزا بھگت رہا ہوں"۔ (الفوائد البهيه في تراجم الحنفيه ص ۱۰۸)

تیس جلد کی عظیم تصنیف مبسوط کے علاوہ اسی کنوئیں کے زمانۂ حبس میں امام سرخی نے ایک کتاب اُصولِ فقہ میں تصنیف فرمائی۔ "شرح سیر کبیر" بھی آپ کے کنوئیں میں زمانۂ حبس کی یادگار تصنیف ہے۔ (تاج التراجم فی طبقات الحنفیه)

ایک دلچسپ مناظرہ :

اسی قاضی ابن ابی لیلیٰؒ سے متعلق ایک دوسرا لطیفہ مؤرخین ذکر کرتے آئے ہیں، ہوا یوں کہ قاضی ابنِ ابی لیلیٰؒ کسی کام سے خلیفہ منصور کے دربار میں آئے یا بلائے گئے۔

ادھر امام ابوحنیفہؒ کی بھی طلبی ہوئی۔ دربار میں سوال اُٹھایا گیا کہ سوداگر اپنے مال کے متعلق گاہک سے اگر یہ کہہ دے کہ جس سودے کو آپ لے رہے ہیں، میں اس کے عیوب اور نقائص سے بری ہوں۔ اس کے باوجود بھی اگر آپ لینا چاہتے ہوں تو لے سکتے ہیں۔

اب سوال یہ تھا کہ اس کے بعد اگر اس سودے میں کوئی عیب یا نقص ظاہر ہو جائے تو خریدار کے لئے خیارِ عیب یعنی واپسی کا حق باقی رہتا ہے یا نہیں؟ امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ سوداگر اس اعلان کے بعد بری الذمہ ہو جاتا ہے، سودے کا واپس لینا اس پر لازمی نہیں۔

قاضی ابن ابی لیلیٰؒ نے کہا اور اپنے کہنے پر اصرار کیا کہ سودے میں جو عیب ہو جب تک ہاتھ رکھ کر بائع (سوداگر) اس کو متعین نہیں کرے گا، اس وقت تک لفظی برأت کافی نہیں۔ دونوں میں مسئلہ پر گرما گرم بحث ہونے لگی۔ خلیفہ منصور دونوں کی گفتگو سن رہا تھا۔ بالآخر جب قاضی ابن ابی لیلیٰؒ اپنے مؤقف سے نہ ہٹے تو امام اعظم ابوحنیفہؒ نے ان سے دریافت فرمایا کہ :

> ''فرض کیجئے، کسی شریف عورت کا ایک غلام ہے، وہ اس کو بیچنا چاہتی ہے، لیکن غلام میں یہ عیب ہے کہ اس کے عضوِ مخصوص پر برص کا داغ ہے، تو فرمایئے کیا آپ اس شریف عورت کو حکم دیں گے کہ عیب پر ہاتھ رکھ کر خریدار کو مطلع کر دے۔ قاضی ابن ابی لیلیٰؒ نے اپنی بات کی ہٹ میں کہا کہ ہاں، اس عورت کو مرد کے اس مقام پر ہاتھ رکھنا ہوگا۔ قاضی ابن ابی لیلیٰؒ کے اس فتوے سے حاضرینِ مجلس پر بُرا اثر پڑا۔ لکھا ہے کہ خلیفہ منصور قاضی صاحب کے اس فتوے کی وجہ سے ان پر بہت برہم ہوا''۔

(الموفق ج ۱ ص ۱۶۷)

امام محمدؒ کی ذہانت اور ابوحنیفہؒ کی توقعات :

امام محمدؒ کی عمر جب چودہ سال کی ہوئی تو ایک روز حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کی

خدمت میں حاضر ہوئے تاکہ ان سے ایک مسئلہ کے بارہ میں دریافت کریں، جس نے ان کے دل میں کھٹک پیدا کر رکھی تھی۔

علیک سلیک اور آداب و اکرام کے بعد امام محمدؒ نے مسئلہ دریافت کرتے ہوئے عرض کیا: ''ایسے شخص کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے جو عشاء کی نماز پڑھ کر سویا، تو اسے احتلام ہو گیا تو کیا اسے نماز عشاء از سرِ نو پڑھنی چاہئے''۔

امامِ اعظم ابوحنیفہؒ نے فرمایا: اسے نماز دوبارہ پڑھ لینی چاہئے۔

یہ سن کر امام محمد اُٹھے، جوتے بغل میں دبائے اور گوشۂ مسجد میں جا کر نماز دہرائی۔

امام ابوحنیفہؒ نے ان کی ذکاوت، سوال کا انداز اور قیامِ صلوٰۃ دیکھ کر فرمایا:

''یہ لڑکا ان شاء اللہ ترقی کرے گا''۔ (الامانی فی سیرت الامام محمد بن حسن الشیبانی)

یہ واقعہ خود امام محمدؒ کا ہے جو سوال کرنے سے قبل نابالغ تھے، عشاء کی نماز پڑھ کر سوئے تو بالغ ہو گئے، چونکہ وقتِ عشاء باقی تھا، اس لئے ابوحنیفہؒ نے اعادہ کا حکم دیا تو آپ نے نماز دوبارہ پڑھ لی۔

☆☆☆

باب : ۱۰

وصایا ...... اور ...... نصائح

ہزاروں صفحات، اسلامی تعلیمات اور عمر بھر کے تجربات کا نچوڑ

ذیل میں سیدنا امام الائمہ، سراج الامت، سید الفقہاء، محدث کبیر، حافظ الحدیث امام اعظم ابوحنیفہؒ کے دو وصیت نامے درج کر دیئے جاتے ہیں جو بظاہر دو قابل تلامذہ کے نام لکھے گئے ہیں، مگر اصلاح و تربیتِ نفس، موعظت و حکمت آموزی میں سب کو یکساں گویا علماءِ حق کا منشور اور ہر ایک کی رہنمائی کے لئے نسخۂ اکسیر ہیں۔ امام صاحبؒ کی یہ وصیتیں، اسلامی تعلیمات کا نچوڑ، ہزاروں صفحات کا خلاصہ، اور عمر بھر کے تجربات کا عطر ہیں۔ امام صاحبؒ اپنی اِس مختصر مگر اہم ترین تالیف میں ایک مشفق باپ، ایک مہربان استاد ایک ماہر نفسیات رہنما، عظیم دانشور، معلمِ اخلاق، زبان کے اداشناس، اہلِ زمانہ کے مزاج شناس کہنہ مشق اور ایک صاحبِ طرز ادیب کے طور پر سامنے آتے ہیں، گویا امام صاحبؒ کی زندگی کا ایک ایسا رُخ سامنے آ جاتا ہے جو عموماً اوجھل رہا ہے۔ نصائح اور وصایا کے اس مجموعہ میں معارف و حقائق، علم کی گہرائی، مشکلات کی عقدہ کشائی، ذاتی تجربات، اذواقِ صحیحہ، مجتہدانہ علم و نظر، کتاب و سنت کا صحیح و عمیق فہم، بیانِ شریعت کی حمایت اور وجدانگیز نکات، گویا راہِ نجات کے سنگِ میل ہیں، جس کے عمیق مطالعہ اور گہرے غور و تدبر سے

معرفتِ الٰہی، ایمان ویقین، تصفیۂ قلب، تزکیۂ نفس، روح کی لطافت، روحانی اور ایمانی فراست اور جذبۂ انقلابِ اُمت کے احساسات اُبھرتے ہیں۔

پہلا مکتوب قاضی امام ابویوسفؒ اور دوسرا یوسف بن خالد سمتیؒ کے نام ہیں :

امامِ اعظم ابوحنیفہؒ...... بنام...... قاضی ابویوسفؒ

سربراہِ مملکت کے ساتھ اہلِ علم کی محتاط روش :

وَصیةُ الامامِ الاعظمِ لابی یوسفَ بَعْدَ اَنْ ظَھَرَ لَهٗ مِنهُ الرشدُ و حسن السیرۃِ والاقبالُ علی الناسِ فَقَالَ لَهٗ : یا یعقوبُ:

امامِ اعظمؒ کی وصیت ابویوسفؒ کے نام جبکہ (امام ابویوسف کی) ذات سے رشد و ہدایات اور حسنِ کردار کے آثار ظاہر ہوئے اور انہوں نے لوگوں کی جانب توجہ مبذول کی۔ امامِ اعظمؒ نے ان کو وصیت فرمائی کہ اے یعقوب !

وَقِرِ السلطانَ و عَظِمْ مَنزِلَتَهٗ ، وَ ایّاکَ و الکذبَ بینَ یَدیهِ۔

سلطانِ وقت کی عزت کرو اور اس کے عظمتِ مقام کا خیال رکھو اور اس کے سامنے دروغ گوئی سے (خاص طور سے) پرہیز کرو۔

وَالدخولَ علیه فی کُلِّ وَقتٍ مَالَمْ یَدعُکَ لحاجةٍ علمیّة۔

اور ہمہ وقت اس کے پاس حاضر باش نہ رہو۔ جب تک کہ تجھے کوئی علمی ضرورت مجبور نہ کرے۔

فَانّکَ اذا کثَرتَ الیه الاختلاط تھاون بکَ و صغرتْ منزلتُکَ عندهٗ فَکُنْ منه کَمَا اَنتَ مِنَ النّارِ تَنْفَعُ و تتباعَدُ و لاتَدن منها .

کہ جب تم اس سے بکثرت ملاقات کرو گے تو وہ تمہیں حقارت کی نگاہ سے دیکھے گا اور تمہارا مقام اس کی نظر سے گر جائے گا، پس تم اس کے ساتھ ایسا معاملہ رکھو، جیسا کہ

آگ کے ساتھ رکھتے ہو کہ تم اس سے نفع بھی اُٹھاتے ہو اور اس سے دور بھی رہتے ہو اور اس کے قریب تک نہیں جاتے۔

فانّ السلطانَ لایریٰ لاحدٍ ما یریٰ لنفسہٖ ، و ایاک و کثرۃ الْکلامِ بَیْنَ یَدیہٖ ، فانّہٗ یأخذ عَلَیْکَ مَا قلتہ لیری مِنْ نفسِہٖ بَیْنَ یَدی حَاشیتہٖ انہ اعلَمُ منکَ ، و انّہٗ یخطئکَ فتصغر فی اعینِ قومہٖ ، وَلْتکُنْ اذا دَخلْتَ علیہٖ تعرّف قدرَکَ وَ قدرَ غیرکَ ، وَلَا تدخلُ علیہِ و عِندَہٗ مِنْ اھلِ العلمِ مَنْ لاتعرفُہٗ ۔

اس لئے کہ بادشاہ کسی کے لئے وہ مراعات نہیں چاہتا جو اپنی ذات کے لئے چاہتا ہے اور اس کے قریب کثرتِ کلام سے بچو کہ وہ گرفت کرے گا تاکہ اپنے حاشیہ نشینوں کو یہ دکھلا سکے کہ وہ تم سے زیادہ علم رکھتا ہے۔ اور تمہارا محاسبہ کرے گا تاکہ تم اس کے حواریوں کی نگاہ میں حقیر ہو جاؤ ، بلکہ ایسا طرزِ عمل اختیار کرو کہ جب اس کے دربار میں باریابی ہو تو وہ تمہارے اور تمہارے غیر کی قدر و منزلت سے آشنا رہے (یعنی فرقِ مراتب کا خیال رکھے اور تم سلطانِ وقت کے دربار میں ایسے وقت نہ جاؤ جب کہ وہاں دیگر ایسے اہل علم نشست رکھتے ہوں جن سے تم متعارف نہیں۔

فانّک اِن کنتَ اَدْونَ حالًا منہٗ لعلّکَ تترفّعُ علیہِ فیضرُّکَ۔

اس لئے کہ تمہارا علمی مرتبہ اگر ان سے کم ہوگا اور ممکن ہے کہ تم ان پر ترفع حاصل کرنے کی کوشش کرو، مگر یہ جذبہ تمہارے لئے ضرر کا باعث ہوگا۔

وَ اِنْ کُنتَ اَعْلَمُ مِنْہُ لعلّکَ تَنحطُ عَنہ فتحقط بذالک مِن عَیْنِ السُلْطَانِ،

اگر تم ان سے زیادہ صاحبِ علم ہو تو شاید تم اس کو (کسی مقام پر) جھڑک دو اور اس کی وجہ سے تم سلطانِ وقت کی نظر سے گر جاؤ۔

وَ اِنْ عُرِضَ عَلَیْکَ شیئًا مِنْ اعْمَالِہٖ فَلَا تقبلُ منہٗ الّا بَعْد اَنْ تعلم انّہٗ

یرضاکَ و یرضی بمذھبکَ فِی العِلم وَالقضایا ، کیلا تَحتاجُ الی ارتکابِ مذھبِ غیرکَ فی الحکومَاتِ ،

اور جب وہ تم کو کوئی منصب عطا کرے تو اس کو اس وقت قبول نہ کرو، جب تک یہ معلوم نہ ہو جائے کہ وہ تم سے یا تمہارے مسلک سے علم و قضایا میں مطمئن ہے تا کہ فیصلہ جات میں کسی دوسرے مسلک پر عمل کی حاجت نہ ہو۔

ولا تواصلِ اوْلیاء السُلطان وَ حَاشیتهُ بَلْ تقرب الیه فقط ، و تباعد عن حَاشیته لیَکُونَ مجدکَ و جَاھکَ بَاقیَا۔

اور سلطان وقت کے مقربین اور اس کے حاشیہ نشینوں سے میل جول مت رکھو، صرف سلطانِ وقت سے رابطہ رکھو اور اس کے حاشیہ برداروں سے الگ رہو تا کہ تمہارا وقار اور عزت برقرار رہے۔

شہری آداب :

ولا تتکلّم بین یدی العامۃ الّا بما تُسأل عنه۔

عوام کے دریافت طلب مسائل کے علاوہ ان سے (بلاضرورت) بات چیت نہ کیا کرو۔

و ایاکَ و الکلامَ فی العامّۃِ والتجارِ الا بِمَا یَرجعُ الی العلم کیلا یوقف علی حبکَ و رغبتکَ فِی المالِ فانھم یُسئوْنَ الظّنَّ بکَ و یعتقدُوْن میلکَ الی اخذِ الرشوۃِ مِنھُمْ وَ لا تَضحکَ وَلا تتبسّمْ بینَ یدی العامّۃِ وَلا تکثرِ الْخُروجَ الی الاسواق۔

عوام الناس اور تاجروں سے علمی بات کے علاوہ دوسری باتیں نہ کرو تا کہ ان کو تمہاری محبت و رغبت فی المال کا وقوف نہ ہو، ورنہ وہ لوگ تم سے بدظن ہوں گے اور یقین کر

لیں گے کہ تم ان سے رشوت لینے کا میلان رکھتے ہو، اور عام لوگوں کے سامنے ہنسنے اور مسکرانے سے باز رہو اور بازار میں بکثرت نہ جایئے۔

وَ لا تکلّم المراھقِین فانّھُم فِتنۃٌ و لاباسَ ان تکلّمَ الاطفال و تمسحُ رؤسھم۔

اور بے ریش لڑکوں سے ہم کلامی اختیار نہ کرو، کہ وہ فتنہ ہیں البتہ بچوں سے بات کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں، بلکہ ان کے سروں پر (شفقت سے) ہاتھ پھیرو۔

وَ لا تمشِ فِی قارعۃِ الطریق مَع المشائخ وَالعامّۃ فانک ان قدّمتھم ازدریٰ ذالک بِعلمِک وَ ان اخرتھُم ازدری بک مِن حیث انہٗ اسن مِنک فانّ النبیّ صلی اللّٰہ علیہ وسلّم قالَ مَنْ لم یرحمْ صغیرنا ولم یوقرْ کبیرنا فلَیس مِنّا، و لَا تقعُدْ علیٰ قوارِعِ الطریق فاذا دعاک ذالک فاقعدْ فی المسْجد۔

عام لوگوں اور سن رسیدہ حضرات کے ساتھ شاہراہ پر نہ چلو، اس لئے کہ اگر تم ان کو اپنے آگے بڑھنے دو گے تو اس سے علم دین کی بے توقیری ہوگی اور اگر اپنے پیچھے رکھو گے تو یہ بات بھی معیوب ہوئی کہ وہ عمر میں تم سے بڑے ہیں۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جو شخص ہمارے چھوٹوں پر شفقت نہیں کرتا اور ہمارے بڑوں کی عزت نہیں کرتا، وہ ہماری جماعت میں سے نہیں ہے اور کسی رہگذر پر نہ بیٹھا کرو، اگر بیٹھنے کو دل چاہے تو مسجد میں بیٹھو۔

و لا تأکل فی الاسواق وَ المَساجد، وَلا تشربْ مِن السقایات وَ لامنْ ایدی السقائین و لا تقعُدْ علی الحیوانات،

بازار اور مساجد میں کوئی چیز تناول نہ کرو، پانی کی سبیل اور اس پر متعین کارندوں کے ہاتھ سے پانی نہ پیو اور دوکانوں پر نہ بیٹھو۔

وَ لا تلَبس الدیباج والحلی و انواع الابریسم فانّ ذالک یفضی

الی الرعونۃِ۔

مخمل، زیور اور انواع و اقسام کے ریشمی ملبوسات نہ پہنو کہ ان سے رعونت پیدا ہوتی ہے۔

ازدواجی آداب :

وَلا تکثرِ الکلامَ فِی بیتکَ مع امرأتِکَ فِی الُفراشِ اِلّاوقت حاجتِکَ الیھَا بقدرِ ذالکَ،

اپنی فطری حاجت کے وقت بقدر ضرورت گفتگو کے ماسوا گھر میں بچھونے پر اپنی بیوی سے زیادہ بات چیت نہ کرو۔

وَلاتکثِرُ لمسَھا وَ مسَّھا وَ لاتقربُھَا اِلّا بذکر اللّٰہ تعالٰی۔

اور اس کے ساتھ کثرت سے لمس و مس اختیار نہ کرو اور اس کے قریب نہ جاؤ مگر اللہ کے ذکر کے ساتھ۔

وَلا تتکلمُ بامر نساءِ الغیرِ بین یدیھَا وَلابامرِ الجوارِی فانھا تنبسطُ الیکَ فِی کلامِکَ ، وَلعلّکَ اذا تکلمتَ عَنْ غَیرھَا تکلّمت عن الرجَالِ الا جانب۔

اور اپنی بیوی سے دوسروں کی عورتوں اور باندیوں کا تذکرہ نہ کرو کہ وہ تمہارے ساتھ گفتگو میں بے تکلف ہو جائیں گی اور بہت ممکن ہے کہ جب تم دوسری عورتوں کا تذکرہ کرو گے تو وہ تم سے دوسرے مردوں کے بارے میں گفتگو کرے گی۔

وَلا تتزوّج امرأۃً لھا بعلٌ اَوْابٌ اَوْ بِنتٌ ان قدرت اِلَّا بشرطِ ان یدخلَ اِلیُھا اَحدٌ مِنُ اقاربھا۔

اگر تمہارے لئے ممکن ہو تو کسی ایسی عورت سے نکاح نہ کرو جس کا شوہر (طلاق دہندہ) باپ، ماں یا (سابقہ خاوند سے) لڑکی موجود ہو، الّا یہ کہ وہ یہ شرط قبول کرے کہ اس

کے پاس (تمہارے گھر میں) اس کا کوئی رشتہ دار نہیں آیا کرے گا۔

فَانّ المرأةَ اِذا کانتُ ذا مالٍ (والصواب ذات مال) **یدعٰی ابوھَا انّ جمیعَ مَا لِھَا لہٗ و انہ عاریۃٌ فی یدیھَا وَلَا تَدخل بیتَ ابیھَا ما قدرت ، و ایّاک ان تزف فی بیتِ ابویھا فانّھم یأخذون اموالک و یطمعون فیھا غایۃ الطمع۔**

اس لئے کہ جب عورت مالدار ہو جاتی ہے تو اس کا باپ دعویٰ کرتا ہے کہ اس کی تحویل میں جو مال ومنال ہے سب میرا ہے اور اس کے پاس محض عاریۃً ہے اور دوسری شرط یہ قبول کرے کہ جہاں تک ممکن ہوگا وہ اپنے والد کے گھر میں داخل نہ ہوگی اور نکاح کے بعد تم اس بات پر راضی نہ ہو جانا کہ تم شبِ زفاف سسرال میں گزارو ورنہ وہ تمہارا مال لے لیں گے اور اپنی بیٹی کے باب میں انتہائی طمع سے کام لیں گے۔

و ایّاک ان تتزوّج بذات البنین و البنات فانھا تدخر جمع المال لھم و تسرق من مالک و تنفق علیھم فان الولد اعز علیھا منک ، ولا تجمع بین امرأتین فی دار واحدۃ ولا تتزوّج الا بعد ان تعلم انک تقدر علی القیام بجمیع حوائجھا ۔

اور صاحبِ اولاد خاتون سے ازدواجی تعلق قائم نہ کرنا کہ وہ تمام مال اپنے بیٹوں اور بیٹیوں کے لئے چوری کرے گی اور ان پر خرچ کرے گی، اس وجہ سے کہ اس کی اولاد اس کو تم سے زیادہ عزیز ہے اور تم اپنی دو بیویوں کو ایک مکان میں نہ رکھنا، اور جب تک عیال داری کی تمام ضروریات پورا کرنے کی قدرت نہ ہو نکاح مت کرو۔

ترتیبِ زندگی :

و اطلب العلم اوّلاً ، ثم اجمع المال من الحلال ثم تتزوّج فانک ان طلبت المال فی وقت التعلُّمِ عجزتَ عن طلبِ العلم .

پہلے علم حاصل کرو، پھر حلال ذرائع سے مال جمع کرو، پھر ازدواجی زندگی اختیار کرو زمانہ طالب علمی میں اگر تم حصولِ مال کی جدوجہد کرو گے تو حصولِ علم سے تم قاصر رہو گے۔

و دعاک المال الٰی شراءِ الجواری والغلمان و تشتغل بالدنیا و النساء قبل تحصیل العلمِ فیضیع و قتک علیک الولد و یکثر عیالک، و تحتاج الی القیام بمصالحهم و تترک العلم۔

اور (حاصل کردہ) مال تمہیں باندیوں اور غلاموں کی خریداری پر اُکسائے گا اور تحصیل علم سے قبل ہی تمہیں لذائذ دنیا اور عورتوں کے ساتھ مشغول کردے گا۔ اس طرح تمہارا وقت ضائع ہو جائے گا اور تمہارے اہل و عیال کی کثرت ہو جائے گی۔ اس صورتِ احوال میں تمہیں ان کی ضروریاتِ زندگی پورا کرنے کی احتیاج ہو جائے گی اور تم طلب علم چھوڑ بیٹھو گے۔

واشتغل بالعلم فی عنفوانِ شبابک و وقت فراغِ قلبک و خاطرک ثم اشتغل بالمال لیجتمع عندک فانّ کثرةَ الولد والعیال لیشوش البال فاذا جمعت المال فتزوّج ۔

اور علم حاصل کرو آغازِ شباب میں جبکہ تمہارے دل و دماغ دنیا کے بکھیڑوں سے فارغ ہوں، پھر (جیسا کہ ابھی ہدایت کی گئی ہے) حصولِ مال کا مشغلہ اختیار کرو تاکہ وہ تمہیں دستیاب ہو کہ کثرتِ اہل و عیال دل کو تشویش میں مبتلا کر دیتے ہیں (بہر کیف) مال جمع کرنے کے بعد ازدواجی تعلق قائم کرو۔

تعمیر زندگی :

و علیک بتقوی اللّٰہ تعالٰی و اداء الامانة و النصیحة لجمیع الخاصّةِ

والعامّة ولا تسخف بالناس و وقر نفسک و قرهم ولا تکثر معاشرتهم الا بعد ان یعاشرک ، و قابل معاشرتهم بذکر المسائل فانهٗ ان کان من اهله اجبک۔

خشیتِ الٰہی، ادائے امانت اور ہر خاص و عام کی خیر خواہی کا خصوصی خیال رکھو اور لوگوں کا استخفاف نہ کرو بلکہ اپنی اور ان کی عزت کرو۔ ان کی ملنساری سے پہلے ان کے ساتھ زیادہ میل جول نہ رکھو اور ان کے میل ملاپ کا سامنا کرو ذکر مسائل کے ساتھ کہ اگر بالمقابل اس کا اہل ہوگا تو جواب دے گا۔

وایاکَ و ان تکلمّ العامّة بامرِ الدین فی الکلام فانّهم قومٌ یقلدونک فیشتغلون بذالک۔

اور عام لوگوں سے امر دین کے سلسلہ میں علم کلام پر گفتگو سے احتراز کرو، کہ وہ لوگ تمہاری تقلید کریں اور علم کلام (عقائد کے عقلی دلائل) میں مشغول ہو جائیں گے۔

و من جاء یستفیتک فی المسائل فلا تجب الا عن سؤاله ولاتضمّ الیه غیرهٗ فانّه یشوش علیک جواب سؤاله ،

اور جو شخص تمہارے پاس استفتاء کے لئے آئے اس کو صرف اس کے سوال کا جواب دو اور دوسری کسی بات کا اضافہ نہ کرو، ورنہ اس کے سوال کا (غیر محتاط) جواب تمہیں تشویش میں مبتلا کر سکتا ہے۔

و ان بقیتَ عشر سنین بلا کسبٍ وّ لا قوّة فلا تعرّض عن العلم ، فانّک اذا اعرضت عنهٗ کانت معیشتک ضنکًا ۔

علم (تدریس و اشاعت) سے کسی حالت میں اعراض نہ کرنا، اگر چہ تم (لوگوں میں) دس سال تک اس طرح رہو کہ تمہارا نہ کوئی ذریعہ معاش ہو، نہ کوئی (اکتسابی) طاقت کہ اگر علم سے اعراض کرو گے تو تمہاری گذران تنگ ہو جائے گی۔

وَ اقبل علٰی متفقهک کانک اتخذت کلّ واحدٍ منهم ابنا و ولدا

لتزیدھم رغبۃ العلم۔

اور تم اپنے ہر فقہ سیکھنے والے طالب علم پر (شفقت و ادب پر مشتمل) ایسی توجہ رکھو کہ گویا تم نے ان کو اپنا پسر اور اولاد بنا لیا ہے تا کہ تم ان میں رغبت فی العلم کے فروغ کا باعث بنو۔

و من ناقشک من العامۃ و السوقہ فلا تناقشہُ فانہٗ یذھب ماء وجھک ولا تحتشم من احدٍ عند ذکر الحق و ان کان سلطاناً ۔ ولا ترض لنفسک من العبادات الا باکثر ما یفعلہ غیرک و یتعاطاھا ، فالعامّۃ اذا لم یروا منک الاقبال علیھا ماکثر مما یفعلون اعتقدوا فیک قلّۃ الرغبۃ۔

اور عامی اور بازاری آدمی تجھ سے جھگڑے تو اس سے جھگڑا نہ کرو ورنہ تمہاری آبرو جاتی رہے گی۔ اور اظہارِ حق کے موقع پر کسی شخص کی جاہ و حشمت کا خیال نہ کرو، اگرچہ وہ سلطانِ وقت ہو، جتنی عبادت دوسرے لوگ کرتے ہیں، اس سے زیادہ عبادت کرو، ان سے کم تر عبادت کو اپنے لئے پسند نہ کرو اور عبادت میں سبقت اختیار کرو اس لئے کہ عوام جب کسی عبادت کو بکثرت کر رہے ہوں گے اور پھر وہ دیکھیں گے کہ تمہاری اس قدر توجہ اس عبادت پر نہیں ہے، تو وہ تمہارے میں قلتِ رغبت کا گمان کریں گے۔

واعتقدوا انّ علمک لا ینفعک الا ما نفعھم الجَھلُ الذی ھم فیہ۔

اور یہ سمجھیں گے کہ تمہارے علم نے تمہیں نفع نہیں پہنچایا، مگر وہی نفع جو ان کو جہالت نے بخشا ہے جس میں وہ پڑے ہوتے ہیں۔

آدابِ معاشرت :

و اذا دخلت بلدۃً فیھا اھل العلم فلا تتخذھا لنفسک، بل کن لواحد من اھلھم لیعلموا انک لا تقصد جاھھم۔

اور جب تم کسی ایسے شہر میں قیام کرو جس میں اہل علم بھی ہوں تو اس شہر کو تم اپنی ذات کے لئے (کسی امتیاز کے ساتھ) اختیار نہ کرو، بلکہ اس طرح رہو کہ گویا تم بھی انہی میں سے ایک شہری ہو تاکہ ان کو یقین ہو جائے کہ تمہیں ان کی جاہ و منزلت سے کوئی سروکار نہیں ہے۔

وَ الّا یخرجون علیک باجمعهم و یطعنون فی مذهبک۔

ورنہ (اگر انہوں نے اپنی عزت کو خطرہ محسوس کیا تو) وہ سب کے سب تمہارے خلاف خروج کریں گے اور تمہارے مسلک پر کیچڑ اُچھالیں گے۔

و العامّة یخرجون علیک و ینظرون الیک باعینهم فتصیر مطعونا عندهم بلا فائدةِ ، و ان استفتوک فی مسائلٍ فلا تناقشهم فی المناظرة و لمطارحات۔

(اور ان کی شہ پر) عوام بھی تمہاری طرف نکل کھڑے ہوں گے، اور تم کو (تیز تیز) نگاہوں سے دیکھیں گے، جس کی وجہ سے تم ان کی نظر میں مورد ملامت بنو گے۔ آخر اس سے فائدہ کیا؟ اور اگر وہ تم سے مسائل دریافت کریں تو ان سے مناظرہ یا جلسہ گاہوں میں بحث و جدال سے باز رہو۔

و لا تذکر لهم شیئًا الّا عن دلیل واضح ، ولا تطعن فی اساتذتهم فانهم یطعنون فیک۔

اور جوبات ان سے کرو، واضح دلیل کے ساتھ کرو، اور ان کے اساتذہ کے باب میں ان کو طعنہ نہ دو، ورنہ تمہارے اندر بھی کیڑے نکالیں گے۔

و کن من الناس علی حَذْرٍ و کن للّٰه تعالٰی فی سرّک کما انت له فی اعلانیتک۔

اور تم لوگوں سے چوکنا رہو اور تم اپنے باطنی اور پوشیدہ احوال کو خالص اللہ کے

لئے ایسا بناؤ جیسا کہ تمہارا ظاہر ہے۔

ولاتصلح امر العلم الا بعد ان تجعل سرّہ کعلانیتہ۔

اور علم کا معاملہ اصلاح پذیر نہیں ہوتا تاوقتیکہ تم اس کے باطن کو اس کے ظاہر کے مطابق نہ بنالو۔

آرائشِ کردار :

و اذا اولاک السلطان عملًا لا یصلح لک فلا تقبل ذالک منه الّا بعد ان تعلم انّهٗ یولّیک ذالک الا لعلمک،

اور جب سلطان وقت تمہیں کوئی ایسا منصب تفویض کرے جو تمہارے لئے مناسب نہیں ہے تو اسے اس وقت تک قبول مت کرو، جب تک تمہیں یہ معلوم نہ ہو جائے کہ اس نے جو منصب تمہیں سونپا ہے، وہ محض تمہارے علم کی وجہ سے سونپا ہے۔

و ایّاک و ان تتکلم فی المجلس النظر علیٰ خوفٍ ، فانّ ذالک یورث الخلل فی الاحاطه و الکلّ فی اللّسان۔

اور مجلس فکر و نظر میں ڈرتے ہوئے کلام مت کرو، اس لئے کہ یہ خوفزدگی کلام میں خلل انداز ہوگی اور زبان کو ناکارہ بنادے گی۔

و ایّاک ان تکثر الضحک فانه یمیت القلب۔

زیادہ ہنسنے سے احتراز کرو کہ زیادہ ہنسی دل کو مردہ کر دیتی ہے اور سکون و اطمینان کے ساتھ چلو۔

ولا تمش الا علیٰ طمانینةٍ ولاتکن عجولا فی الاُمور و من دعاک من خلفک فلا تجبه فانّ البهائم تنادی من خلفها ، و اذا تکلمت فلا تکثر صیاحک و لاترفع صوتک ' واتخذ لنفسک السکون و قلّة الحرکة عادةً ،

کئی یتحقق عند الناس ثباتک ، و اکثر ذکر اللّٰہ تعالیٰ فیما بین الناس یتعلّموا ذالک منک ، واتخذ لنفسک وردا خلف الصلوٰۃ تقرا فیھا القرآن و تذکر اللّٰہ تعالیٰ ، و تشکرہ علیٰ ما اودعک من الصبر و اولاک من النعم و اتخذ لنفسک ایامًا معدودۃٍ من کل شھرٍ تصومُ فیھا لیقتدی بہ غیرک بک ، و راقب نفسک و حافظ علی الغیر لتنفع من دنیاک و آخرتک بعلمک ، ولاتشتر بنفسک ولا تبع بل اتخذ لک غلامًا مصلحاً (ای خادما ثقہ امینا ، ھذا ھو المراد لکن فی استعمال المصلح بمعنی الخادم لم اجدہ فیما عندی من کتب اللغۃ) یقوم باشغالک و تعتمدُ علیہ فی اُمورِک ، ولا تَطْمَئن الیٰ دنیاک و الیٰ ما انت فیہ ، فانَّ اللّٰہ تعالیٰ سائلک عن جمیع ذالک۔

اور اُمورِ زندگی میں زیادہ عجلت پسند نہ بنو اور جو تمہیں پیچھے سے آواز دے اس کا جواب مت دو کہ پیچھے سے آواز چوپاؤں کو دی جاتی ہے۔ اور گفتگو کے وقت زیادہ نہ چیخو' اور نہ اپنی آواز کو بلند کرو، سکون اور قلتِ حرکت کو اپنی عادات میں شامل کرو تاکہ لوگوں کو تمہاری ثبات قدمی کا یقین ہو جائے اور لوگوں کے سامنے اللہ کا ذکر کثرت سے کرو تاکہ لوگ تم سے اس خوبی کو حاصل کرلیں اور اپنے لئے نماز کے بعد ایک وظیفہ مقرر کرو، جس میں تم قرآن کریم کی تلاوت کرو اور اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو۔ اور صبر و ثبات کی دولت جو حق تعالیٰ نے تم کو بخشی ہے اور دیگر جو نعمتیں عطا کی ہیں ان پر اس کا شکر ادا کرو، اور اپنے لئے ہر ماہ کے چند یوم روزہ کے لئے مقرر کرو تاکہ دوسرے لوگ اس میں تمہاری اقتدا کریں۔ اپنے نفس کی دیکھ بھال رکھو، اور دوسرے کے رویہ پر بھی نظر رکھو، تاکہ تم اپنے علم کی وجہ سے دنیا اور آخرت دونوں سے نفع اُٹھاؤ اور بذاتِ خود خرید و فروخت مت کرو، بلکہ (اس کام کیلئے) ایک ایسا خدمت گار رکھو، جو تمہاری ایسی حاجتوں کو حسن و خوبی پورا کرے اور تم اس پر اپنے دنیاوی معاملات میں اعتماد کرو۔ اپنی دنیا اور اس صورتِ حال کے باب میں جس میں تم ہو

بے فکر مت رہو، اس لئے اللہ تعالیٰ تم سے ان تمام چیزوں کے بارے میں سوال کریں گے۔

و لا تشتر الغلمان المردان ، و لا تظهر من نفسک التقربُ الٰی السلطان و ان قربک فانه ترفع (ای ترفع الیک الناس حوائج الناس بسبب اظهارک التقریب السلطان) **الیک الحوائج۔**

اور امرد لڑکوں کو مت خریدو، اور سلطانِ وقت سے اپنے خصوصی تعلق کو لوگوں پر ظاہر نہ ہونے دو۔ اگرچہ تمہیں اس کا قرب حاصل ہو ورنہ لوگ تمہارے سامنے اپنی حاجتیں پیش کریں گے۔

فان قمت اهانک و ان لم تقم من نفسک اعابک۔

اور اگر تم نے لوگوں کی حاجتوں کو اس کے دربار میں پیش کرنا شروع کر دیا، تو وہ تمہیں تمہارے مقام سے گرا دے گا اور اگر تم ان حاجتوں کی تکمیل کے لئے کمر بستہ نہ ہوئے تو حاجت مند تمہیں الزام دیں گے۔

آدابِ نصیحت :

الناس فی خطایاهُم بل اتبع فی صوابهم ، و اذا عرفت انسانًا بالشر فلا تذکرهُ بهٖ ، بل اطلب (ولاولیٰ ان یقل ولا تتبع خطا الناس و تتبع صوابهم) **منه خیراً فاذکرهُ بهٖ الا فی بابِ للدینِ فانک ان عرفت فی دینهٖ ذالک فاذکرهُ للناس کیلا یتبعوهُ و یحذروهُ ۔**

غلط باتوں میں لوگوں کی اتباع نہ چاہئے، بلکہ صحیح باتوں میں ان کی پیروی کرو۔ جب تم کسی انسان کی برائی دیکھو تو اس شخص کا تذکرہ اس برائی کے ساتھ مت کرو، بلکہ اس سے بھلائی کی اُمید رکھو (اور جب وہ بھلائی کرے تو) اس کی اس بھلائی کا ذکر کرو، الّا یہ کہ اگر تم کو اس کے دین میں خرابی معلوم ہو تو لوگوں کو اس سے آگاہ کر دینا چاہئے تاکہ وہ اس کی

اتباع نہ کریں اوراس سے برکناررہیں۔

و قال علیه السلام اذکروا الفاجر بما فیه حتیٰ یحذروهُ الناس و ان کان ذا جاهٍ و منزلةٍ ۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدایت فرمائی ہے کہ فاسق اور فاجر آدمی جس حالتِ بد میں گرفتار ہے اسے افشاء کروتا کہ لوگ اس سے بچیں، اگر چہ وہ شخص صاحبِ جاہ و منزلت ہو۔

والّذی تری منه الخلل فی الدین فاذکر ذالک و لا تبال من جاهه فان اللّٰه تعالیٰ معینک و ناصرُک و ناصر الدین ،

اسی طرح جس شخص کے دین میں تم خلل دیکھو اسے بھی بیان کرواوراس کی عزت ومرتبہ کی پروانہ کرو، بلاشبہ اللہ تعالیٰ تمہارااوراپنے دین کا معین ومددگار ہے۔

فاذا فعلت ذالک مرةً هابوک و لم یتجاسر احدٌ علی اظهار البدعة فی الدین

اگر تم ایک مرتبہ ایسا کرلوگے، وہ تم سے ڈریں گے اورکوئی شخص دین میں اظہارِ بدعت کی جسارت نہیں کرے گا۔

وَ اذا رأیت من سلطانک ما لا یوافق العلم فاذکر ذالک مع طاعتک ایّاهُ فانّ یدهٗ اقویٰ من یدک . تقول له انا مطیعٌ لک فی الذی انت فیه سلطانٌ و مسلّطٌ علیَ غیرَ انی اذکر من سیرتک ما لا یوافق العلم ۔

اور جب تم اپنے سلطانِ وقت کے خلاف علم دین کی کوئی بات دیکھوتو اس کو اپنی اطاعت ووفاداری کا یقین دلاتے ہوئے ذکر کردو (یہ اظہارِ وفاداری) اس وجہ سے ہے کہ اس کا ہاتھ تمہارے ہاتھ سے زیادہ قوی ہے، چنانچہ تم اس طرح اظہارِ خیال کرو کہ جہاں تک آپ کی سلطانیت وغلبہ کا تعلق ہے، میں آپ کا فرماں بردار ہوں، بجز اس کے کہ میں آپ

کی فلاں عادت کے سلسلے میں جو علم دین کے معیار کے مطابق نہیں ہے آپ کی توجہ مبذول کراتا ہوں۔

فاذا فعلت مع السلطانِ مرةً کفاک لانّک اذا واظبت علیه و دمت علیهم لعلهم یقهردونک (الصواب، لعلهٔ یقهروک ۱۲ حموی) فیکون فی ذالک تمح للدین، فاذا فعل ذالک مرةً اور مرّتین لیعرفک منک الجهد فی الدین و الحرص فی الامر بالمعروفِ فاذا فعل ذالک مرة اخریٰ فادخل علیه و حدک فی دارهٖ انصحه فی الدین، و ناظرهُ ان کان مبتدعًا و ان کان سلطانًا فاذکر لهٗ ما یحضرک من کتاب اللّٰه و سنّة رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم فان قبل منک و الاّ فاسالِ اللّٰه تعالیٰ ان یحفظک منه و اذکر الموت۔

سو اگر تم نے ایک بار سلطانِ وقت کے ساتھ اس جرأت سے کام لیا تو بس وہ تمہیں کافی ہوگی، اس لئے کہ تو اگر اس سے بار بار کہے گا تو شاید وہ تجھ پر سختی کرے اور اس میں دین کی ذلت ہوگی، اگر وہ ایک بار یا دو بار سختی سے پیش آئے اور تمہاری دینی جدوجہد اور امر بالمعروف میں تمہاری رغبت کا اندازہ کرے اور اس وجہ سے وہ دوسری مرتبہ خلافِ علم حرکت کرے تو اس سے اس کے گھر پر تنہائی میں ملاقات کرو اور نصیحت فی الدین کا فریضہ ادا کرو۔

اگر سلطانِ وقت مبتدع ہے تو اس سے دوبدو بحث کرو، اگرچہ وہ سلطان ہے اور اس سلسلہ میں کتاب اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مین سے جو تمہیں یاد ہو، یاددہانی کراؤ، اگر وہ (ان باتوں کو) قبول کرلے تو ٹھیک ہے ورنہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرو کہ وہ اس سے تمہاری حفاظت فرمائے اور موت کو یاد رکھو۔

واستغفر للاستاذ من اخذت عنهم العلم، و داوم علی التلاوة، و اکثر من زیارة القبور و المشائخ و المواضع المبارکة و اقبل من العامة ما یعرضون من رؤیاهم

فی النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم و فی رؤیا الصالحین فی المساجد والمنازل والمقابر ولا تجالس احداً من اھل ھواء الا علی سبیل الدعوۃ الی الدین۔

اور اپنے ان استاذ کے لئے جن سے تم نے علم حاصل کیا ہے، استغفار کرو۔ اور ہمیشہ قرآن مجید کی تلاوت کرتے رہو، قبرستان، مشائخ اور بابرکت مقامات کی کثرت سے زیارت کرو۔ اور عامۃ المسلمین کے ان خوابوں کو جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صالحین سے متعلق تمہیں سنائی جائیں خواہ مسجد ہو یا قبرستان ہو (یعنی ہر جگہ) توجہ سے سنو اور اہل ہوا (دنیا پرستوں) میں سے کسی کے پاس نہ بیٹھو، الا یہ کہ اس کو دین کی طرف بلانا ہو۔

و لا تکثر اللعب والشتم و اذا اذن المؤذن فتاھب لدخول المسجد کیلا تتقدم الیک العامۃ ولاتتخذ دارک فی جوار السلطان۔

زیادہ کھیل کود اور گالم گلوچ سے اجتناب کرو اور جب مؤذن اذان دے تو عوام سے قبل مسجد میں داخل ہونے کی تیاری کرو تاکہ عامۃ الناس اس باب میں تم سے مقدم نہ ہوں اور سلطانِ وقت کے قرب و جوار میں رہائش اختیار نہ کرو۔

وما رأیت علی جارک ما سترہٗ علیہ فانہٗ امانۃٌ۔

اگر تم اپنے ہمسایہ میں کوئی بات (برائی) دیکھو تو (سلطانِ وقت سے) پوشیدہ رکھو کہ یہ امانت داری ہے۔

ولا تظھر اسرار الناس، و من استشارک فی شئی فاشر علیہ بما تعلم انہ یقربک الی اللّٰہ تعالیٰ۔

اور لوگوں کے بھید ظاہر نہ کرو، اور جو شخص تم سے کسی معاملہ میں مشورہ لے تو اس کو اپنے علم کے مطابق (صحیح) مشورہ دو کہ یہ بات اللہ سے قریب کرنے والی ہے۔

و اقبل وصیتی ھذہٖ فانک تنتفع بما فی اولاک و اخراک ان شاء اللّٰہ تعالیٰ۔

اور میری اس وصیت کو توجہ سے یاد رکھنا کہ ان شاء اللہ یہ وصیت تمہیں دنیا و آخرت میں نفع دے گی۔

تشکیلِ ہمت و استغناء:

و ایاک و البخل فانّهٗ یبغض به المرأ۔

بخل سے اجتناب کرو کہ اس کی وجہ سے انسان دوسروں کی نظروں میں مبغوض ہو جاتا ہے۔

و لا تک طمّاعاً و لا کذّاباً، و لا صاحب تخلیط (ای و لا تکن صاحب تخلیط الحق و الباطل و الجدل و الهزل) ۔لالچی اور دروغ گو نہ بنو۔

حق و باطل (یا مذاق و سنجیدگی میں) التباس پیدا کرنے والا نہ بنو۔

بل احفظ مرّوتک فی الأمور کلها و البس من الثیاب البیض فی الاحوال کلها۔

بلکہ تمام امور میں اپنی شجاعت حمیت کی حفاظت کرو اور ہر موقع پر سفید لباس زیبِ تن کرو۔

و اظهر غنا القلب مظهراً من نفسک قلّة الحرص و الرغبة فی الدنیا و اظهر من نفسک الغناء و لاتظهر الفقر و ان کنت فقیراً، و کن ذاهمة۔

اور اپنی طرف سے حرص اور رغبت فی الدنیا کی قلت ظاہر کرتے ہوئے دل کا غنا ظاہر کرو، اور اپنے آپ کو مالدار ظاہر کرو اور تنگدستی ظاہر نہ ہونے دو، اگرچہ فی الواقعہ تم تنگ دست ہو۔ باہمت بنو۔

فانّ من ضعفت همته ضعفت منزلته، و اذا مشیت فی الطریق فلا تلتفت یمیناو لا شمالا. و اذا دخلت الحمام فلا تساوی الناس فی اجرة الحمام و المجلس۔

اور جس شخص کی ہمت کم ہوگی، اس کا درجہ بھی کم ہوگا اور راہ چلتے دائیں بائیں

التفات نہ کرو بلکہ ہمیشہ زمین کی جانب نظر رکھو۔ اور جب تم حمام میں داخل ہوتو حمام اور نشست گاہ کی اُجرت دوسرے لوگوں سے زیادہ دو۔

بل ارجع علی ما یعطی العامة لتظهر مروتک بینهم، فیعظمونک ولا تسلم الأمتعة الی الحائک و سائر الصناع۔

تا کہ ان پر تمہاری عالی ہمتی ظاہر ہو، وہ تمہیں باعظمت انسان خیال کریں اور اپنا سامان ضرورت بافندہ اور دیگر کاریگروں کو خود جا کر ان کے حوالے نہ کیا کرو۔

اتخذ لنفسک ثقة یفعل ذالک . و تماکس الحبات والدوانیق، ولا تزن الدراهم بل اعتمد علی غیرک، و حقر الدنیا المحقرة عند اهل العلم۔

بلکہ اپنے لئے ایک بااعتماد ملازم رکھو جو تمہارے یہ امور انجام دیا کرے، اور درہم و دینار کی خرید وفروخت میں سیانپت اختیار کرو (یعنی لین دین میں چوکس رہنا اور جھگڑنا) اور درہموں کا وزن خود نہ کیا کرو، بلکہ (اس معاملہ میں بھی) کسی اور شخص پر اعتماد کرو اور متاع دنیا کو جس کی اہل علم کے نزدیک کوئی قدر و منزلت نہیں ہے حقیر جانو۔

فانّ ما عند الله خیر منها وولّ امورک غیرک لیمکنک الاقبال علی العلم۔

کہ اللہ تعالیٰ کے پاس جو نعمتیں ہیں وہ دنیا سے بہتر ہیں (غرضیکہ) اپنے معاملات زندگی کسی دوسرے شخص کے سپرد کر دو تا کہ تمہاری توجہ علم دین پر پوری طرح مرکوز رہے۔

فانّ ذالک احفظ لحاجتک و ایاک ان تکلم المجانین۔

سو یہ طرز عمل تکمیل حاجت کا زیادہ کفیل ہے۔ بچو ان (جن کو لوگ مجذوب خیال کرتے ہیں)

و من لایعرف المناظرة والحجة من اهل العلم والذین (لعل الصرب .

یستغربون بذکر المسائل ای یذکرون المسائل الغریبة) یطلبون الجاہ ، و یستغرقون بذکر المسائل فیما بین الناس فانھم یطلبون تخجیلک و لا یبالون منک و ان عرفوک علی الحقّ ۔

اور ان اہل علم سے جو حجت و مناظرہ کے اسلوب سے بے بہرہ ہیں ، کلام نہ کرو ، اور وہ لوگ جو عزت پرست ہیں اور لوگوں کے معاملات میں عجیب و غریب مسائل کا ذکر کرتے رہتے ہیں ، وہ تمہیں کسی طرح شرمندہ کرنے کی خواہشمند ہوں گے اور (انہیں اپنی عزت کے مقابلہ میں) تمہاری کوئی پرواہ نہ ہوگی ، اگر چہ وہ سمجھ لیں گے کہ تم برسر حق ہو ۔

و اذا دخلت علی قوم فلا ترتفع علیھم ما لم یرفعونک ، کیلا یلحق بک منھم اذیّة ۔

اور جب کبھی بڑے رتبہ کے لوگوں کے پاس جاؤ ، تو ان پر برتری حاصل کرنے کی کوشش نہ کرو ، تاوقتیکہ وہ خود تمہیں بلند جگہ عطا نہ کریں تاکہ ان کی طرف سے کوئی اذیت تم کو نہ پہنچے ۔

و اذا کنت فی قوم فلاتتقدم علیھم فی الصلوة مالم یقدّموک علی وجہ التعظیم ۔

کسی قوم کے اندر امامت نماز کے لئے پیش قدمی نہ کرو ، جب تک کہ وہ از راہ تعظیم تمہیں مقدم نہ کریں ۔

و لاتدخل الحمّام وقت الظھیرة او الغداة ۔

اور حمام میں دوپہر یا صبح کے وقت داخل نہ ہو ۔

و لاتخرج الی النظارات ۔

اور سیر گاہوں میں نہ جایا کرو ۔

و لاتحضر مظالم السلطان ، الّا اذا عرفت انک اذا قلت شیئًا ینزلون

علیٰ قولک بالحق۔

سلاطین کے مظالم کے وقت حاضر باش نہ رہو، الا یہ کہ تمہیں اس بات کا یقین ہو کہ اگر تم انہیں ٹوکو گے تو وہ حق وانصاف پر اُتر آئیں گے۔

فانّھم ان فعلوا مالا یحلُّ و انت عندھم ربما لاتملک منعھم و یظن الناس انّ ذالک حق لسکوتک فیما بینھم وقت الاقدام علیہ ۔

اس وجہ سے اگر وہ تمہاری موجودگی میں کوئی ناجائز کام کریں گے اور بسا اوقات انہیں ٹوکنے کی تمہیں قدرت وہمت نہ ہوگی، تو لوگ تمہاری خاموشی کی بناء پر گمان کریں گے کہ سلاطین کا اقدام برحق ہے۔

آدابِ مجلس :

ایاک و الغضب فی مجلس العلم۔

علمی مجلس میں غصہ سے اجتناب کرو۔

و لا تقص علی العامّة فان القاص لا بدّ لہٗ ان یکذب۔

اور عام لوگوں کو قصہ کہانیاں سنانے کا مشغلہ اختیار نہ کرو کہ قصہ گو کو (زیب داستاں کے لئے) دروغ گوئی کے بغیر چارہ نہیں۔

و اذا اردت اتخاذ مجلس لاحدٍ من اھل العلم۔

جب تم کسی اہل علم کے ساتھ علمی نشست کا (برائے مشاورت) ارادہ کرو۔

فانّ کان مجلس فقهٍ فاحضر بنفسک و اذکر فیہ ماتعلّمہٗ کیلایفتر الناس بحضورک فیظنّون انہٗ علی صفةٍ من العلم ، و لیس ھو علیٰ تلک الصفة ، و ان کان یصلُحُ للفتویٰ فاذکر منہ ذالک و الا فلا۔

اور وہ فقہی مجلس ہو تو اس میں بیٹھو اور اس میں ان باتوں کو بیان کرو جو مخاطب کے

لئے تعلیم کا حکم رکھتی ہوں تا کہ تمہاری حاضر باشی سے لوگوں کو یہ دھوکہ نہ ہو کہ تمہارا ہمنشین کسی صفت علم سے موصوف ہے جبکہ وہ درحقیقت ایسا نہ ہو اور اگر وہ شخص فتوے کو سمجھنے کا اہل ہے تو فتوی بیان کرو، ورنہ ضرورت نہیں ہے۔

و لا تعقد لیدرّس الآخر بین یدیک۔

اور اس مقصد کے لئے کہیں نہ بیٹھو کہ دوسرا شخص تمہاری موجودگی میں درس دیا کرے۔

بل انرک عندہٗ من اصحابک لیخبرک بکیفیة کلامه و کمیة علمه۔

بلکہ (نگرانی کے لئے) اس کے پاس اپنے ساتھیوں میں سے کسی کو بٹھا دو تا کہ وہ تمہیں اس کی گفتگو کی کیفیت اور اس کے علم کی کمیت (مقدار) سے مطلع کرے۔

و لا تحضر مجالس الذکر او من یتخذ مجلس عظة بجاهک و تزکیتک له بل وجه اهل محلتک و عامتک الذین تعتمد علیهم مع واحدٍ من اصحابک۔

مجالس ذکر و بیان یا اس شخص کی مجلس وعظ میں حاضری نہ دو، جو تمہاری جاہ و منزلت یا تمہاری جانب سے اس کے تزکیۂ نفس کی نسبت سے مجلس قائم کرے (یعنی جو شخص تمہارے تعلق سے دینی افادے کا کام کرے) بلکہ ان کی جانب اپنے ساتھیوں (شاگردوں وغیرہ) میں سے کسی ایک شخص کی معیت میں اپنے اہلِ محلّہ اور اپنے عوام کو جن پر تمہیں اعتماد ہے، متوجہ کرو (کہ وہ سب وہاں جایا کریں)

و فوض امر الناکح الی خطیب و کذا صلوة الجنازة و العیدین۔

اور نکاح خوانی کا کام کسی خطیب کے حوالے کر دو، اسی طرح نماز جنازہ اور عیدین کی امامت بھی کسی اور شخص کے حوالے کر دو۔

و لاتنسی من صالح دُعائک و اقبل هذه الموعظة منی،

اور (آخری بات یہ کہ) ہمیں اپنی نیک دعاؤں میں فراموش نہ کرنا اور ان نصیحتوں کو میری جانب سے قبول کرو۔

و انما اوصیک لمصلحتک و مصلحۃ المسلمین۔ (انتہی)

اوران نصیحتوں کو میری جانب سے قبول کرو کہ یہ میں نے تمہارے اور اہلِ اسلام کے فائدے کے لئے وصیتیں کی ہیں۔

۲۔امام اعظم ابوحنیفہؒ...... بنام...... یوسف بن خالد سمتی

تعمیر انسانیت :

بَعْدَ اَنْ اَخَذَ یُوسُفُ بِنْ خَالِدِ السَّمتی الْعِلْمَ عَنْ اَبِیْ حَنِیْفَۃَ وَ اَرَادَ الرَّجُوْعَ اِلٰی بَلَدَتِہِ الْبَصْرَۃِ اسْتَاذَنَ اَبَا حَنِیْفَۃَ فِی ذٰلِکَ ۔ فَقَالَ لَہٗ اَبُوْحَنِیْفَۃَ ، حَتّٰی اُزَوِّدَکَ بِوَصِیَّۃٍ فِیْمَا تَحْتَاجُ اِلَیْہِ فِیْ مُعَاشَرَۃِ النَّاس ، وَمَرَاتِبِ اَھْلِ الْعِلْم و تَادِیْبِ النَّفْسِ وَسِیَاسَۃِ الرَّعِیَّۃِ ، وَ رِیَاضَۃِ الْخَاصَّۃِ وَالْعَامَّۃِ وَ تَفَقّدِ اَمْرِ الْعَامَّۃِ ، حَتّٰی اِذَا خَرَجْتَ بِعِلْمِکَ کَانَ مَعَکَ آلَۃٌ تَصْلُحُ لَہٗ ، و تَزِیْنُہٗ وَلَا تَشِیْنُہٗ۔

یوسف بن خالد سمتی حضرت امام اعظمؒ کی خدمت میں رہ کر تکمیلِ علم کر چکے تو وطن مالوف بصرہ کو واپس ہونے کا ارادہ کیا، استادِ شفیق سے اجازت چاہی تو امام صاحب نے فرمایا کہ میں تمہارے لئے چند باتیں کہنا چاہتا ہوں۔ یہ باتیں تمہیں ہر جگہ کام دیں گی، خواہ لوگوں کے ساتھ معاملات ہوں یا اہلِ علم کے مراتب کا سوال ہو، تادیب نفس کا مرحلہ ہو یا خواص وعوام کی تکمیل ہو، یا عام حالات کی تحقیق مقصود ہو، غرض یہ کہ دینی باتیں، دینی ور دنیاوی زندگی کے ہر موڑ پر کام آئیں گی اور علم کے لئے ایک ذریعۂ خیر وصلاح بن جائیں گی۔

حقوقِ معاشرت :

و اعلم انک متی اسات معاشرة الناس صاروا لک اعداءً ، و ان کانوا لک اٰباءً واُمهاتٍ ، و متی احسنت معاشرة قوم لیسوا لک باقرِباء صاروا لک اُمهاتٍ و آباءً ۔

اس نکتہ کو خوب سمجھ لو کہ جب تم انسانی معاشرے کو بُرا سمجھو گے تو لوگ تمہارے دشمن بن جائیں گے ۔ چاہے وہ تمہارے ماں باپ ہی کیوں نہ ہوں ، اور جب اس معاشرے کے ساتھ اچھا سلوک کرو گے تو یہ معاشرہ تمہیں عزیز رکھے گا اور اس کے افراد تمہارے لئے ماں باپ بن جائیں گے ۔

ثم قال لی اُصبر حتی افرغ لک نفسی و اجمع لک همی ، و اعرفک من الامر ما تحمدنی فی نفسک علیه و ما توفیقی الا باللّٰه ۔

پھر فرمایا ذرا اطمینان سے مجھے چند باتیں کہنے دو ، میں تمہارے لئے ایسے اُمور کی نشاندہی کئے دیتا ہوں ، جن کا خود بخود شکریہ کے ساتھ اعتراف کرنے پر مجبور ہو گے ، وما توفیقی الا باللہ ۔

فلمّا مضی المیعاد اخلی بی نفسه ، فقال : انا اکشف لک عما تعرضت لهٗ ، کانی بک ، و قد دخلت البصرة ، و اقبلت علی من یخالفوننا بها ، و رفعت نفسک علیهم ، و تطاولت بعملک لدیهم و انقبضت عن معاشرتهم و مخالطتهم و خالفتهم و خالفوک ، و هجرتهم ، وهجروک و شتمتهم و شتموک و ضللتهم و ضللوک و بدعوک ، اتّصل الشین بناو بک ، فاحتجت الی الانتقال عنهم ، والهرب منهم ، و هذا لیس من رأی لانهٗ لیس بعاقل من لم یُدار من لیس له من مدراته بدّ حتی یجعل اللّٰه له مخرجاً ۔

تھوڑی دیر بعد فرمایا، دیکھو گویا میں تمہارے ساتھ ہوں اور تم بصرہ پہنچ گئے ہو اور تم اپنے مخالفوں کی طرف متوجہ ہو گئے، اپنے آپ کو ان پر فوقیت دینے لگے، تم نے اپنے علم کی وجہ سے خود کو ان پر بڑا ثابت کیا۔ ان کے ساتھ اختلاط کو برا سمجھا، ان کے معاشرے سے منقبض ہوئے، ان کی مخالفت پر کمربستہ ہو گئے، نتیجہ میں انہوں نے بھی تمہاری مخالفت کی، تم نے انہیں چھوڑ دیا تو انہوں نے بھی تمہیں منہ نہیں لگایا، تم نے انہیں گالی دی، ترکی بہ ترکی جواب ملا، تم نے انہیں گمراہ کہا، تو انہوں نے تمہیں بدعتی اور گمراہ گردانا، یہ لوسب کا دامن آلودہ ہو گیا، اب تمہیں ضرورت ہوئی کہ تم ان سے کہیں دور بھاگ جاؤ اور یہ کھلی حماقت ہے وہ شخص کبھی اچھی سوجھ بوجھ کا نہیں ہوسکتا ہے کہ اسے کسی سے واسطہ پڑا ہوا ہو اور وہ کوئی راہ پیدا ہونے تک نباہ نہ کر سکے۔

فرقِ مراتب وادائے حقوق :

اذا دخلت البصرة استقبلک الناس وزاروک ، و عرفوا حقَّک ، فانزل کل رجُلٍ منهم منزلته وَاکرِمْ اهل الشرَفِ و عظِّم اهلَ العلم ، و وقِّرْ الشیوخ ولا طف الاحداث ، و تقرب من العامّة ، و دارِ الفجارَ واصحب الخیار ، ولا تتهاون بالسلطان ، ولا تحقرن احدًا ولاتقصرنّ فی اقامة مروء تک ولا تخرجن سرک الی احد ولا تثقن بصحبة احد حتی تمتحنه ، ولا تصادق خسیسًا ، ولا وضیعا ولا تألفنّ ما ینکر علیک فی ظاهرک ، و ایّاک و الانبساط الی السفهاء ولا تجیبنَ دَعْوةً ولا تقبلنّ هدیة، و علیک بالمدارة والصبر والاحتمال و حسن الخلق و سعة الصلر واستجد ثیابک و استفره دابتک واکثر استعمال الطیب واجعل لنفسک خلوة ترم بها حوائجک ، وابحث عن اخبار حشمک ، وَ تقدّم فی تأدیبهم و تقویمهم و استعمل فی ذالک الرفق ، و لا تکثر العتاب فیهون العذل ولا تل

تادیبھم بنفسک فانه ابقی لحالک۔

جب تم بصرے پہنچو گے تو لوگ تمہارا خیر مقدم کریں گے تم سے ملاقات کے لئے آئیں گے کیونکہ یہ ان کا معاشرتی فریضہ ہے، اب تم ہر ایک کو اس کا مقام عطا کرو، بزرگوں کی عزت کرو، علماء کی تعظیم کرو، بوڑھوں کی توقیر کرو، نوجوانوں سے نرمی کا برتاؤ کرو، عوام کے قریب رہو، نیک بد کے پاس اٹھنا بیٹھنا رکھو، بادشاہِ وقت کی توہین نہ کرو، کسی کو کمتر نہ سمجھو، اپنی مروّت و شرافت کو پسِ پشت نہ ڈالو، اپنا راز کسی پر فاش نہ کرو، بغیر پرکھے ہوئے کسی پر اعتماد نہ کر بیٹھو، خسیس الطبع اور کمینوں سے میل ملاپ نہ رکھو، اس شخص سے محبت و اُلفت کا اظہار نہ کرو جو تمہیں ناپسند کرتا ہو۔ سنو! کہ احمقوں سے مل کر خوشی کا اظہار نہ کرو، ان کی دعوت پر لبیک کہو اور نہ ہی ان کا ہدیہ قبول کرو۔

نرم گفتاری، ضبط و تحمل، حسن خلاق، کشادہ دلی، اچھے لباس اور خوشبو کو اپنے لئے لازم رکھو۔ سواریوں میں ہمیشہ اچھی سواری رکھو۔ حوائج ضروریہ کے لئے کوئی وقت مقرر کرلو، تاکہ ہر کام کو آسانی سے کرسکو، اپنے ساتھیوں سے غفلت نہ برتو، ان کی درستگی کی سب سے پہلے فکر کرو، مگر اس میں نرمی کا دامن ہاتھ سے نہ جانے دو، نرم لہجہ میں گفتگو کو اپناؤ، عتاب و توبیخ سے بچو کہ اس سے ناصح ذلیل ہوتا ہے۔ انہیں اس بات کا موقع نہ دو کہ وہ تمہاری تادیب کریں ایسا کرنے سے تمہارے حالات درست رہیں گے۔

بندگی اور اصلاحِ زندگی :

و حافظ علی صلواتک و ابذل طعامک، فانهٔ ما ساد بخیل قطُّ ولتکن لک بطانةُ تعرفک اخبار الناس فمتی عرفت بفسادٍ بادرت الی اصلاحه، و متی عرفت بصلاحٍ ازدوت فیه رغبة و عنایة و زُر من یزورک و من لایزورک، و احسن الی من یحسن الیک اویسیءُ و خذالعفو، وأمر بالعرف و تغافل عمّا لا

یعنیک و اترک کل من یؤذیک و بادر فی اقامة الحقوق ، و من مرض من اخوانک فعدهٗ بنفسک ، و تعاهده برسلک و من غاب منهم افتقدت احوالهٗ ، و من قعد منهم عنک فلا تقعُدْ انت عنه و صل من جفاک ، واکرم من اتاکَ ، وَ اُعف عمن اساء الیکَ ، و من تکلم فیک بالقبیح فتکلم فیه بالحسن و الجمیل ، ومن مات منهم قضیت حقهٗ ، ومن کانت له فرحةً هناتهُ بها ، و من کانت له مصیبة عزّیته عنها و من اصابته جائحة توجعت بها و من استهنضک بامر من اُموره نهضت له ، و من استغاثک فاغثه و من استنصرک نصرته ، و اظهر تودُّدًا الی الناس ما استطعت و افش السلام ولو علی قومٍ لئامٍ ، و متی جمع بینک و بین غیرک مجلس او ضمک و ایاهم مسجد و جرت المسائل و حاضوا فیها بخلاف ما عندک لا تبدلهم منک خلافا ۔

نماز کی پابندی کرو، سخاوت سے کام لو، کیونکہ بخیل آدمی کبھی سردار نہیں بن سکتا، اپنا ایک مشیرِ کار بنالو جو تمہیں لوگوں کے حالات سے مطلع کرتا رہے اور جب تمہیں کوئی خراب بات نظر آئے تو اس کی اصلاح کرنے میں جلدی کرو، جب تم اصلاح کی راہ پا جاؤ تو اپنی رغبت اور عنایت کو اور بڑھاؤ۔ جو شخص تم سے ملے اس سے ملا کرو، اور اس سے بھی جو نہ ملے جو شخص تمہارے ساتھ نیک سلوک کرے، اس کے ساتھ ویسا ہی کرو، اور کوئی بدخلقی سے پیش آئے تو تم حسنِ اخلاق کا ثبوت دو۔ عفو اور کرم کو مضبوطی سے تھام لو، نیک کاموں کی طرف لوگوں کو متوجہ کرو، جو شخص تمہارے درپئے آزار ہو اس سے ترک تعلق کرلو، حقوق کی ادائیگی میں کوشاں رہو، اگر کوئی مسلمان بھائی بیمار ہو جائے تو اس کی مزاج پرسی کرو اور اگر کوئی آنا جانا چھوڑ دے تو تم نہ چھوڑو، اگر کوئی شخص تم پر ظلم کرے تو اس کے ساتھ صلہ رحمی کرو، جو شخص تمہارے پاس آئے اس کی عزت کرو، اگر کسی نے تمہاری برائی کی تو اس سے درگزر کرو، جو

شخص تمہارے خلاف غلط قسم کا پروپیگنڈہ کرے، اس کے باب میں تم اچھی بات کہو، اگر کسی کا انتقال ہوجائے تو اس کے حقوق پورے کردو، اگر کسی کو خوشی کا موقع میسر آئے تو اسے مبارکباد دو، اگر کسی پر مصیبت آپڑے تو اس کی غم خواری کرو، اگر کسی پر آفت ٹوٹ پڑے تو اس کے غم میں شرکت کرو اور اگر تم سے کام لینا چاہے تو کردو، اگر کوئی فریادی ہو تو اس کی فریاد سن لو، اگر کوئی طالب نصرت ہو تو اس کی مدد کرو، جہاں تک تم سے ہو سکے لوگوں سے محبت و رأفت کا اظہار کرو۔ سلام کو رواج دو خواہ وہ کمینوں ہی کی جماعت ہو، اگر مسجد میں یا تمہارے پاس کچھ لوگ بیٹھے مسائل پر گفتگو کر رہے ہوں تو اُن سے اختلاف رائے نہ کرو۔

تعلیم وتربیت :

فان سئلت عنها اخبرت بما يعرفه القوم ، ثم تقول فيها قول آخر و هو كذا و كذا ، والحجة له كذا فان سمعوهٗ منک عرفوا منزلتک و مقدارک و اعط كل من يختلف اليک نوعا من العلم ينظر فيه ، و خذهم بجلي العلم دون دقيقه و آنسهم و مازحهم احياناً و ماحادثهم فانها تجلب لک المودّة و تستديم مواظبة العلم ، و اطعمهم احياناً و تغافل عن زلّاتهم و اقض حوائجهم و ارفق بهم ، و سامحهم و لاتبد لاحدٍ منهم ضيق صدر او ضجرا و كن كواحد منهم ، و عامل الناس معاملتک لنفسک و ارض منهم ماترضاه لنفسک .

اگر تم سے کوئی بات پوچھی جائے تو پہلے جو لوگوں میں رائج ہو اسے بتاؤ پھر کہو اس میں دوسرا قول بھی ہے اور وہ ایسے اور ایسے ہے اس کی دلیل یہ ہے اگر انہوں نے سن لیا تو یقیناً ان کے دلوں میں تمہاری قدر و منزلت جاگزیں ہوجائے گی، جو شخص تمہاری مخالفت کرے تو اسے ایسی کوئی راہ دکھادو جس پر وہ غور کرے، لوگوں کو آسان باتیں بتایا کرو، دقیق اور گہرے مسائل نہ بیان کرو، مبادا وہ غلط مطلب سمجھ لیں۔ ان سے لطف و مہربانی کا معاملہ

کرو، کبھی کبھی ان سے ہنسی مذاق بھی کر لیا کرو، کیونکہ تمہارا یہ عمل لوگوں میں محبت پیدا کر دے گا۔ ہمیشہ علمی چرچا رکھو اور کبھی کبھی ان کی دعوت کر دیا کرو، ان سے سخاوت کیا کرو، چھوٹی چھوٹی غلطیوں سے تغافل برتو، ان کی ضروریات کو پورا کرو، لطف و کرم اور چشم پوشی کو اپنا خاصا بنالو، کسی سے دل تنگ اور زجر توبیخ سے پیش نہ آؤ، آپس میں گھل مل کر اس طرح رہو گویا تم ایک ہی ہو، لوگوں کے ساتھ وہی معاملہ کرو جو اپنے لئے پسند کرتے ہو، ان کے لئے وہی چیزیں پسند کرو جو تمہیں مرغوب ہوں۔

تزکیہ نفس اور نیک و بد کی پہچان :

واستعن علی نفسک بالصیانة لها ، والمراقبة لاخوانها ، ودع الشغب ، ولا تضجر لمن یضجر علیک واسمع من یستمع منک و لا تکلف الناس ما لا یکلفونک ، وارض لهم ما رضوا لانفسهم ، و قدم الیهم حسن النیة ، واستعمل الصدق ، واطرح الکبر جانبا ، وایاک والغدر و ان غدروابک واد الامانة و ان خانوک و تمسک بالوفاء و اعتصم بالتقوی . و عاشر اهل الادیان حسب معاشرتهم۔

نفس کی حفاظت کرو احوال کی دیکھ بھال رکھو، فتنہ انگیزی سے دور رہو، اگر کوئی شخص تمہیں زجر و توبیخ کرے تو تم اسے نہ جھڑکو، اگر کوئی تمہاری باتیں غور سے سن رہا ہو، تو بھی اس کی طرف کان لگالو، لوگوں کو ایسی چیزوں کا مکلّف نہ بناؤ، جس کی وہ تمہیں تکلیف نہیں دیتے۔ حسنِ نیت سے عوام کا خیر مقدم کرو، سچائی کو لازم رکھو، غرور و تکبر کو ایک طرف ڈال دو، دھوکہ بازی سے دور رہو، چاہے لوگ تمہارے ساتھ ایسا ہی معاملہ کرتے ہوں، امانت میں خیانت نہ کرو خواہ لوگ تمہارے ساتھ خیانت ہی کیوں نہ کر رہے ہوں۔ وفاداری اور تقویٰ کو مضبوطی سے تھام لو، اہل کتاب سے وہی رہن سہن رکھو جیسا وہ تمہارے

ساتھ رکھتے ہوں۔

فانک ان تمسکت بوصیتی ھذہ رجوت لک ان تسلم ثم قال لہ انہ یحزننی مُفَارَقتک، وتونسنی معرفتک فواصلنی بکتبک؟ وعرفنی حوائجک و کن لی کابنٍ فانی لک کابٍ، وصلی اللہ علی سیدنا محمد النبی الامی، وعلی آلہ و صحبہ وسلم۔

پس اگر تم نے میری اس وصیت پر عمل کیا تو یقیناً ہر آفت سے بچے رہو گے دیکھو اس وقت میں دو کیفیتوں سے دوچار ہوں، تم نظر سے دور ہو جاؤ گے اس کا تو غم ہے اور اس پر مسرت ہے کہ تم نیک و بد کو پہچان لو گے۔ خط و کتابت جاری رکھنا، اپنی ضرورتوں سے مطلع کرتے رہنا، تم میری اولاد ہو، میں باپ ہوں، وصلی اللہ علی سیدنا محمدٍ النبیّ الامیّ و علی آلہ و صحبہ و سلّم۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

باب : ۱۱

امامِ اعظم ابو حنیفہؒ کا نظریۂ انقلاب وسیاست

تمہید اور اجمالی خاکہ :

امام اعظم ابو حنیفہؒ کی سیاسی زندگی کے تین مختلف ادوار تھے۔ پہلے دو دور انتظار کے دور تھے۔ انقلاب لایا جا سکتا تھا، جان پر کھیلا جا سکتا تھا، مگر ذاتی منفعت یعنی عزیمت و شہادت کے سوا قومی وملی اور اجتماعی مفادات کے تحفظ کی بھاری قیمت وصول کرنا بظاہر ناممکن تھا۔ اس لئے اندرونِ خانہ خاص منصوبہ بندی کے ساتھ وضع قوانین اور ان کے نفاذ و اجراء اور غلبہ واستحکام کے لئے وسیع اور ہمہ گیر تحریک چلائی، جو مثالی طور پر کامیاب ہوئی۔

اور جب انتظار کا زمانہ ختم ہوا۔ مجلس وضع قوانین نے اپنا کام مکمل کر دیا اور اب انقلابی تحریک برپا کرنے سے محض انقلاب برائے انقلاب کے بجائے انقلاب برائے اسلام کی توقع قائم ہوئی تو امام ابوحنیفہ نے جان کا نذرانہ پیش کر کے ذاتی منفعت یعنی خلعت خون وشہادت سے بڑھ کر قومی وملی اور اجتماعی مفادات کے تحفظ واستحکام کی بھاری قیمت حاصل کی اور پوری ملت کے لئے اسلام کے نظریہ سیاست کی وضاحت اور اسلامی ریاست میں اسلامی سیاست کے رہنما اصول کے نشان قائم کئے۔ ہم نے اس دور کو امام ابوحنیفہ کی سیاسی زندگی کے تیسرے دور سے تعبیر کیا ہے۔

سیاستِ ابوحنیفہؒ کے ادوارِ ثلاثہ :

پہلا دور بنی اُمیہ کی حکومتِ قاہرہ کے جبر و تشدد، ظلم و استبداد کے زمانے میں امام ابوحنیفہؒ کے سیاسی لائحۂ عمل، حضرت زید شہیدؒ کی حمایت میں فتویٰ کے باوجود عملاً بڑی قربانی دے کر اس کی زیادہ سے زیادہ قیمت حاصل کرنے کا عزم، گورنر ابن ہبیرہ کے بے پناہ مظالم، اور بنی اُمیہ کے خلاف عباسیوں کی انقلابی تحریک (جو محض انقلاب لانے اور چہرے بدلنے کے لئے چلائی جارہی تھی، جس سے اسلامی نظام کے قیام اور ملکی نظام کے استحکام کی کوئی توقع نہ تھی) کے زمانے میں امام صاحبؒ کے ہجرت حرمین پر مشتمل ہے۔

دوسرے دور میں عباسیوں کے طاغیہ ابومسلم خراسانی کی سفاکیوں اور چیرہ دستیوں کے خلاف تنہا ابراہیم الصائغ کا علم بغاوت۔ امام ابوحنیفہؒ کی ان کو فہمائش اور ایک بڑی جماعت، مضبوط سیاسی قوت، اتحادِ اُمت اور ایک وسیع اور ہمہ گیر تحریک و تنظیم کے قیام کی ضرورت سے آگاہ کردینے کے باوجود ابراہیم الصائغ کا جوشِ ایمانی اور جذبۂ قربانی، امام صاحب کے اس نظریۂ سیاست کو اپنے احاطۂ ادراک میں لائے بغیر وسیع قومی و ملّی اور اجتماعی مفادات کے بجائے انفرادی اور ذاتی منفعت یعنی عزیمت و شہادت کا بلند مقام حاصل کرلیا۔ تاہم امام ابوحنیفہؒ نے اس وقت بھی اُمت کے شاندار مستقبل اور اسلامی قوانین کی تنظیم و تدوین اور رجالِ کار کی ترتیب و تعمیرِ سیرت پر تمام توجہات مرکوز کردیں۔ مقامِ عزیمت اور خلعتِ خون و شہادت کے حصول اور جان کی قربانی کا جذبہ ان کے دل کے اندر بھی موجزن تھا مگر وہ حالات کو ایسے رُخ پر لانا چاہتے تھے کہ جب جان کی قربانی دی جائے تو اس کے بدلے قومی اور ملّی سطح پر اُمت کے اجتماعی مفادات کے تحفظ اور بقاواستحکام کی صورت میں زیادہ سے زیادہ قیمت حاصل کی جاسکے۔

تیسرا دور ابوحنیفہؒ کی سیاسی زندگی کا آخری دور ہے، جب ابوجعفر منصور کے زمانے

میں فقہ و قانون اور اسلامی آئین کی تدوین کا کام مکمل ہو گیا۔ روئے زمین کے چپہ چپہ پر امام ابوحنیفہؒ کے تربیت یافتہ رجالِ کار نے کام شروع کر دیا۔ دوسری طرف محمد عبداللہ نفس زکیہ اور ابراہیم نفسِ رضیہ نے پورے ملک میں خالص اسلامی انقلاب برپا کرنے کے لئے ایک عظیم ہمہ گیر اور وسیع انقلابی تحریک کا جال بچھا دیا۔ چونکہ اس تحریک سے اسلامی انقلاب کے توقعات یقینی تھے۔ اس تحریک کا مزاج خالص اسلامی اور سیاسی نقطۂ نگاہ سے اجتماعی تھا تو گویا ابوحنیفہؒ کو برسوں کا محبوب منتظر مل گیا کھل کر میدانِ عمل میں کود آئے۔

مگر تدبیر پر تقدیر غالب تھی۔ تحریک بظاہر دبا دی گئی۔ امام ابوحنیفہؒ حکومت کے انتقامی حربوں کا نشانہ بنے۔ بالآخر جان کی قربانی دیتے ہوئے جامِ شہادت نوش کیا اور اس کی جو عظیم قیمت حاصل کی، وہ ذاتی منفعت یعنی مقامِ عزیمت و شہادت کے علاوہ اجتماعی اور قومی و ملّی مفادات کی سطح پر ۵۳۰ سال تک فقہ حنفی کی آئینی بالادستی ہے۔ جس کی نظیر دنیائے انسانیت کی تاریخ نہیں پیش کر سکتی۔ صرف یہ نہیں بلکہ حنفی فقہا و قضاۃ کے سامنے عباسیوں کی جابرہ حکومت کا جھکاؤ، چاروں فقہی دبستانوں کی ترویج تا قیامِ قیامت خالص شرعی فقہی اور اسلامی سیاست کے خدوخال اسلامی سیاست میں اسلامی نظامِ حکومت کے عملی نقشے شجاعت و بہادری، تدبر و بصیرت اور ہمت و عزیمت کے لازوال نقوش، علاوہ ازیں استقامت و پختگی، شوقِ شہادت اور بلند حوصلگی کے تاریخی کارنامے، یہ سب امام ابوحنیفہؒ کے قائم کردہ نشانِ راہ اور سنگِ میل ہیں، جن سے ہر دور میں بھٹکا ہوا راہی، منزل مراد پر آسانی سے پہنچ سکتا ہے۔

ملکی حالات اور ملّت اسلامیہ کے سیاسی زوال و اضمحلال کے حالیہ پُر آشوب دور کے پیش نظر ذیل میں قومی رہنما، ملّی زعماء، ملکی قائدین اور علماً، مذہبی و سیاسی جماعتوں غلبۂ اسلام کا کام کرنے والوں اور دینی درد سے سرشار مخلص کارکنوں کی خدمت میں مندرجہ بالا متن کی تشریح اور اجمال کی تفصیل جسے تاریخ کے مستند ماخذ اور امام ابوحنیفہؒ کے سوانحی

تذکروں بالخصوص تذکرۃ الحفاظ، ابن جوزی کی الاختصار' الموفق اور کردری کے مناقب الامام، علامہ عبدالحئی لکھنوی کے الفوائد البہیہ، محمد بن یوسف کی عقود الجمان، شبلی نعمانی کی سیرت النعمان، محمد انوار اللہ کی حقیقۃ الفقہ، علامہ مناظر احسن گیلانی کی ابوحنیفہؒ کی سیاسی زندگی، مصطفیٰ حسن السباعی کی ''السنۃ ومکانتھافی التشریع الاسلامی'' کے علاوہ دیگر دسیوں متعلقہ کتب سے مرتب کیا گیا ہے۔ بطورِ ایک گراں قدر علمی تحفہ کے پیش خدمت ہے۔ اگر اہلِ اسلام کے عظیم محسن سراج الامۃ، امام الائمہ، امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نظریۂ سیاست اور ان کے خالص اسلامی اور انقلابی سیاسی زندگی کا گہرے غور وفکر اور طلبِ حق اور تلاشِ منزل کے جذبہ سے مطالعہ کر لیا جائے تو شاید ہچکولے کھاتی اور ڈولتی ہوئی کشتیِ ملّت کو ساحلِ مراد تک پہنچانے کی راہیں کھل جائیں۔

ابوحنیفہؒ کا زمانہ اور عالمِ اسلام کی سیاسی حالت :

امامِ اعظم ابوحنیفہؒ کی ولادت اس زمانے میں ہوئی جب سارا عالم بنی اُمیہ کے خوں چکاں مظالم سے تھرا رہا تھا۔ حضور اقدس ﷺ کے محبوب نواسوں اور ان کے خاندان کے پیاسوں کو فرات کے ساحل پر شہید کر دیا گیا تھا۔

رسولِ مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا منوّر شہر حرّہ کے واقعہ میں لوٹا جا چکا تھا۔ عصمیتان حرم کی آبرو و ناموس کو سرِ عام رسوا کیا گیا تھا۔ مسجد نبویؐ میں سعید ابن المسیبؒ کے سوا ایک زمانے تک کوئی نماز پڑھنے والا نہیں تھا۔ خلافتِ راشدہ کے نقش اوّل صدیق اکبرؓ کے نواسے عبداللہ بن زبیرؓ کو بیت اللہ کی چوکھٹ پر خاک وخون میں تڑپا دیا گیا تھا۔ یزید، ابن زیادؒ اور حجاج جیسے ظالم الامۃ کو کھلا کھیل کھیلنے کا موقع مل گیا تھا۔

اس سلسلہ میں سب سے زیادہ قابلِ رحم حالت مولدِ ابی حنیفہؒ کوفہ کی تھی کہ اس شہر میں ابن زیاد اور پھر حجاج بن یوسف کی تلوار غریبوں اور بیکسوں کے سر پر لٹکتی رہی۔

حسن بصری، ابن سیرین، ابراہیم نخعی اور امام شعبی رحمہ اللہ علیہم جیسے اکابر اہلِ علم اور ائمہ عظام کے لئے بھی خاموشی کے سوا کوئی چارہ باقی نہ رہا تھا۔

قدرت کا غیبی لطیفہ :

مگر قدرت کے ازلی قانون کے مطابق جب کشتی ملت نزاکت کے آخری گرداب میں ہمیشہ کے لئے ڈوب جانے کے لئے ڈول رہی تھی، تو کسی غیبی لطیفہ نے ظاہر ہو کر انا لہٗ لحافظون کی صورت سے ڈھارس بندھوائی۔ یہاں بھی ایسا ہوا کہ بنی اُمیہ کی مردہ لاشوں میں سے مخرج الحیّ من المیّت نے حضرت عمر بن عبدالعزیز کو اُموی تخت کا وارث بنا دیا۔ یہ امام ابوحنیفہ کے عنفوانِ شباب کا زمانہ تھا کہ عمر بن عبدالعزیز نے آزادیٔ ملت کے پہلے منشور کا اعلان کر دیا۔

لا طاعة لنا فی معصیة اللّٰه۔ (ابن سعد)

اللہ کی نافرمانی میں ہماری اطاعت کوئی نہ کرے۔

امام اعظم ابوحنیفہؒ کی نوجوان حساس فطرت عمر بن عبدالعزیز کے منشور و پیغام سے متاثر ہوئی۔ چنانچہ آپ نے بلند ہمتی سے کام لیتے ہوئے علومِ نبوت کے مشہور امام حماد بن ابی سلیمان کے حلقہ میں داخل ہو گئے اور دس سال تک ان کے ساتھ رہے۔

ابوحنیفہؒ کی ہجرتِ مکہ اور کوفہ کو واپسی :

اِدھر تقدیر کا فیصلہ کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز خلافت کی مختصر مدت دوڈھائی سال پورے کر کے اپنے خدا سے جا ملے اور ان کی جگہ یزید تخت نشین ہوا۔ یزید کے بعد امام صاحب کے زمانہ میں چھ خلفاء بنی اُمیہ یکے بعد دیگرے آئے، جنہوں نے نبوت کی راہوں کو چھوڑ کر عجمی سلاطین کا طریقہ اختیار کر لیا تھا۔ بے جا طرف داریاں خلفاء کا وطیرہ تھا۔ ایک عورت کی خاطر بڑے بڑے قاضیوں کو برطرف کر دیا جاتا تھا۔ چنانچہ امام صاحب ان ہی

مظالم اور ناگفتہ بہ حالات سے تنگ آ کر مکہ معظمہ چلے گئے اور عباسیوں کے اقتدار تک وہیں قیام رہا۔ (موفق ج ۱ ص ۲۱۶)

سیاسی لائحۂ عمل :

کوفہ واپسی پر آپ نے جہاں تدوینِ فقہ و قانون پر مکمل توجہ دی، وہاں اس قانون کے نفاذ و اجراء اور بالادستی کے لئے ایسا سیاسی لائحۂ عمل اختیار کیا جس میں مروّجہ سیاست کی طرح پراپیگنڈے، نعرہ بازی، ہڑبونگ جلسے جلوس، بہتان تراشی اور دشنام طرازی کا نام تک نہ تھا۔ امام اعظم ابوحنیفہؒ اپنی شہرت اور وجاہت کے بجائے قانون کی بالادستی اور رسوخ چاہتے تھے۔

آپ کی خاموش مگر حکیمانہ سیاست کے جو دوررس انقلابی نتائج نکلے، وہ اسلامی سیاست کے اُصول بن کر تاریخ کا سنہری باب بن گئے ہیں۔

نوکر شاہی کے طرزِ عمل پر انتباہ :

آج کی طرح ہر دور میں نوکر شاہی اور بیوروکریٹس قانون کے نفاذ اور انصاف کے تقاضوں کو پورا کرنے میں حائل رہے۔ امام اعظم ابوحنیفہؒ کو جب عباسی خلیفہ ابوجعفر منصور (جس کا تفصیلی ذکر آئندہ صفحات میں آ رہا ہے) عہدۂ قضا قبول کرنے پر مجبور کر رہا تھا تو ایک دفعہ اس کو مخاطب کر کے امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا :

ان لک حاشية يحتاجون الى من يكرمهم لک۔ (موفق ص ۱۷۰ ج ۲)

امیر المؤمنین ! آپ کے گرد و پیش میں جو لوگ ہیں ان کو تو ضرورت ایسے حکام کی ہے جو آپ کی وجہ سے ان کا اکرام کریں۔

اس سے امام ابوحنیفہؒ خلیفہ منصور پر یہ تعریض اور تنبیہ کرنا چاہتے تھے کہ آپ کے حوالی موالی، اعزہ و اقرباء اور نوکر شاہی کے افراد، انصاف، قانون کی بالادستی اور مساوات کو

پسند نہیں کرتے۔آپ نے اس مجلس میں خود خلیفہ منصور کو یہ بھی کہا کہ :

اسلامی مساوات اور قانون کی بالادستی :

''اگر کوئی مقدمہ آپ پر دائر ہو اور آپ مجھ سے یہ چاہیں کہ قانون کے
مطابق فیصلہ نہ کروں اور دھمکی دیں کہ اگر ایسا نہ کرو گے تو تجھے دریا میں
غرق کر دوں گا۔تو یاد رکھئے میں دریا میں ڈوب جانے کو پسند کروں گا،
لیکن خلافِ انصاف فیصلہ کروں مجھ سے یہ نہیں ہوسکتا''

(موفق ج ۲ص ۱۷۵)

یہ بات صرف حسین الفاظ ،محض نظریہ اور خوشنما تصور تک محدود نہ تھی بلکہ ابوحنیفہؒ نے عملی طور پر نازک ترین حالات میں بھی اسلامی سیاست اور اصلاح و تدبیر کے اصول کو نبھایا۔

حکومت سے استغناء و بے نیازی :

ایک مرتبہ ابوجعفر منصور نے امام اعظم ابوحنیفہؒ کے پاس کچھ رقم بھیجی ،مگر آپ نے لینے سے انکار کر دیا۔دوستوں اور خیر خواہوں نے مشورہ دیا اور کہا :

تصدق بها لے کر خیرات ہی کر دیجئے

مگر امام اعظم ابوحنیفہؒ نے فرمایا :

او عندھم شیء حلال ؟ او عند ھم شیء حلال۔

(امام ابوحنیفہؒ کی سیاسی زندگی ص ۵۵)

کیا ان لوگوں کے پاس حلال بھی کچھ ہے کیا ان لوگوں کے پاس حلال بھی کچھ ہے؟

بعد الوفات جب امام ابوحنیفہؒ کو بغداد کے عام قبرستان کے بجائے علیحدہ دفن

کیا گیا تو خلیفہ منصور بھی قبر پر نماز پڑھنے آیا پوچھا کہ انہیں عام مقبرے سے علیحدہ کیوں دفن کیا گیا۔

لوگوں نے جواب دیا کہ امام ابوحنیفہؒ بغداد کے خطۂ اراضی کو ارضِ مغصوبہ قرار دیتے تھے اور یہ ان کا فتویٰ اور وصیت تھی کہ مجھے ایسی زمین میں نہ گاڑنا جو ناجائز ذریعہ سے حاصل کی گئی ہو۔

خلیفہ منصور نے امام اعظم ابوحنیفہؒ کی قبر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا :

من یعذرنی منک حیا و میتًا ۔

زندگی اور مرنے کے بعد بھی تجھ سے مجھے کون بچا سکتا ہے۔

اصلاح وتدبیر کی حکیمانہ کوشش اور امام ابوحنیفہؒ کا سیاسی مسلک :

بات طویل ہو جائے گی، ایسے واقعات سے ابوحنیفہؒ کی سیرت معمور ہے، مگر ان ہی کے ایک دو واقعات (اور اس کتاب میں مختلف مقامات پر درج شدہ دیگر دسیوں واقعات) سے امام صاحب کے سیاسی مسلک کو سمجھا جا سکتا ہے۔ جسے ہم حکومتِ ظالمہ سے مقاطعہ یا ترکِ موالات اور اصلاح وتدبیر کی حکیمانہ کوشش سے تعبیر کر سکتے ہیں، کیونکہ آپ سمجھتے تھے کہ حکومت کی منت پذیری کے بعد وہ جرأت اور دلیری باقی نہیں رہتی، جس کی توقع بے نیازی اور استغناء میں کی جاتی ہے۔

یہ وہ زمانہ تھا جب بڑے بڑوں کے ایمان خریدے جا رہے تھے اور چالیس چالیس مشائخ یہ شہادت دے رہے تھے کہ حکومت کرنے والے افراد ہر قسم کی مسئولیت سے بری ہوتے ہیں۔

یزید بن عبدالملک جو حضرت عمر بن عبدالعزیز کے بعد خلیفہ ہوا اور امام اعظم کا ہم عصر تھا لکھا ہے کہ :

''اسی زمانہ میں'' اتوہ اربعین شیخاً شھدو اله ان الخلفاء لاحساب علیھم و لا عذاب '' (یافعی ص۲۱۲) چالیس شیخ پیش ہوئے اور گواہی دی کہ خلفاء سے قیامت کے روز نہ حساب لیا جائے گا اور نہ ان کو ان کے جرائم کی سزا ملے گی''۔

اور جب ہشام بن عبدالملک کوفہ کے گورنر خالد بن عبداللہ ابن النصرانیہ (۱۰۵ سے ۱۲۰ تک گورنر تھا) ڈنکے کی چوٹ کہہ رہا تھا۔

ان الخلیفة هشامًا افضل من رسول اللّٰه۔

خلیفہ ہشام العیاذ باللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی افضل ہے۔

بنی اُمیہ کے طاغیہ حجاج (الجصاص نے خواجہ حسن بصری کا ایک طویل بیان نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ حجاج منبر پر چڑھ جاتا اور بک بک شروع کر دیتا تا اینکہ نماز کا وقت جاتا رہتا، نہ خدا سے ڈرتا تھا اور نہ مخلوق سے شرماتا تھا، بس اوپر تو اس کے خدا تھا اور نیچے ایک لاکھ اور ایک لاکھ سے زیادہ ملازمین، کوئی کہنے والا نہ تھا کہ اے حجاج نماز کا وقت ہے۔ آخر پر لکھتے ہیں : ھیھات واللہ حال دون ذالک السیف والسوط۔ (ج۲ص۴۸۸) افسوس کہ اس معاملہ میں تلوار اور کوڑا حائل ہو جاتا تھا)

اور عباسیوں کے طاغیہ ابومسلم کی طغیانیوں، سرکشیوں، مظالم، بے رحمیوں کے خونیں مناظر، کھلے ہوئے جیل خانوں کی آہ و بکا اور شور و ہنگامہ کے ہیبت ناک تصور سے اچھے اچھوں کے ارادے پست ہو جاتے تھے۔ خدا جانے کتنے شیر بیشہ آزادی و حریت کو خوف و ہراس اور طمع و لالچ نے روبہ مزاجی پر مجبور کر دیا تھا، مگر امام اعظم ابوحنیفہؒ حکومت سے مستغنی اور بے نیاز رہے اور کثرت سے یہ دو شعر پڑھا کرتے تھے ....

عَطَاءُ ذِی الْعَرْشِ خَیْرٌ مِنْ عَطَائِکُمْ وَ سَیْبُهٗ وَاسِعٌ یُرْجٰی وَ یُنْتَظَرُ

عرش والے کی داد تمہاری داد و دہش سے بہتر ہے، اس کا ابر کرم فراخ ہے جس سے

اُمیدیں وابستہ ہیں اور جس کا انتظار کیا جاتا ہے۔

وَاَنْتُمْ یُکَدِّرُ مَا تُعْطُوْنَ مَنُّکُمْ   وَ اللّٰہُ یُعْطِیْ بِلَا مَنٍّ وَ لَا کَدَرٍ

(الخطیب ج۱۳،ص۳۵۹)

تم لوگ (حکومت والے) جو کچھ دیتے ہو، اس کو گدلا کر دیتے ہو اور حق تعالیٰ دیتے ہیں جس میں نہ احسان جتلانے کی اذیت ہوتی ہے اور نہ کسی قسم کی کدورت اس میں ہوتی ہے۔

احترام اُمت، جذبۂ ہمدردی اور وسیع پیمانے پر تجارت :

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت پر ظالم سلاطین اور امراء جور کی طرف سے جو مصائب اور مظالم ہو رہے تھے، امام ابوحنیفہؒ کا فطری ترحم و جذبۂ ہمدردی انہیں ہر گھڑی بے چین رکھتا تھا۔ ابوحنیفہؒ اُمتِ محمدیہ کو ظالم سلاطین کے فولادی پنجے اور غلامی کی زندگی سے نجات دلانا چاہتے تھے۔ آپ ہی کے سامنے حضرت امام زین العابدین کے صاحبزادے حضرت زید کو بنی اُمیہ نے شہید کیا، پھر اہل بیت ہی کے خاندان سے حضرت امام حسن کے پوتے محمد بن عبد اللہ جو ''نفسِ زکیہ'' کے نام سے مشہور ہیں۔ عباسی خلیفہ ابوجعفر منصور کے بھائی عیسیٰ کے ہاتھوں شہید ہوئے۔

جب امام اعظم ابوحنیفہؒ کے سامنے ان شہیدانِ وفا کا ذکر چھڑتا تو بے اختیار رونے لگتے۔ راوی کا بیان ہے :

کان یبکی کلما ذکر مقتله۔ (موفق ج۱ص۲۶۱)

زید بن علی کی شہادت کا جب امام ابوحنیفہؒ ذکر کرتے تو رونے لگتے۔

عبد اللہ بن زبیر کے صاحبزادے حسن کا بیان ہے :

رأیت أباحنیفه و ذکر محمد بن عبد اللّٰه بن حسن بعد ما اُصیب و عیناه تدمعانِ۔ (موفق ج۲ص۸۴)

میں نے ابوحنیفہؒ کو دیکھا وہ محمد بن عبداللہ بن حسن کا تذکرہ ان کی شہادت کے واقعہ کے بعد کر رہے تھے اور ان کی دونوں آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔

اسی نوع کے کثیر تاریخی یادداشتوں کی روشنی میں امام ابوحنیفہؒ کے قلب کی کیفیات کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ مسلم بن سالم کہتے ہیں :

لقیت من المشائخ الکبار فلم اجد اشدّ حرمة امة محمد صلی اللہ علیہ و سلم من ابی حنیفه۔ (موفق ص ۲۴۸)

میں نے بڑے بڑے علماء سے ملاقاتیں کیں لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کے احترام کا جذبہ جتنا شدید امام ابوحنیفہؒ میں پایا اس کی نظیر کہیں نظر نہیں آئی۔

امام ابوحنیفہؒ کے دل میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کا جتنا درد اور احترام تھا، مسلم کو اس کے ہم عصروں میں مشکل سے اس کی نظیر مل سکتی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ امام صاحبؒ خود چٹائیوں پر سوتے۔ (موفق ج ۱ ص ۲۱۴)

ذاتی خوراک مہینے میں دو درہم سے زیادہ کی نہیں ہوتی تھی، کبھی ستو اور کبھی بے چھنے کی روٹی تناول فرماتے تھے۔ (موفق ج ۱ ص ۲۴۵)

مگر اہلِ حق مظلومین، علماء، طلباء، فضلاء، ائمہ و مجتہدین، دین کے خدام اور اُمت کے عام افراد سے ہمدردی و خیر خواہی اور نصرت و مدد کے لئے وسیع پیمانے پر تجارت کا کاروبار شروع فرمایا۔ غرباء کو مضاربت پر مال دیتے تھے اور اس سے ان کی مدد کرتے تھے۔

غیر سودی بینکاری کے اوّلین موجد امام ابوحنیفہؒ ہیں :

امانتوں کی حفاظت کے لئے صحیح اسلامی بینک کاری کا سلسلہ قائم فرمایا تھا۔ نظام بنکاری کی اوّلین ایجاد و توضیح کا سہرا ابوحنیفہؒ کے سر ہے۔ (امام ابوحنیفہ کی سیاسی زندگی ص ۱۰۲)

پڑوسیوں کے ساتھ حسنِ سلوک، ضرورت مندوں کی حاجت براری، بیواؤں کی

سر پرستی، مستحقین پر جود وسخا، طلباء کو تعلیمی وظائف (راوی کا بیان ہے کہ ''طلبہ میں جن لوگوں کو ضرورت ہوتی، ان کی شادی بھی امام صاحب کرا دیتے اور شادی کے مصارف خود ادا کرتے، بلکہ ہر جماعت کے طلبہ کو آپ کی طرف سے باقاعدہ ماہانہ وظیفہ بھی ملتا تھا۔ قاضی ابو یوسفؒ کہتے ہیں کہ بیس سال تک میری اور میرے اہل وعیال کی کفالت امام ابوحنیفہؒ نے کی)۔ (ابوحنیفہؒ کی سیاسی زندگی ص ۹۰)

علماء ومحدثین اور مشائخ کی خدمت میں تحائف، ابوحنیفہؒ کی طبیعت ثانیہ بن چکے تھے اور یہ سب کچھ آپ تجارت کے منافع سے پورا کرتے تھے، یہی وجہ تھی کہ آپ کی قیام گاہ ''مجلس البرکۃ'' کے نام سے معروف ہوگئی۔

اُموی دور کے دو بدنام گورنر اور ان کے ظالمانہ کردار کی ایک جھلک :

ادھر امام ابوحنیفہؒ کے مسکن کوفہ میں تاریخ کی مشہور شخصیت ابن النصرانیہ خالد کی ۱۰۵ھ سے ۱۲۰ھ تک ولایت یعنی گورنری رہی۔ امام ابوحنیفہؒ نے پچیس (۲۵) سال کی عمر سے چالیس (۴۰) سال کی عمر تک کا زمانہ اسی ابن النصرانیہ کی گورنری کے عہد میں گذارا تھا گورنر خالد کے ہاتھوں اہلِ کوفہ پورے پندرہ (۱۵) سال ظلم و استبداد کی چکی میں پستے رہے۔ مسلمانوں پر کافروں کو مسلط کیا گیا، مسلمانوں کی مساجد کے مینار ڈھائے گئے۔ مسلمانوں کی کمائی سے عیسائیوں کے گرجوں کی تعمیر کی جارتی رہی۔ رسولِ خداؐ پر خلیفہ کو ترجیح دی جاتی رہی۔ حضرت علیؓ اور حضرت عثمانؓ پر لعنتیں کی گئیں۔ رعایا کو بھوکوں مرنے پر مجبور کیا گیا۔ ابن النصرانیہ خالد کی معزولی کے بعد دوسرے گورنر یوسف بھی اس سے کچھ کم نہ تھے، دن کو رات کہنا بھی جرم تھا اور دن کہنا بھی گناہ۔

حضرت زید بن علی کا ورودِ کوفہ :

ظلم وستم کی ان ہی تاریکیوں میں اچانک خانوادۂ نبوت کے ایک چشم و چراغ

حضرت زید بن علی کی کوفہ تشریف آوری اہلِ کوفہ کے لئے گویا رحمت کے ایک فرشتے کا ورود ثابت ہوئی۔ حضرت زید بن علی امام زین العابدین کی اولاد سے ہیں۔ ابومحمد یحیٰ الشافعی نے لکھا ہے: ''رنگ حضرت زید کا گورا تھا، آنکھیں بڑی بڑی ابرو دونوں ملے ہوئے تھے، جسم کی بناوٹ مکمل تھی۔ قد دراز تھا، داڑھی گھنی، سینہ فراخ اور کشادہ بلند بینی، داڑھی اور سر کے بال سیاہ، تھوڑی آمیزش سفید بالوں کی دونوں رخساروں کے اطراف میں ہو چکی تھی۔ (مقدمہ الروض)

امام ابوحنیفہؒ کے ہمراز، دستِ راست منصور بن المعتمر نے علانیہ حکومت سے مقابلہ کے لئے لوگوں سے حضرت زید کی جانب سے بیعت لینی شروع کر دی۔ ان کی تحریک پر چار ہزار انسانوں نے حضرت زید کے ساتھ مل کر بنی امیہ کی حکومت سے مقابلہ کرنے کا عہد کر لیا۔ سفیان ثوری اور امام اعمش نے بھی حضرت زید سے خلوص وللٰہیت اور ایثار و محبت کا مظاہرہ کیا، گو سیاسی عمل میں گوشۂ خمول کو ترجیح دی، مگر حضرت زید کی نگاہ میں اسلام کی عظیم شخصیت اور کوفہ کی سیاست و ریاست کے اصول واحکام پر مجتہدانہ اور فقیہانہ نظر رکھنے والے امام پر تھی۔ چنانچہ انہوں نے اپنے ایک خاص قاصد فضیل بن زبیر کو امام ابوحنیفہؒ کی خدمت میں بھیجا۔

حضرت زید کی حمایت میں ابوحنیفہؒ کا فتویٰ:

چنانچہ حقیقتِ حال کے واضح ہو جانے کے بعد امام ابوحنیفہؒ نے فتویٰ دیا کہ:

''حضرت زید کا اس وقت اُٹھ کھڑا ہونا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بدر میں تشریف آوری کے مشابہ ہے''۔

فقہی اور شرعی نقطۂ نظر سے سیاست کا مفہوم:

مگر اس کے ساتھ ساتھ امامِ اعظم ابوحنیفہؒ قانونی فقہی اور شرعی نقطۂ نظر سے

حکومتِ جابرہ اور ملکِ عضوض کے مقابلے میں جس خالص اسلامی سیاست کو اپنائے ہوئے تھے، بہت سوں کی نظر وہاں نہ پہنچ سکی۔ سیاست جسے ''الامر بالمعروف اور نہی عن المنکر'' سے بھی تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ جسے دوسرے الفاظ میں اسلامی زندگی پر لوگوں کو قائم رکھنا اور اس کی دعوت دینا بھی کہا جا سکتا ہے۔ جس کا اہلِ اسلام سے قرآن وحدیث میں مختلف حیثیتوں سے مطالبہ کیا گیا ہے۔ اسی دور میں محدثین کے ایک بڑے طبقے نے ظالم سلاطین کے مقابلہ میں خاموشی اختیار کرنے اور اپنی ذاتی ذمہ داریوں کی تکمیل میں اپنی استطاعت کی حد تک مشغول رہنے کو اسلامی سیاست قرار دے کر گوشۂ خمول میں زندگی گذارنے کو ترجیح دی۔

(ان حضرات کا مستدل قرآن کی یہ آیت ہے يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا عَلَيْكُمْ أَنْفُسَكُمْ لَا يَضُرُّكُمْ مَنْ ضَلَّ إِذَا اهْتَدَيْتُمْ (المآئدہ ۱۰۵) مگر نہ سمجھنے والوں کو کیسے سمجھایا جاتا کہ إِذَا اهْتَدَيْتُمْ (یعنی جب تم اپنے متعلقہ فرائض صحیح ادا کر رہے ہو) کی شرط کی صورت میں مسلمانوں کے متعلقہ فرائض میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بھی داخل ہے تو اس فرض کے تارک کو ہدایت یافتہ نہیں قرار دیا جا سکتا، تاہم نصِ قرآنی کی نبوی تشریح یہ ہے کہ جب تم کسی منکر اور غیر اسلامی چیز کو دیکھو تو ہاتھ سے روکو اگر اس کی سکت نہ ہو تو زبان سے روکو اور اگر اس کی بھی سکت نہ ہو تو دل سے برا جانو اور یہ ایمان کا ضعیف ترین درجہ ہے)

امامِ اعظم ابوحنیفہؒ جہاں ظالم سلاطین کے مقابلہ میں سکوتِ مطلق یا اعراضِ مطلق کا سیاسی مسلک اختیار کرنے کو معروف کے امر اور منکر کی نہی کے فرضِ قرآنی کو منسوخ قرار دینے کے مترادف سمجھتے تھے۔ وہاں حالات کا اندازہ، عواقب وانجام اور نتائج سے بے نیاز ہو کر محض سیاست برائے سیاست کی خاطر میدان میں کود پڑنے، شرعی اور فقہی نقطۂ نگاہ اور نبوی تعلیمات کی رو سے غیر مفید اور بعض حالات میں مضر اور قابلِ مواخذہ جرم قرار دیتے تھے، منکر کو بدلنا ضروری قرار دیتے تھے، مگر جب منکر کے بدلنے سے کسی بدترین منکر کو راہ ملتی

تھی تو اعتدال اور احتیاط کی راہ چلتے تھے۔

قرآن کی آیات، احادیثِ نبوی اور صحابۂ کرام کے طرزِ عمل کو پیشِ نظر رکھ کر آپ نے عملاً بھی یہی سیاسی مسلک اختیار کر رکھا تھا۔

آخر قرآن ہی سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہر حال میں منکر کو بدلنا فرض نہیں ہے، ورنہ اس قسم کی آیتوں کا کیا مطلب ہوگا۔

فَذَكِّرْ اِنْ نَّفَعَتِ الذِّكْرٰى ۔(الاعلیٰ:۹)

لوگوں کو نصیحت کرو اگر نصیحت فائدہ پہنچا رہی ہو۔

فَذَكِّرْ اِنَّمَا اَنْتَ مُذَكِّرٌ ۝ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ ۝(الغاشیہ:۲۱،۲۲)

تم لوگوں کو نصیحت کرو تم نصیحت کرنے والے ہو تم کو ان پر داروغہ نہیں مقرر کیا گیا۔

مشہور حنفی امام ابوجعفر طحاوی کی رائے :

مشہور حنفی امام ابوجعفر طحاوی نے اسی بنیاد پر تمام روایتوں کو جمع کرنے کے بعد حنفی نقطۂ نظر کو واضح کر دیا ہے کہ :

"جب امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کوئی فائدہ مرتب نہ ہو جن لوگوں کو روکنے کی ضرورت ہو، ان سے مقابلہ کی طاقت نہ ہو (اور اس سے بدترین انقلاب یقینی ہو) پس یہی وہ وقت ہے کہ بات اپنی اپنی ذات تک محدود رہ جاتی ہے۔

اسی زمانہ کے متعلق کہا گیا ہے :

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ (المآئدہ:۱۰۵)(مشکل الآثار ج اص۶۶ ملخصاً)

ایمان والوں ! تم پر اپنی نگرانی واجب ہے جو گمراہ ہوا تمہیں ضرر نہیں پہنچا تا اگر تم سیدھی راہ چلے''۔

احقر کی رائے میں اپنی اپنی ذات تک بات کے محدود ہونے سے مراد اُمت کا درد، اور انقلابِ اُمت کا جذبہ رکھنے والے تمام افراد کا اپنی صفوں میں یگانگت واتحاد کا تحفظ اور مضبوط اسلامی انقلابی قوت بن کر ملت کے احیاء اور استحکام کا کام کرنا ہے۔

ابراہیم الصائغ جو ظالم سلاطین سے مقابلہ کرنے کی طاقت نہ رکھتے ہوئے سیاسی مقابلے میں شہید کردئے گئے سے متعلق امام اعظم ابوحنیفہؒ فرمایا کرتے :

قتل و لم یصلح للناس امرا۔ (احکام القرآن ج۲ص۳۳)

شہید ہو گیا اور لوگوں کے لئے کوئی اصلاحی کام بھی ان سے نہ بن پڑا۔

ایک مضبوط سیاسی جماعت کی ضرورت :

امامِ اعظم ابوحنیفہؒ ایسی قربانی جس کا فائدہ ایک دو افراد کے درجۂ شہادت تک محدود ہو اور ملت کے لئے نافع نہ ہو اور جس سے بعض حالات میں دوسرے لوگوں میں بھی آگے بڑھنے کی جرأت اور ہمت چھوٹ جاتی ہو کے مقابلہ میں صالح رفقاء کی نصرت ایک مضبوط جماعت اور ناقابلِ تفریق سیاسی قوت کے بہم پہنچانے کو ضروری قرار دیتے ہیں۔

فرمایا : اگر (حکومت جابرہ اور ظالم سلاطین سے مقابلہ کرنے والوں کو) صالح رفقاء میسر آجائیں اور ایک آدمی ان کی سرداری کرے اور یہ ایسا آدمی ہو جو اللہ کے دین میں قابلِ اعتماد ہو اور اپنے مسلک نہ پلٹے۔ (احکام القرآن)

تب مسلمانوں کو اس اجتماعی فرض کی ادائیگی کے طور پر اس میدان میں ثابت القدم اور راسخ العزم ہو کر ظالم سلاطین کے جور و ستم کے مقابلہ میں ایک سیسہ پلائی دیوار ہو جانا چاہئے۔

حنفی نظریۂ سیاست کا مرکزی نقطۂ عمل :

تاہم اگر کوئی شخص ایک صالح انقلاب کی توقع پر انفرادی طور اس فرض کی بجا آوری پر آمادہ ہو کر خود کو شہید کرادے، تو حنفی نقطۂ نظر سے وہ عنداللہ ماجور شہید اور اجر عظیم کا مستحق ہے۔

علامہ بدرالدین عینیؒ نے لکھا ہے :

''اگر وہ سمجھتا ہے کہ مخالفین کی مار دھاڑ پر صبر کر سکے گا اور کسی کے سامنے اس کا گلہ شکوہ نہ کرے گا اور قصداً کسی بدترین انقلاب کا وسیلہ بھی نہ بنے گا تو پھر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے میں ایسے آدمی کے لئے مضائقہ نہیں ہے بلکہ اس کو مجاہد قرار دیا جائے گا''۔ (عینی جلد دوم)

گویا نہی عن المنکر کی بنیاد صرف افادہ ہی پر نہیں ہے بلکہ ابتلاء وامتحان میں ایک بڑا مقصد ہے، مگر امام اعظم ابوحنیفہؒ کی نظر وبصیرت دقیق اور دوررس نتائج پر تھی، اس لئے آپ فوراً ابتلائی نصب العین کی تعمیل پر آمادہ ہو جانے کو ضروری نہیں سمجھتے۔

آپ کا نظریہ یہ ہے کہ مایوسی کے بعد بھی اگر مسلمانوں کو اسلامی زندگی گزارنے کی دعوت دینے اور منکرات سے دور رکھنے کے امکانات نظر آتے ہوں تو ابوحنیفہؒ خود کو قتل کرا دینے کے بجائے ان امکانات سے نفع اُٹھانے کی حتی الوسع کوشش کرتے ہیں۔ قتل ہونے میں ذاتی فائدہ اور شہداء کی سیادت کا بہت بڑا فائدہ ہے۔ بعض حالات میں اس سے دوسروں کی حوصلہ شکنی اور ہمت کسلی بھی ہو جاتی ہے، مگر اجتماعی ملّی فائدہ، ملّت کے احیاء اور اصلاح وتدبیر سے امکانی منافع کے حصول میں ہے۔ اور یہی امام اعظم ابوحنیفہؒ کا سیاسی مسلک اور اجتماعی زندگی میں فقہی وشرعی پالیسی ہے۔

حضرت زید اور امام ابوحنیفہؒ وحدتِ مقصد کے باوجود سیاسی لائحۂ عمل میں جدا رہے :

حضرت زید کوفہ میں ظالم سلاطین کے خلاف جماعت بنا چکے تھے۔ حضرت زید کی شخصیت بھی ایسی تھی کہ دین کے لحاظ سے اس پر بھروسہ کیا جا سکتا تھا۔ امام صاحبؒ نے ان کی صداقت اور معاونت کا فتویٰ بھی دے دیا تھا، مگر دقتِ نظر، عواقب وانجام کی خبر، اہلِ کوفہ کے حالات اور ذاتی تجربات اور خداداد فہم وفراست کی بدولت امام ابوحنیفہؒ کو یقین ہو چکا تھا کہ حضرت زید کے اردگرد ہزاروں کا مجمع حقیقی فربہی نہیں بلکہ ورم ہے، یہی وجہ تھی کہ امام اعمش اور سفیان ثوری جیسے بزرگوں نے حضرت زید کے مسئلہ میں سکوت اختیار کر لیا تھا، نہ منع ہوئے اور نہ شریک ہوئے۔

امامِ اعمش تو قسم کھا کر کہتے :

خدا کی قسم ! لوگ حضرت زید کو قطعاً ضرور چھوڑ دیں گے۔ خدا کی قسم ! یقیناً لوگ انہیں دشمنوں کے سپرد کر دیں گے۔

سلمہ بن کہیل، داؤد بن علی، سفیان ثوری، عبداللہ بن حسن کی بھی یہی رائے تھی۔

امامِ اعظم ابوحنیفہؒ بھی حضرت زید شہید کے ساتھ عملاً شریک نہ ہو سکے اور عدم شرکت کی وجہ یہ بیان فرمائی۔

اگر میں یہ جانتا کہ لوگ حضرت زید کو چھوڑ نہ دیں گے اور یہ کہ لوگ واقعی سچائی کے ساتھ حضرت زید کے ساتھ کھڑے ہوں گے تو میں ضرور حضرت زید کی ہمرکابی اختیار کرتا اور آپ کے مخالفین کے ساتھ جہاد کرتا کیونکہ یہ امام برحق ہیں۔

اس قدر کھلی اور واضح رائے اور صریح سیاسی مسلک کے باوجود حضرت زید کے اخلاص وللّٰہیت اور امامِ برحق ہونے کے یقین کی وجہ سے امام ابوحنیفہؒ نے ان کی زبردست

مالی امداد کی۔ ہزار ہزار روپے کی دس تھیلیاں گھر سے لا کر حضرت زید کے قاصد فضیل کے حوالہ کیں اور ان سے فرمایا:

''میں حضرت زید کی خدمت اس مال سے کرتا ہوں، حضرت سے عرض کرنا کہ: اپنے مخالفوں کے مقابلہ میں اس سے بھی فائدہ حاصل کریں۔ (موفق ج ۱ ص ۲۶۰)

بہر حال سیاسی پالیسی یا معروف کے امر کے لئے طریقِ کار کے تعین کا مسئلہ اجتہادی ہے۔ ابوحنیفہؒ نے بھی جسمانی شرکت کی بجائے مالی شرکت اختیار کی، گویا حج بدل پر قیاس کر کے ''جہادِ بدل'' کا طریقہ اختیار فرمایا''۔

ابوحنیفہؒ کے سیاسی عمل کا اجمالی خاکہ:

خلاصہ یہ کہ امام اعظم ابوحنیفہؒ چالیس سال کی عمر سے ستر سال کی عمر تک میدانِ سیاست میں اُترے رہے اور جب تک دوسرے امکانات سے نفع اُٹھانے کا موقع ملتا رہا، استفادے میں انہوں نے کوئی کمی نہیں کی۔ سیاسی حکمتِ عملی فقہ حنفیہ کی بالا دستی' تلامذہ کے ایک بڑے حلقہ اور قاضیوں کی ایک بڑی جماعت کے مستقبل میں غلبہ اور فقہ حنفیہ کو آئینی حیثیت اور قانونی تحفظ اور عملاً مکمل نفاذ کی راہ ہموار کرنے کے بعد سلطان جابر کے سامنے کلمۂ حق کا اظہار کر کے شہادت یا قریب قریب شہادت کے جامِ شہادت کو نوش فرمایا۔

امام ابوحنیفہؒ اور حکومت بنی اُمیہ کی سیاسی پالیسی:

بنی اُمیہ اور امام ابوحنیفہؒ کے تعلقات کی نوعیت کیا تھی۔ ابن عساکر کا بیان ہے کہ حکم بن ہشام کہتے تھے:

''ہماری حکومت (بنی اُمیہ) نے چاہا کہ اپنے خزانے کی کنجیاں ابوحنیفہؒ کے حوالہ کر دیں یا وہ اپنی پیٹھ کو کوڑے سے پٹوانے کے لئے تیار ہو جائیں پس امام ابوحنیفہؒ نے حکمرانوں کے عذاب کو اختیار کر لیا۔ مگر اللہ تعالیٰ کے

عذاب سے جان بچالی"۔

نرمی سے گرمی :

جنہیں بنی اُمیہ کی تاریخ اور امام ابوحنیفہؒ کی زندگی سے کچھ مطالعاتی دلچسپی ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ حکومت کی پالیسی ابتدائے روز سے امام ابوحنیفہؒ کے متعلق یہی تھی کہ پہلے نرمی سے کام لیا جائے اور نرمی میں جس حد تک مبالغہ ممکن ہے، اس میں کمی نہ کی جائے لیکن نرمی سے جب کام نہ چلے تب گرمی کے طریقوں کو اختیار کیا جائے۔

قاہرہ حکومت کا سب سے بڑا گورنر ابن ہبیرہ اور امام ابوحنیفہؒ :

حکومت بنی اُمیہ کی اس پالیسی پر عمل کرنے کا زیادہ موقعہ گورنر یزید بن عمر بن ہبیرہ کو ملا جس نے ۱۲۹ھ سے ۱۳۲ھ تک اپنے علاقہ میں امن قائم رکھا جو اپنے زمانے کا ممتاز سیاستدان تھا۔

اسی ابن ہبیرہ نے امام ابوحنیفہؒ کی خدمت میں عرض کیا :

"اے شیخ ! اگر آپ اپنی آمدورفت کو ہمارے ہاں ذرا بڑھا دیں تو آپ سے ہم فائدہ اُٹھائیں اور ہمیں آپ سے نفع پہنچے۔ اس زمین میں زمین کی سب سے بڑی قاہرہ حکومت کا سب سے بڑا گورنر ابوحنیفہؒ کی خدمت میں دوستی بڑھانے کی درخواست کر رہا ہے جو درحقیقت حکومت بنی اُمیہ کی ترجمانی اور سیاسی پالیسی کی غمازی تھی۔

امام اعظمؒ نے جواباً ارشاد فرمایا :

"تمہارے پاس آ کر کیا کروں گا، اگر تم مجھے نزدیکی اور قرب عطا کرو گے تو فتنہ میں مبتلا کرو گے، اگر ہمیں تم نے دور رکھایا قرب عطا کرنے کے بعد نکال دیا تو خواہ مخواہ کے غم میں مجھے مبتلا کرو گے"۔

امام ابوحنیفہؒ کو خدا تعالیٰ نے حقائق شناس فطرت بخشی تھی، جس کے تجربے سے

پہلے قرب کو بھانپ لیا تھا۔

اس کے ساتھ امام صاحبؒ نے اپنے اس استغنائی طرزِ عمل اور بے باکانہ گفتگو سے ابن ہبیرہ سے یہ بھی فرمایا:

''تمہارے پاس کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس کی وجہ سے میں تم سے ڈروں''۔

گورنر پر یہ واضح کر دینا مقصود تھا کہ:

ابوحنیفہؒ مال و جاہ کے لحاظ سے مستغنی ہیں، اللہ نے انہیں ان دونوں نعمتوں سے مالا مال فرمایا ہے۔

امام ابوحنیفہؒ پر لالچ اور دھونس دھمکی کے سیاسی تجربے:

اب نرمی کے بعد گرمی اور لالچ کے بعد دھونس دھمکی کا سیاسی تجربہ ابوحنیفہؒ پر کیا جانے لگا۔ عراق، ایران اور خراسان جیسے عظیم صوبوں کے مطلق العنان حاکم (گورنر) ابن ہبیرہ نے ربیع کے ذریعہ امام صاحب کو گورنر کے بعد سب سے بااختیار وزیر بنائے جانے کی پیش کش کی اور پیغام بھیجا کہ:

''گورنر کی مُہر ان کے سپرد کی جائے گی تاکہ جو کوئی حکم نافذ ہو اور کوئی کاغذ جو حکومت کی طرف سے صادر ہو اور خزانہ سے کوئی مال برآمد ہو وہ سب امام ابوحنیفہؒ ہی نگرانی میں ہو اور ان ہی کے ہاتھ سے نکلے''۔ (معجم ج۲ ص۱۷۷)

جب امام اعظم ابوحنیفہؒ نے دولت بنی اُمیہ کے اس جلیل منصب کے قبول کرنے سے بھی قطعی انکار کر دیا تو اکابر علماء داؤد بن ابی ہند، ابن شبرمہ اور ابنِ ابی لیلیٰ جیسے بڑے بڑے فقہاء کا ایک وفد ابوحنیفہؒ کی تفہیم کے لئے حاضرِ خدمت ہوا اور سمجھانا شروع کیا کہ:

''ہم لوگ تمہیں خدا کی قسم دیتے ہیں کہ تم اپنے آپ کو تباہی میں نہ ڈالو۔ ہم لوگ آخر تمہارے بھائی ہیں اور حکومت کے اس تعلق کو ہم میں سے ہر ایک ناپسند ہی کرتا ہے لیکن

کوئی چارہ کار اس وقت قبول کر لینے کے سوا نظر نہیں آتا''۔

حکومت بنی اُمیہ سے ترکِ موالات کا قطعی فیصلہ :

ناصحانِ مشفق کے اس وفد کے جواب میں ابوحنیفہؒ نے فرمایا :

''یہ ملازمت تو خیر بڑی چیز ہے، اگر حکومت مجھ سے چاہے کہ وسط شہر کی مسجد کے صرف دروازے گنا کروں تو میں یہ بھی نہیں کروں گا''۔

انکار کے عواقب اور خطرناک نتائج کے پیشِ نظر علماء کا وفد حیران تھا۔ ادھر ابن ہبیرہ انکار کی صورت میں تمام اختیارات استعمال کر دینے کی قسم کھائے بیٹھا تھا۔ اُدھر ابوحنیفہؒ بھی حکومت میں عدم شرکت کی قسم لے چکے تھے۔

فو اللّٰہ لا ادخل فی ذالک۔

خدا کی قسم میں اس میں اپنے آپ کو کبھی شریک نہیں کروں گا۔

تب ابی لیلٰی سے نہ رہا گیا وفد کے شرکاء سے کہا :

وھو صاحبکم فھو المصیب وغیرہ المخطی۔

چھوڑ دو اپنے رفیق (ابوحنیفہؒ) کو حق پر وہی ہیں ان کے سوا دوسرے غلط راستے پر ہیں۔ (امام ابوحنیفہ کی سیاسی زندگی ص: ۱۷۸)

امامِ اعظم ابوحنیفہؒ ترکِ موالات کا فیصلہ کر چکے تھے جو حکومت کو ایک لمحہ بھی پسند نہ تھا۔ گورنر ابی ہبیرہ نے آپ کو پندرہ (۱۵) دن کے لئے جیل بھیج دیا۔ وہاں بھی طمع ولالچ اور جاہ ومنصب کی مسلسل پیش کش ہوتی رہی۔ اولاً الطراز (شاہی کارخانہ کی نگرانی) کا عہدہ پیش کیا گیا، جب انکار دیکھا تو عہدۂ قضا کی پیش کش کر دی۔

امام ابوحنیفہؒ نے اس کے قبول کرنے سے انکار کر دیا تو گورنر ابن ہبیرہ نے غیظ و غضب سے معمور ہو کر قسم کھاتے ہوئے اعلان کیا :

وان لم یفعل لنضربنه بالسیاط۔

اگر عہدۂ قضاء کو بھی ابو حنیفہؒ نے قبول نہ کیا تو میں ان کے سر پر کوڑے مار لر رہوں گا۔

گورنری کا گھمنڈ ابو حنیفہؒ کے نشۂ ایمان کو نہ توڑ سکا :

گورنر نے امارت کے گھمنڈ میں قسم کھائی تو لوگ کانپ اُٹھے، مگر ابو حنیفہؒ جو دین کے نشہ میں مخمور تھے، ابن ہبیرہ کے کوڑوں سے زیادہ آخرت کی آہنی گرز کی چمک ان کے یقین کی آنکھوں کے سامنے کوندر ہی تھی۔ ابو حنیفہؒ نے اسی لب ولہجہ میں فرمایا :

والله لاافعلت ولو قتلنی ۔

خدا کی قسم ! میں ہرگز عہدۂ قضا قبول نہ کروں گا، مجھے ابن ہبیرہ قتل ہی کیوں نہ کردے۔

امام ابو حنیفہؒ کا یہ جواب گورنر کی رفعت کے مینارے کی کلہاڑی تھی، امام صاحبؒ کا یہ جواب اس کے احساس برتری پر ایسی چوٹ تھی کہ تلملا اُٹھا۔ ابو حنیفہؒ کو جیل سے نکلوا کر اپنے سامنے حاضر کروایا۔ غصہ سے جہنم کی آگ کی طرح بھڑک رہا تھا۔ دنیوی اختیارات کے وسعتوں کے پیش نظر ابو حنیفہؒ کو موت تک کی دھمکی دے رہا تھا۔ امام اعظم ابو حنیفہؒ نے سکینت استقامت اور بڑی بے نیازی کے ساتھ فرمایا :

انما هی میتة واحدة ۔

صرف ایک ہی موت تک ابن ہبیرہ کا اقتدار ہے۔

ابن ہبیرہ کے اشارہ سے جلاد ٹوٹ پڑے۔ ابو حنیفہؒ کے کھلے سر پر پے در پے کوڑے برس رہے تھے، جب سزا کے بعد ابو حنیفہؒ کو واپس جیل خانہ لے جایا جا رہا تھا تو سر پر مار کے نشان پڑے ہوئے تھے اور مظلوم امامؒ کا چہرہ سوجا ہوا تھا۔

احترام والدہ :

امام ابو حنیفہؒ پر گریہ طاری ہوا، لوگوں نے دریافت کیا تو امام صاحبؒ نے فرمایا :

اس مار کا مجھے خیال نہیں بلکہ مجھے اپنی ماں کا خیال ہے، میرے اس حال کو دیکھ کر ان بے چاری کا کیا حال ہوگا۔ (موفق ج۲ ص۲۲)

عباسی انقلابی تحریک اور ابوحنیفہؒ کی ہجرتِ حرم :

ہجرت کا ایک سوتیسواں سال تھا۔ عباسیوں کے داعی اور طاغیہ ابومسلم خراسانی نے بنی اُمیہ کی حکومت کے خلاف سارے ممالک اسلامیہ میں سازش کا جال پھیلا دیا تھا۔ ابراہیم بن میمون اور محمد بن ثابت عبدی وغیرہ اس کے دوست تھے اور اس انقلاب میں اس کی مدد کررہے تھے، مگر امام ابوحنیفہؒ ابومسلم کی ظالمانہ حرکات اور انقلاب کے عواقب ونتائج پر نظر رکھتے تھے، گو بنی اُمیہ کے مظالم کے خلاف یہ تحریک چلائی جارہی تھی اور ابوحنیفہؒ اس کے ستائے ہوئے تھے۔ بشری تقاضے ایسے حالات میں جہاد کے عنوان سے انتقام کے جذبات بھی اُبھار دیتے ہیں، مگر چونکہ اس تحریک سے کسی صالح انقلاب کی توقع نہیں تھی محض حکومت اور چہرے بدلنے تھے۔

چنانچہ ٹھیک جن دنوں عباسیوں کی تحریک اندر سے باہر آگئی اور ملک کے مختلف حصوں میں بنی اُمیہ کے خلاف شورشیں اور بغاوتیں برپا ہوئیں، امام ابوحنیفہؒ نے ان ہی دنوں میں مجاورتِ حرم کی زندگی اختیار کر لی۔

فھرب الیٰ مکۃ و اقام بھا سنۃ مائۃ و ثلاثین۔ (کردری ص۲۷)

امام ابوحنیفہؒ مکہ معظمہ تشریف لے گئے اور ۱۳۰ھ تک وہیں قیام رہا۔

جب تک عباسی تحریک بنی اُمیہ کی حکومت کا خاتمہ کر کے تختِ خلافت پر عباسیوں کو قبضہ دلانے میں کامیاب نہ ہوئی، امام ابوحنیفہؒ حرمین شریفین میں گھومتے رہے۔ البلد الامین میں پناہ گزینی کی یہ مدت کوئی سوا چھ سال بنتی ہے۔

ابوحنیفہؒ کی زندگی کا سب سے بڑا سیاسی کارنامہ :

بنی اُمیہ کی حکومت ختم ہوئی۔ عباسی تخت نشین ہوئے انقلابِ حکومت کا یہ واقعہ اسلامی تاریخ کا بڑا اہم باب ہے۔

عباسیوں کا پہلا حکمران ابوالعباس قرار پایا۔ ابوالعباس کا لقب سفاح (خون ریز' خون بہانے والا) مشہور ہوا۔ وجہ یہ تھی کہ عباسیوں اوران کے پہلے خلیفہ سفاح نے بھی ان ہی حرکات سفا کیوں اور خون ریزیوں کا اعادہ کیا، جس کی وجہ سے لوگ بنی اُمیہ سے بیزار ہوئے تھے اور جسے ابوحنیفہؒ کی چشمِ بصیرت انقلاب سے پہلے تاڑ چکی تھی۔

السفاح کی حکومت چار سال نو مہینے تھی۔ اس مدت میں ابوحنیفہؒ حجاز میں مقیم رہے یا واپس ہوئے کوئی قطعی شہادت نہ مل سکی۔ البتہ السفاح کے ساتھ اس ساری مدت میں ابوحنیفہؒ کا ایک مکالمہ تاریخ میں نقل ہوتا چلا آیا ہے۔

تاہم عباسی حکومت سے امام صاحبؒ کے تعلقات کی ابتداء ابوجعفر منصور الدوانقی کے زمانہ سے ہوئی، جو عباسیوں کا پہلا حقیقی خلیفہ اور دولتِ عباسیہ کا معمارِ اوّل اور اس کا بانی ہے۔ اسی ابوجعفر منصور کے ساتھ امام ابوحنیفہؒ کی کش مکش امام صاحبؒ کی زندگی کا سب سے بڑا سیاسی کارنامہ ہے۔

عباسی طاغیہ ابومسلم خراسانی :

عباسیوں کے طاغیہ ابومسلم خراسانی سے کون ہے جو واقف نہ ہو۔ ۱۳۱ھ سے ۱۳۶ھ تک سارے خراسان کا مطلق العنان حکمران رہا۔ عباسی حکومت کا اس زمانہ میں سب سے بڑا معمار بلکہ اساسی ستون تھا۔ اقتدار کے نشہ میں ذرہ ذرہ بات پر گردنیں اڑا دیتا تھا۔ سیاہ لباس کیوں پہنا ہے؟ صرف ایک سوال پوچھنے میں گردن اڑادی۔ جباریت وقہرمانیت کا یہ عالم تھا کہ اس کے حکم اور ہاتھ سے قتل ہونے والوں کی تعداد مورخین نے چھ لاکھ بتائی ہے۔

ابومسلم اپنے سفاکانہ کرتوتوں میں ظالم الامۃ حجاج بن یوسف سے کسی طرح بھی کم نہیں۔ ابومسلم کی ظالمانہ اور سفاکانہ کاروائیاں، امام اعظم ابوحنیفہؒ سے کسی طرح بھی پوشیدہ نہ تھیں اور نہ آپ اس سے غافل تھے۔ اسلامی انقلاب اور نظام شریعت کی بالادستی آپ کے سیاسی رُجحانات کا اوّلین ہدف تھا۔ اس زمانہ کے اربابِ اخلاص و دیانت جنہوں نے ''البرو والتقویٰ'' کی نیت سے بنی اُمیہ کی حکومت کا تختہ اُلٹنے میں ابومسلم خراسانی کی مدد کی تھی۔ اب اس شترکینہ سیاہ سینہ انسان کی ظالمانہ حقیقتیں بے نقاب ہوکر سامنے آئیں تو انہیں اپنی غلطی کا احساس ہوا کہ ہم نے بالکلیہ ''الاثم والعدوان'' پر اس کے دست و بازو کو قوت پہنچائی تھی جسے ابوحنیفہؒ کی بصیرت نے اوّلِ روز سے تاڑ لیا تھا اور جس کی وجہ سے وہ اس عمل سے کنارہ کش رہے جو بد سے بدترین انقلاب کا ذریعہ بن سکتا تھا۔

ابراہیم الصائغ اور امام ابوحنیفہؒ :

چنانچہ ابراہیم الصائغ جیسے صاحبِ اخلاص و دیانت (جو ابومسلم خراسانی کے مغالطّوں کا شکار ہوگئے تھے) پر جب اصل حقیقت بے نقاب ہوگئی تو آگ کی طرح ان کے اندر حق گوئی و بے باکی کا شعلہ بھڑک اُٹھا۔ ابومسلم کو منافقت اور ظالمانہ کردار کی سزا دینے اور ایک عظیم اسلامی انقلاب برپا کرنے کا فیصلہ کرلیا۔

چنانچہ مرو سے کوفہ تک کی اسلامی دنیا کے طویل وعریض علاقے میں مشاورت و رہنمائی اور معاونت وہمنوائی کے لئے ان کی نظرِ انتخاب امام اعظم ابوحنیفہؒ پر پڑی۔ طویل بحث ومباحثہ کے بعد بقول امام اعظم ابوحنیفہؒ :

الی ان اتفقنا علی انه فریضة من الله تعالیٰ۔

ہم دونوں نے اس بات پر اتفاق کرلیا کہ (مقابلہ کے لئے کھڑا ہونا) خدا کی طرف سے فرض ہے۔ اتفاقِ رائے کے بعد ابراہیم الصائغ نے امام ابوحنیفہؒ سے عرض کیا۔

مدّ یدک حتی ابا یعک۔ ہاتھ بڑھایئے تا کہ میں بیعت کروں۔

انفرادی منفعت پر اجتماعی اور ملّی مفاد کو ترجیح :

یہ عباسیوں کی حکومت کا ابتدائی دور تھا۔ ابراہیم حکومت کے مقابلہ میں ابوحنیفہؒ کو جس مہم کے لئے آمادہ کرنا چاہتے تھے، ابوحنیفہؒ کی نظر اس سے مہم تر امر پر مرکوز تھی۔ ابوحنیفہؒ فرصت کے اوقات کو غنیمت شمار کر کے سرِ دست ہر چیز سے الگ ہو کر معصومانہ ماحول میں وضع قوانین کے مسئلہ سے فراغت حاصل کرنا چاہتے تھے۔ وہ بظاہر ایک طرف تجارتی کاروبار اور دوسری طرف حلقہ بنا کر طلبہ کو فقہ کی تعلیم دینے میں مصروف نظر آنا چاہتے تھے۔

ابراہیم کی صداقت و اخلاص دلائل کی قوت، ضرورت کی شدت اور اس کے تقاضے اپنی جگہ جتنے بھی اہم ہوں، مگر ان کو بغیر رد و کد اور حکمت و تدبّر کے قبول کر کے اُٹھ کھڑے ہونے کا انجام بھی سامنے تھا۔ انجام کے لحاظ سے امام ابوحنیفہؒ کا بنا بنایا پروگرام بھی خاک میں مل جاتا۔ امام ابوحنیفہؒ جس راہ سے کامیابی تاڑ چکے تھے، وہ بھی ہمیشہ کے لئے بند ہو جاتی جب کہ دوسری طرف ابراہیم الصائغ والا راستہ شہادت کی خلعت سے سرفرازی اور انفرادی منفعت تک محدود تھا۔ چنانچہ امام ابوحنیفہؒ نے بڑے گہرے غور و فکر اور سیاسی بصیرت سے کام لیتے ہوئے ابراہیم الصائغ سے عرض کیا۔ آخر میں تمہاری کس لئے بیعت لوں۔

اسلامی انقلاب کے لئے تنظیمی وحدت اور اجتماعی قوت کی ضرورت :

اس قسم کی عظیم مہم میں جس تنظیمی اور اجتماعی قوت کی قدرتی ضرورت ہوتی ہے، امام ابوحنیفہؒ نے ادھر توجہ دلائی، جسے ہم ابوحنیفہؒ کی سیاسی بصیرت اور سیاسی مسلک بھی قرار دے سکتے ہیں۔ فرمایا :

اگر اس کام کی سرانجامی میں کچھ ایسے صالح لوگ مددگار بن جائیں اور ان لوگوں کا سردھڑا ایسا آدمی ہو جس کے دین پر بھروسہ کیا جاسکتا ہو"۔

اس سے امام ابوحنیفہؒ یہ بتانا چاہتے تھے کہ :

بغیر کسی تنظیمی اور مضبوط سیاسی قوت کی فراہمی کے اس قسم کے خطرات میں چل پڑنے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایک بڑا قیمتی سرمایہ (جانِ عزیز) مفت میں کسی قیمت کے بغیر ضائع ہو جاتی ہے۔

قربانی بڑی ہو تو قیمت بھی زیادہ سے زیادہ حاصل کرنا چاہئے :

اتنی بڑی قربانی دینا اپنی جگہ محمود ہے، مگر اس کی زیادہ سے زیادہ قیمت حاصل کر کے مرنا اور زیادہ پسندیدہ اور شرعاً مطلوب ہے۔

بہر حال ، ابراہیم الصائغ کو امام ابوحنیفہؒ نے وقت کے تقاضوں اور شریعت کے مزاج سے آگاہی کی بہت فہمائش کی، مگر ان کا ایمانی جوش، ادائے فرض، عزیمت اور شہادت کی حلقتوں کو تاڑ چکا تھا۔ ایمانی جوش اور اشتیاقِ شہادت کا جذبہ انہیں عقل وخرد اور تدبیر کی رہنمائی سے معذور کر چکا تھا، ادھر باطل کے مقابلہ میں فرض کے احساس کی جو آگ ابراہیم کے دل میں لگی ہوئی تھی وہی آگ ابوحنیفہؒ کے اندر کو بھی جلا رہی تھی۔ حکومت سے بیزاری اور ممکنہ حد تک اس سے مقابلہ کی کوشش گویا دونوں کا سیاسی مذاق ایک ہی تھا۔ اختلاف دونوں میں جو کچھ تھا، وہ صرف طریقِ کار میں تھا۔

ابوحنیفہ جلتی آگ میں کودنے کے بجائے انتظار کو ترجیح دے رہے تھے۔

(الجصاص ص ۳۲ ج ۱)

مقصد یہ تھا کہ باضابطہ اجتماعی تنظیم کی صورت میں اگر مقابلہ کا موقعہ مل گیا تو فبھا ورنہ انتظار کی گھڑیوں میں وضعِ قوانین اور رجالِ کار کی تیاری کی صورت میں حق کو آگے بڑھانے اور باطل کو پیچھے ہٹانے کے امکانات سے نفع اُٹھانے کی کوشش کرنی چاہئے۔ اور الحمدللہ کہ اپنے اس ارادہ میں ابوحنیفہؒ کامیاب ہوئے اور ایسی دونوں صورتیں فیاضِ ازل

نے مہیا بھی کردیں۔

ابراہیم الصائغ، ابومسلم خراسانی کے دربار میں:

گو بات طویل ہو جائے گی، مگر موضوعِ بحث سے کسی طرح بھی خارج نہیں۔ وہ یہ کہ ابراہیم الصائغ جو امام ابوحنیفہؒ کی ہزار فہمائش پر بھی باز نہ آئے اور اپنی قیمتی جان کی دنیا میں نفع المسلمین کی صورت میں بہترین قیمت وصول کرنے کے بجائے آخرت کی خلعتِ شہادت کو بہرصورت ترجیح دی۔ کوفہ سے مرو واپس ہو کر ابومسلم خراسانی کے دربار میں پہنچ گئے۔

ایک دوبار تو ابومسلم ان کے ایمان ویقین کے نشہ کی مستی، احساسِ فرض وجذبۂ حق گوئی، دین وتقویٰ کی شہرت اور سارے علاقۂ خراسان میں نیک نامی کے پیش نظر چشم پوشی کر گئے۔ تاہم جب ابراہیم الصائغ کسی صورت بھی نہ ٹل سکے اور بتدریج کلمہ بکلامٍ غلیظ۔ یعنی ابراہیم نے تیز وتند لہجہ میں ابومسلم کو خطاب کرنا شروع کردیا۔

تب ابومسلم نے ان کی گرفتاری کا حکم دیا، مگر خراسان کے مشائخ وعلماء کے اصرار پر صرف ڈانٹ ڈپٹ کر کے ان کو رہا کردیا۔

شہادت سے پہلے ابراہیم کا اپنی آخری تمنا کا اظہار:

مگر ابراہیم کب باز آنے والے تھے، جب باز نہ آئے تب ابومسلم نے ان کے قتل کے جواز کے لئے قانونی حیلہ جوئی کر کے گرفتاری کا حکم دے کر آخری مرتبہ اپنے دربار میں حاضر کرنے کا حکم دیا۔ حاضر کر دیئے گئے، اس موقع پر ابراہیم الصائغ نے جو آخری تقریر ابومسلم سے کہی یہ تھی:

ولاجاھدنک بلسانی لیس لی قوۃ بیدی و لکن یرانی اللّٰہ و بغضک فیہ۔ (الجصاص)

میں قطعاً تجھ سے اپنی زبان سے جہاد کروں گا۔ میرے ہاتھ میں (ہاتھ سے فیصلہ کا) اقتدار نہیں ہے مگر میں تو صرف یہ چاہتا ہوں کہ میرا مالک مجھے اس حال میں دیکھے کہ محض اللہ کی وجہ سے میں تجھ سے بغض رکھتا ہوں (صرف اسی کا ثبوت پیش کرنا مقصود ہے)

اسی طرح ابراہیم نے گویا موت جیسے لاینحل عقدے کا حل نکال لیا کہ خدا کے دشمن کی تلوار ان کو خدا کے پاس پہنچا دے اور وہ اپنے مالک حقیقی کے قدموں پر اپنی جان نثار کر دیں۔

ابن سعد نے لکھا ہے کہ آخری دفعہ جب ابراہیم کو یقین ہو گیا کہ اب ابومسلم مجھے زندہ نہیں چھوڑے گا۔ اپنے بدن پر خوشبو لگائی، کفن کا کپڑا اوڑھ لیا اور بھرے دربار میں ابومسلم کو خطاب کیا:

فوعظه، و کلمه بکلامٍ شدید فامر به فقتل و طرح فی البئر۔

(ابن سعد ص ۱۰۳)

ابراہیم نے ابومسلم کو خطاب کر کے نصیحت اور وعظ کہنا شروع کر دیا، سخت الفاظ کہنا شروع کر دئے اس پر ابومسلم نے حکم دیا بے چارے (ابراہیم) قتل کر دئے گئے اور کسی کنوئیں میں ان کی لاش پھینکوا دی گئی۔ (رضی اللہ عنہ)

آخر جو دُھن تھی اور جو عزم تھا وہ پورا کیا۔ جب ابراہیم کا تذکرہ امام ابوحنیفہؒ کی مجلس میں آتا تو عبداللہ بن مبارک راوی ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ رونے لگتے۔ حتی ظننا انه یموت۔ ہم لوگ خیال کرنے لگتے کہ امام ابوحنیفہؒ مر جائیں گے۔

ابوحنیفہؒ نے جان دیکر عظیم قیمت وصول کی:

بہرحال گو بات لمبی ہوگئی مگر دکھانا یہ ہے کہ منزل دونوں کی ایک تھی۔ اختلاف صرف راہ میں تھا، ابراہیم ابتلاء کی جس راہ سے پہنچے بالآخر ابوحنیفہؒ بھی اپنے آپ کو اسی

منزل تک پہنچا لر رہے ہے، لیکن امام صاحب نے افادے اور استفادے اور نفع المسلمین کی عظیم قیمت وصول کی۔ انتظار کی ممکنہ ساعات میں حق کو آگے بڑھایا باطل کو پیچھے دھکیلا اور ابوحنیفہؒ نے اپنی قیمتی جان دے کر جو عظیم قیمت وصول کی، اس کی تفصیلات وضعِ قوانین، تدوین فقہ، اشاعتِ علم، رجالِ کار کی فراہمی، تربیت، فقہی اُصول، قواعد و کلیات، ہزاروں فروعات، اجتہاد و استنباط مسائل، اسلامی سیاست کے نشانِ راہ اسلامی ریاست کا قیام اور اس کے نظام کے خدوخال یعنی فقہ حنفیہ کو ملک کی دستوری و آئینی حیثیت دلانا اور اس کا مکمل نفاذ کسی حد تک ہماری اس تالیف میں تفصیل سے آ گئے ہیں۔ یہی وہ چیز ہے جسے ہم نے امام ابوحنیفہؒ کا سیاسی مسلک قرار دیا ہے۔

ابوحنیفہؒ کے کردار کے پس منظر میں قدرت کے تکوینی اسرار :

اور میں سمجھتا ہوں کہ اس کے پس منظر میں قدرت کے کچھ تکوینی اسرار پوشیدہ تھے۔ یہ سب کچھ تصرف کیا نہیں جا رہا تھا بلکہ کرایا جا رہا تھا :

ع یہ قدم اُٹھتے نہیں اُٹھوائے جاتے ہیں

قدرت کو امام ابوحنیفہؒ سے تدوین قانون اور خدمتِ اسلام کا جو عظیم کام لینا تھا، بقولِ یزید بن ہارون، فقہ امام ابوحنیفہؒ کا خاص ہنر تھا۔

فھو صناعة و صناعة اصحابه كانھم خلقوا لھا۔ (موفق ج ۲ ص ۶۵)

یہ تو ان کا اور ان کے شاگردوں کا خاص ہنر اور فن ہے، گویا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اسی کام کے لئے یہ لوگ پیدا کئے گئے۔

اندرونِ خانہ پرخلوص جدوجہد کے کامیاب نتائج :

اور واقعہ یہ ہے کہ صرف فقہ حنفی ہی نہیں بلکہ مسلمانوں کے پاس فقہ کا آج جو کچھ سرمایہ ہے، وہ شافعیؒ فقہ ہو یا حنبلی، بلکہ مالکی فقہ تک کسی نہ کسی حیثیت سے سب کی بالآخر امام

ابوحنیفہؒ ہی کی ان دیدہ ریزیوں سے آبیاری ہوئی ہے، جن کا موقعہ قدرت نے بصورتِ انتظاران کوعطا فرمایا تھا۔

انتظار اور وقفہ کی یہ مدت ۱۴۵ھ تک تیرہ' چودہ (۱۴،۱۳) سال کا بہترین موقعہ تھا جو آپ نے اقامتِ حق اور ازالۂ باطل کے لئے خاموش، حکیمانہ مگر بڑی منصوبہ بندی سے اندرونِ خانہ کامیاب جدوجہد جاری رکھی۔

ابوحنیفہؒ کا سیاسی نصب العین :

اور ابوحنیفہؒ نے اپنا نصب العین یہ متعین کرلیا تھا کہ حکومت کو قضاءِ فصل خصومات کے سلسلہ میں میں اس کے نقائص کی اصلاح کی طرف متوجہ کرلیا جائے اور جب وہ متوجہ ہو تو اپنی پوری زندگی اور زندگی کے سارے وسائل کو کھپا کر جو صحیح چیز وہ تیار کررہے ہیں، اس کو قبول کرنے پر قدرتاً حکومت مجبور ہوجائے۔

نصب العین میں کامیابی :

بالآخر امام اعظم ابوحنیفہؒ کی جس ہدف پر نظر تھی، تیر نشانے پر ٹھیک لگا۔ فقہاء، ائمہ مجتہدین، قضاۃ اور مفتیوں کی ایک جماعت تیار کرلی۔ موفق نے لکھا ہے :

بالآخر امام ابوحنیفہؒ کی بات نے استواری حاصل کی اور امراء امام ابوحنیفہؒ کے محتاج ہوگئے اور خلفاء کے درباروں میں ان کا ذکر ہونے لگا۔ (موفق ج ۲ص ۱۷)

حضرت مولانا سید مناظر احسن گیلانی رقمطراز ہیں :

امراء ابوحنیفہؒ کے محتاج ہوگئے اور خلفاء کے درباروں میں ان کا ذکر ہونے لگا۔ یہی چیز دیکھنے کی اور غور کرنے کی ہے۔ امراء سے الگ رہنا، حکومت اور حکومت سے مستغنی رہ کر سارے ذرائع سے قطعی طور پر بے نیاز ہوکر زندگی گذارنا، موج خون سر سے گذرتے

ہوئے دیکھنا، لیکن آستانِ یار سے نہ اُٹھنے پر اصرار جاری رکھنا اور اپنے آخری سانس تک جاری رکھنا، یہ واقعہ ہے کہ اس حد تک امام ابوحنیفہؒ کے ساتھ اکابر اسلام کا ایک بڑا گروہ شریک تھا۔

اسلاف میں ابوحنیفہؒ کا امتیازی مقام :

لیکن یہ بات کہ امراء سے دور رہنا، اور پھر ان ہی امراء کو اپنا محتاج بنانے کی کوششوں کو بھی جاری رکھنا، خود اپنی مجلس کو خلفاء اور سلاطین کے ذکر سے پاک رکھنا، لیکن ان مجلسوں تک زبردستی اپنے ذکر کو بزور پہنچانا اور صرف ذکر ہی نہیں بلکہ امام صاحب نے اپنی حکیمانہ تدبیروں سے ایسی صورتِ حال پیدا کر دی کہ بالآخر بقولِ یحیٰ بن آدم کہ :

> "خلفاء اور ائمہ (یعنی مسلمانوں کے سیاسی حکمرانوں کا طبقہ) اور حکام ابوحنیفہؒ کے مدونہ قوانین سے فیصلہ کرنے لگے اور بالآخر اسی پر سلسلہ ختم ہوا"۔ (الموفق ج ۲ ص ۴۱)

داؤد طائی فرماتے ہیں :

بالآخر لوگوں کا رُخ امام ابوحنیفہؒ کی طرف پھر گیا۔ بڑے بڑے امراء اور حکام آپ کی عزت کرنے لگے، مشکلات کے حل میں امام نے ہمیشہ اپنے آپ کو آگے آگے رکھا لوگ آپ کے مداح بن گئے۔ ایسا کام کر کے امام نے لوگوں کے سامنے پیش کیا جو دوسروں سے نہ بن آیا۔ (ایضاً ص ۲)

نظام حکومت میں ابوحنیفہؒ کے اشتراکِ عمل کا مطالبہ :

غرض امام اعظم ابوحنیفہؒ نے اپنے علمی اور عملی تدبیروں سے ماحول ہی ایسا پیدا کر دیا تھا کہ حکومت میں امام صاحبؒ کے اشتراک کا مطالبہ اس زمانے کا ایک عام مطالبہ بن

چکا تھا۔

چنانچہ عباسی حکومت کے فرمانروا ابوجعفر منصور نے جب مدینۃ الاسلام بغداد کی تعمیر کا کام شروع کیا تو شہر کی تعمیر کا نظم اور اینٹ کی ڈھلائی ان کا گننا، کام کرنے والوں کے کام کی نگرانی یہ سارے کام ابوحنیفہؒ کے سپرد ہوئے۔ جب ان اینٹوں کی تعداد کروڑ ہا کروڑ سے متجاوز ہوگئی اور ان کا گننا دشوار ہوگیا، تو مؤرخین کا بیان ہے کہ :

امام صاحبؒ نے ایک بانس منگوایا اور جس نے جتنی اینٹیں ڈھالی تھیں، ان کو اسی بانس سے ناپ لیتے تھے۔ **کان ابو حنیفه اول من عدل اللبن بالقصب** ۔اینٹوں کو بانس سے گننے کا طریقہ سب سے پہلے امام ابوحنیفہؒ نے اختیار کیا۔

(طبری کی بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ دراصل عباسی خلیفہ منصور نے امام ابوحنیفہؒ سے حکومت کا عہدۂ قضا قبول کرنا چاہا تھا، مگر جب انکار دیکھا تو خشت شماری اور مزدوروں کی نگرانی ان کے سپرد کردی۔ کہتے ہیں کہ امام کے انکار پر منصور قسم کھا بیٹھا تھا کہ ضرور تم کو مقرر کر کے رہوں گا، جب امام کسی طرح راضی نہ ہوئے تو قسم پوری کرنے کے لئے یہ کام امام صاحبؒ کے حوالے کردیا : **انما فعل المنصور ذالک لیخرج عن یمینه** ۔ یہ کام منصور نے اس لئے کیا تھا کہ اپنی قسم سے وہ باہر ہونا چاہتا تھا۔ یعنی جو قسم کھائی تھی، اسے اس تدبیر سے پورا کرنا چاہتا تھا)

مسلمانوں کی آئینی زندگی کے لئے ابوحنیفہؒ کی کوشش :

اس کے بعد جب بھی امام ابوحنیفہؒ کو ابوجعفر منصور سے ملاقاتوں کے مواقع ملتے رہے تو امام صاحبؒ کی کوشش یہی رہی کہ مسلمانوں کی آئینی زندگی کے لئے حکومت قوانین کے اس مجموعہ کو کسی طرح قبول کرلے جو انہوں نے برسہا برس کی عرق ریزی سے تیار کیا تھا۔

اسی دوران یہ بھی ہوا کہ دنیا اپنی پوری رعنائیوں اور کشائشوں کے ساتھ امام اعظم ابوحنیفہؒ کے پاؤں پڑی۔ ابوجعفر منصور نے مختلف صورتوں میں عطایا، ہدایا، تحائف پیش کئے تا کہ ابوحنیفہؒ کو اپنے کام کا بنالیں، مگر امام اس کے گراں قدر ہدایا کو ٹھکرا کر بھی مدارات کی روش اختیار کر کے منصور سے اپنا کام نکالنا چاہتے تھے صید تو تھے ہی مگر صیاد رہنا چاہتے تھے۔

منصور کے دربار میں ابوحنیفہؒ کی پہلی تقریر :

ان دنوں ابوجعفر منصور نے امامِ مالک، ابن ابی ذئب اور امام ابوحنیفہؒ تینوں حضرات کو اپنے دربار میں بلوا کر یہ دریافت کیا کہ :

"سچ سچ بتایئے کہ مسلمانوں کی حکومت کی باگ ڈور جو قدرت نے ہمارے سپرد کی ہے کیا واقعی ہم اس کے اہل ہیں یا نہیں۔ امام اعظم ابوحنیفہؒ نے جو طویل جوابی تقریر کی اس کا خلاصہ یہ ہے کہ :

"کسی بھی حیثیت سے تمہاری حکومت شرعی اور آئینی نہیں ہے، جب تم نے حکومت سنبھالی تو اس وقت اربابِ فتویٰ دو آدمی بھی تمہاری خلافت پر متفق نہیں تھے"۔

ابوجعفر کا منصوبہ تلوار یا مزید انتظار :

ابوجعفر منصور ہوشیار، مصلحت اندیش اور بڑا سیاس تھا۔ اسے اپنی یزیدیت کی موت کی تصویر قتلِ حسین کے آئینے میں صاف نظر آ رہی تھی۔ اس لئے کسی قسم کا نوٹس لئے بغیر امام اعظم ابوحنیفہؒ اور ان کے رفقاء کو بغیر کسی تعرض کے گھر جانے کی اجازت دیدی۔

تاہم امام صاحبؒ کی اس قدر صاف گوئی نے منصور کے تمام شکوک وشبہات کو جو امام صاحبؒ سے متعلق وہ رکھتا تھا، یقین سے بدل دیا، لیکن اسے کیا کرنا چاہئے کیا" آخر

الحیّل السیف" یعنی تلوار سے آخری فیصلہ امام کا کر دیا جائے یا بجائے زہر کے ابھی گڑ کھلانے کے تجربے کو کچھ دن اور جاری رکھا جائے۔ شاید ان ہی خیالات میں غلطاں پیچاں تھا کہ اسے جب وہ تعمیر بغداد کے سلسلہ میں لگائے ہوئے کیمپ میں قیام پذیر تھا، اطلاع پہنچی کہ ......

محمد بن عبداللہ نفسِ زکیہ کا خروج :

محمد بن عبداللہ نفسِ زکیہ نے مدینہ میں حکومت کے خلاف بغاوت اور مقابلے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ (حسنی سادات میں سب سے سربرآوردہ ہستی حضرت عبداللہ بن الحسن بن الحسن بن علی بن ابی طالب کے صاحبزادے تھے اور اس واقعہ خروج کا ظہور ۱۴۴ھ اور ۱۴۵ھ کے درمیان ہوا ہے)

ادھر امام اعظم ابوحنیفہؒ جس باضابطہ اجتماعی اور منظم تحریک کے منتظر تھے اور اس سے قبل کے زمانہ میں حق کے بڑھانے کے امکانات سے ممکنہ حد تک فائدہ اُٹھانے کی کوشش میں مصروف رہے۔ (کامل ص ۱۰۸)

ایک وسیع اور ہمہ گیر تحریک :

محمد بن عبداللہ نفسِ زکیہ کی تحریک، ایک وسیع، ہمہ گیر اور انقلابی تحریک تھی۔ پوری اسلامی سلطنت میں ایک ہی روز میں حکومت کا تختہ اُلٹنے کے سارے انتظامات مکمل ہو چکے تھے۔ خود مدینہ منورہ میں کوئی ایسا شخص نہیں رہ گیا تھا، جس نے نفسِ زکیہ کی حامی نہ بھری ہو۔ (کامل ج۲ ص ۱۹۷)

ادھر تحریک کے رہنما محمد نفس زکیہ اور ان کے بھائی ابراہیم جو نفسِ رضیہ کے نام سے مشہور تھے۔ دونوں اس لحاظ سے پورے اتر رہے تھے کہ اجتماعی تحریک کی باگ ان کے ہاتھ میں ہو۔

ابراہیم کی حمایت اور حکومت سے مقابلہ کا علانیہ اقدام :

ادھر عہدِ انتظار میں امام ابوحنیفہؒ نے جس عظیم کام کو شروع کیا تھا خدا نے وہ کام بھی ان سے مکمل کرالیا۔

چنانچہ کوفہ میں ابراہیم نفس رضیہ نے جب کام شروع کیا تو ابوحنیفہؒ حکومت کے انتظام اور دار و گیر سے قطعاً لاپرواہو کر علی الاعلان ان کی حمایت میں کھڑے ہو گئے۔ الیافعی رقمطراز ہیں :

کان ابو حنیفه یجاهر فی امرہ و یامرُ بالخروج معه ۔

(السعی الشافعی ج اص ۳۰۰)

ابراہیم کی رفاقت پر امام ابوحنیفہؒ لوگوں کو علانیہ اُبھارتے اور حکم دیتے کہ ان کے ساتھ ہو کر حکومت کا مقابلہ کرو۔

اور جب منصور عباسی بغاوت کو کچلنے کے لئے بغداد سے کوفہ وارد ہوا اور اس کے کارندے اپنے مخالفین کو چُن چُن کر نیزوں پر چڑھاتے اور تلواروں کی پیاس بجھاتے تھے ادھر محدثین کے ایک گروہ اور طبقہ حشویہ نے یہ فتویٰ دے دیا تھا کہ :

حکومت کے مقابلہ میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی جرأت ثواب نہیں بلکہ فتنہ وفساد ہے۔

خلیفہ منصور کوفہ آ کر فروکش ہو گیا۔ عباسی حکومت کے سرکاری کارندے چالاک عقاب بن کر ہر اس شخص کو اُچک لینے کے لئے منڈلا رہے تھے، جس کے متعلق ہلکا سا شبہ بھی مخالفت کا پیدا ہو جاتا تھا، مگر امام ابوحنیفہؒ سب کچھ سے بے نیاز ہو کر میدان میں کود آئے تھے اور یہ فتویٰ جاری فرمایا تھا۔

ابوحنیفہؒ کا فتویٰ جہاد :

''کہ اس جنگ میں شرکت پچاس حج سے زیادہ افضل ہے''۔ (موفق ج ص ۸۳)

امام صاحبؒ کے براہِ راست شاگرد زفر بن ہذیل کی یہ شہادت ہے :

کان ابو حنیفه یجهر بالکلام ایام ابراهیم جهارا شدیدا۔

(ایضاً ص ۱۷۱)

ابراہیم کے زمانے میں امام ابوحنیفہؒ علانیہ بلند آواز سے گفتگو کرنے لگے اور زیادہ بلند آواز سے (لوگوں کو حکومت سے بغاوت پر اُبھارنے لگے)۔

اس راہ میں امام ابوحنیفہؒ کا جوش وخروش شدّت کے انتہائی نقطہ تک پہنچ گیا تھا۔ امام صاحبؒ کا ہر شاگرد مجلسِ وضع قوانین کے ارکان اور حلقۂ درس کے تمام تلامذہ، آپ کے اہل وعیال غرض سب کی زندگی خطرے میں آ گئی تھی۔

ابوحنیفہ فوجی بساط پلٹنے میں کامیاب ہوئے :

تقدیری واقعات کا کوئی علاج نہیں، ورنہ تدبیر کی حد تک کسی حکومت قائمہ کو بٹھا دینے کی آخری تجویز یہی ہوسکتی ہے کہ فوجی انقلاب پیدا کر دیا جائے۔ اس حد تک جو یقیناً سب سے بڑی کامیابی ہے، امام ابوحنیفہؒ نے عباسی فوجی بساط کا سب سے بڑا اہم مہرہ زبردست موروثی نمک خوار اور وفادار جرنیل حسن بن قحطبہ کو اپنے ساتھ ساتھ شریک کر لیا، جس کے باپ قحطبہ نے عباسی حکومت کی دماغی قوت (ابومسلم خراسانی) کے ساتھ دست و بازو کا کام دیا تھا۔ قحطبہ کی وفات کے بعد عباسی فوج کی کمان ان کے بیٹے حسن کے ہاتھ میں آئی وہی ان کا سب سے بڑا جرنیل تھا۔

ابوحنیفہؒ کی نظریں اس کو تاڑ گئیں۔ ایک سال کی مسلسل محنت سے جنرل حسن بدل گیا اور جب جنرل حسن کی تحقیقات کے سلسلہ میں ابوجعفر منصور نے دریافت کیا :

"کون ہے جو حسن کو ہم سے بگاڑ رہا ہے؟"

تو رپورٹروں نے یہ رپورٹ پیش کی : انه یدخل علی ابی حنیفه۔

(موفق ج ۲ ص ۱۸۴)

اس کی آمد و رفت ابوحنیفہؒ کے پاس ہے۔

تاریخی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ محمد نفس زکیہ اور ان کے بھائی ابراہیم نفس رضیہ کی تحریک جب مدینہ منورہ، بصرہ اور کوفہ میں اندر ہی اندر کام کر رہی تھی۔ ابوحنیفہؒ عباسی فوج کے روحِ رواں کو توڑ لینے کی کوششوں میں مصروف تھے اور اسے ابوحنیفہؒ کی کرامت سمجھا جائے یا امام صاحبؒ کا بے نظیر سیاسی تدبر کہ جو شخص محمد ابراہیم کے خروج سے پہلے اور قحطبہ کی وفات کے بعد تقریباً عباسیوں کی ہر فوجی مہم میں پیش پیش رہا، جس کے باپ کے دست و بازو نے عباسی حکومت قائم کی تھی۔ ٹھیک خروج کے وقت اس کا بیٹا و جانشین ساری عزت و جاہ اور دولت و ثروت سے کٹ کر ابوحنیفہؒ کے دستِ حق پر توبہ کرتا ہے اور خود کو آزمائش کی گھڑیوں میں مبتلا کر دیتا ہے۔

ابوحنیفہؒ کی سیاسی تدبیر اور ابوجعفر منصور کی بدحالی :

ابوحنیفہؒ کی اس سیاسی تدبیر سے ابوجعفر منصور باوجود سیاسی مدبّر، دلیر اور بہادر ہونے کے بوکھلایا، پریشان ہوا اور اس حد تک مایوس ہوا کہ کوفہ کے ہر دروازے پر تیز رو سواریاں بندھوادی تھیں کہ وقت آنے پر جس طرف بھی بھاگنے کا موقعہ ملے بھاگ جاؤنگا۔

یہ سب کچھ ہو رہا تھا، مگر اس کے باوجود حکومت امام ابوحنیفہؒ پر ہاتھ ڈالنے کی جرأت نہ کرسکی کہ اللہ نے سارے عراق بلکہ سارے مشرق کا ان کو امام اور پیشوا بنا دیا تھا۔

ابوجعفر منصور اضطراب و سراسیمگی کے جس حال میں اس وقت مبتلا تھا، بھڑ کے چھتے میں ہاتھ دے دیتا، اگر ایسے نازک وقت میں امام ابوحنیفہؒ پر ہاتھ ڈالتا اور ''بجائے یک نہ شد دو شد'' کی مصیبت میں گرفتار ہو جاتا۔

بہرحال تقدیر، تدبیر پر غالب آئی اور تحریک کچل دی گئی۔ حضرت محمد نفس زکیہ اور ابراہیم نفس رضیہ شہید کر دیئے گئے اور فتنہ فرو ہو گیا، تب بھی امام ابوحنیفہؒ کی گرفتاری کی

طرف فوراً منصور متوجہ نہ ہوا، اس میں بھی رائے عامہ کے دباؤ اور ابوحنیفہؒ کی علمی و دینی، فقہی اور سیاسی عظمت کو دخل تھا۔

گذشتہ صفحات میں آپ پڑھ آئے ہیں کہ حسینی سادات کی مساعی کا خاتمہ محمد اور ابراہیم کی شہادتوں پر ہو گیا۔

ابوجعفر منصور کی انتقامی کاروائی :

ابوجعفر منصورؒ کو فراغِ قلب اور دلجمعی حاصل ہوئی، پھر تعمیرِ بغداد کی طرف متوجہ ہوا اور اب چُن چُن کر حیلے بہانوں سے بغاوت کی تحریک میں حصہ لینے والوں سے انتقام لینا شروع کیا۔ مخالفین کے مکانات ڈھانے اور نخلستان کاٹ دینے کے احکام جاری کئے۔

امامِ دارالہجرۃ امام مالکؒ نے محمد نفس زکیہ کے خروج کے وقت فتویٰ دیا تھا کہ ابوجعفر منصور نے بیعت جبراً از بردستی لی ہے۔ اس لئے طلاق واقع نہ ہوگی۔ ابوجعفر منصور کے حکم سے جعفر بن سلیمان عباسی والیٔ مدینہ نے امام مالکؒ کو تیں (۳۰) اور بعض روایات میں سو کا ذکر ملتا ہے کوڑے لگوائے۔ بری طرح پٹوایا اور مونڈھے اتروا دئے۔

امامِ مالک نا قابلِ برداشت سزا سے بے ہوش ہو جاتے تو دُعا کرتے :

اللھم اغفرلھم فانھم لایعلمون۔ (دیباج المذہب ص ۲۸)

پروردگار ان کو معاف کر دیجئے کہ یہ جانتے نہیں۔

امام مالکؒ نے ابوحنیفہؒ سے انتقام کی منصوری تدبیر ناکام بنادی :

اسی زمانے میں ابوجعفر منصور حج کے سلسلۂ سفر میں جب مدینہ منورہ پہنچتا ہے تو امام مالکؒ سے علی الاعلان معافی کا خواستگار ہوتا ہے اور مختلف طریقوں سے امام مالکؒ سے تعلقات بڑھاتا اور ان کی دلجوئیاں کرتا ہے۔ ادھر دل و دماغ پر چونکہ ابوحنیفہؒ کی فقہی

مہارت ،مجلس وضع قوانین کی جامع دستوری کارروائیاں اور عظمتیں مسلط تھیں ۔اس لئے منصور یہ چاہتا تھا کہ امام مالکؒ کے اجتہادی مسائل ونتائج کو فقہ حنفی کی طرح کسی باضابطہ قانون کی شکل میں مرتب کر کے حکومت کا قانون قرار دیا جائے ۔گویا ابوحنیفہؒ اور ان کے تلامذہ یا علماء عراق کے لئے ان کے مقابلہ میں ابوجعفر جس مخالفانہ محاذ کو قائم کرنے کی تدبیریں کر رہا تھا، امام مالکؒ کی بے نفسی ،ظرف کی وسعت ،فطرت کی بلندی اور حقیقت پسندی نے منصور کے جواب میں اس کے چلائے ہوئے تیر کو بے ٹھکانہ کر دیا۔امام مالکؒ نے منصور سے کہا :

عالیجاہ ! جس جس علاقے کے باشندوں نے جو باتیں (احادیث روایات اور اقوالِ علماء سن کر) اختیار کرلی ہیں، ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیجئے ۔ (میزان الکبری شعرانی)

اس طرح امام ابوحنیفہؒ اور ان کی علمی خدمات کے اثرات جو عباسی حکومت کے مرکز عراق اور دوسرے مشرقی ممالک میں قائم ہو سکتے تھے کے مقابلہ میں امام مالکؒ کو لا کھڑا کرنے کی حکومتی تدبیر بری طرح ناکام ہوگئی۔

ابوحنیفہؒ کو رام کرنے کی آخری ناکام کوشش :

۱۴۶ھ سے ۱۴۸ھ تک دو سال کے عرصہ میں امام مالک کے جواب سے مایوسی اور رائے عامہ کے دباؤ سے حکمتِ عملی کے تحت خلاصی کی راہ اختیار کر کے ابوجعفر نے مختلف حیلوں اور تدبیر سے امام ابوحنیفہؒ کے متعلق اپنے آخری فیصلے تک پہنچنے کی تدبیریں شروع کر دیں۔۱۴۸ھ سے ۱۵۰ھ تک جو تعمیر بغداد کی تکمیل اور ابوحنیفہؒ کی وفات کا سن ہے تقریباً دو ڈھائی سال کے عرصہ میں منصور نے پھر سے ابوحنیفہؒ سے نیا تعلق قائم کیا اور امام صاحبؒ کو کوفہ سے بغداد بلا بلا کر عہدۂ قضا قبول کرنے پر مجبور کرتا رہا۔اولاً مقامی قضا کا عہدہ پیش کیا۔جب انکار دیکھا تو چند صوبوں کی قضا پیش کی ، جب یہ بھی نہ چلی تو آخر میں تمام

ممالک محروسہ کے لئے ابوجعفر منصور، قاضی القضاۃ کا عہدہ قبول کرنے کی خاطر ابوحنیفہؒ کی سماجت کرتے رہے کہ قضا کے اختیارات بھی ابوحنیفہؒ کے پاس رہیں۔

قاضی القضاۃ کا تصور سب سے پہلے ابوحنیفہؒ نے پیش کیا :

اور سارے اسلامی صوبوں میں قاضی بھی ابوحنیفہؒ کے ہاتھ سے نکلے۔ کہا جاتا ہے کہ قاضی القضاۃ کے عہدے کی طرف سب سے پہلے ہارون الرشید کا ذہن منتقل ہوا اور اس نے قاضی ابو یوسفؒ کا اس عہدے پر تقرر کیا، لیکن تاریخ پر گہری نظر رکھنے والے جانتے ہیں کہ اس کے لئے سب سے پہلے ابوحنیفہؒ ہی نے زمین ہموار کی تھی۔ ابوجعفر منصور مجبور ہو گیا تھا اور ابوحنیفہؒ کی خدمت میں قاضی القضاۃ کے عہدے کو قبول کرنے کی پیش کش کر دی تھی، اگر ابوحنیفہؒ، ابوجعفر منصور کی درخواست قبول کر لیتے تو بالفعل ابو یوسفؒ نہیں بلکہ اسلام کے سب سے پہلے قاضی القضاۃ ابوحنیفہؒ ہی قرار پاتے۔

ابو یوسفؒ کا قاضی القضاۃ بننا، یہ کوئی اتفاقی واقعہ نہ تھا بلکہ یہ ابوحنیفہؒ کے ایامِ انتظار کی محنت اور ایک خاص حکمتِ عملی اور لائحہ عمل تھا۔ جسے ابوحنیفہؒ نے مسلمانوں کے متعلق تیار کیا تھا۔ جس کے مطابق واقعہ کا ظہور ہوا اور ہوتا رہا۔ قاضی ابو یوسفؒ ابوحنیفہؒ کی اس دور اندیشی کو یاد کر کے کبھی کبھی کہہ اُٹھتے :

ابوحنیفہؒ کتنے بابرکت آدمی تھے کہ دنیا اور آخرت کی دونوں راہیں ہم پر ان ہی کی کھولی ہوئی ہیں۔ (موفق ج ۲ ص ۳)

وزارتِ عدل کے منصبِ جلیل کی پیشکش

اور ابوحنیفہؒ کی زندگی کا آخری امتحان :

الغرض امام اعظم ابوحنیفہؒ نے اسلامی عدالت کی تنظیم اور نظامِ عدالت کی توحید

کے لئے سردھڑ کی بازی لگادی تھی اور دل وجان سے یہ چاہتے تھے کہ حکومت اسے باضابطہ طور اپنا دستورِ مملکت بنالے اور جب ابوجعفر نے امام صاحب کو اپنے دام میں لانے کے لئے ان کے اس آخری مرغوب دانے کو بھی ان کے سامنے رکھ دیا اور عہدۂ قاضی القضاۃ اور وزارتِ عدل کی گرانقدر پیشکش کر دی۔ بظاہر عقل کا تقاضا یہ تھا کہ امام صاحبؒ اسے نعمت اور خدائی فضل سمجھتے ہوئے قبول کر لیتے۔

مگران کی بصیرت اور دوراندیشی نے اسے بھی اپنے لئے زندگی کا آخری امتحان قرار دیا۔ امام صاحب سمجھ رہے تھے کہ ابوجعفر کا اصل مقصد ابوحنیفہؒ کو اپنے قابو میں لانا ہے جس کے دو راستے ہیں یا تو انہیں حکومت میں شریک کر لیا جائے یا انہیں ختم کر دیا جائے۔ منصور طے کر چکا تھا کہ اس خطرناک کانٹے کو اپنی حکومت کی راہ سے بہر حال نکال کر رہوں گا۔

امام صاحب کے سامنے بھی صرف دو ہی راستے رہ گئے تھے:

۱) یا تو ابوجعفر منصور کے پیش کئے ہوئے اس آخری لقمہ کو نگل کر خود بچ جائیں، لیکن اپنی زندگی کی ساری کمائی کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دیں۔

۲) یا ابوجعفر کی بدگمانیوں کو یقین کے درجے تک پہنچا کر اپنے مشن اور نصب العین کو بقاودوام بخشنے کے لئے خود اپنی ذات کے ختم ہو جانے کے خطرے کو برداشت کرنے کے لئے آمادہ ہو جائیں۔

کوفہ میں ابوحنیفہؒ کی آخری تقریر اور تلامذہ کو خصوصی ہدایات:

دوسری صورت امام ابوحنیفہؒ کے سامنے کامیابی کا واحد راستہ بن کر سامنے آ گئی تھی اسی آئینہ میں فقہ اسلامی کا شاندار مستقبل انہیں صاف نظر آ رہا تھا۔

چنانچہ کوفہ کی جامع مسجد میں اپنے ایک ہزار تلامذہ کے عظیم مجمع کو خصوصی ہدایات دیں اور خطاب فرمایا: امام صاحبؒ کی اس تاریخی تقریر کے چند اقتباسات کا ترجمہ درج ذیل ہے: ارشاد فرمایا:

''میرے دل کی مسرتوں کا سارا سرمایہ صرف تم لوگوں کا وجود ہے۔ تمہاری ہستیوں میں میرے حزن اور غم کے ازالہ کی ضمانت پوشیدہ ہے۔ میں نے ایسا حال پیدا کر دیا ہے کہ لوگ تمہارے نقش پا کی جستجو کریں گے اور اسی پر چلیں گے، تمہارے ایک ایک لفظ کو اب لوگ تلاش کریں گے، میں نے گردنوں کو تمہارے لئے جھکا دیا اور ہموار کر دیا ہے''۔

پھر ان چالیس خاص تلامذہ کو خصوصیت کے ساتھ متوجہ کرتے ہوئے قریب بلایا اور فرمایا:

''پس وقت آ گیا ہے کہ آپ لوگ میری مدد کریں، میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ تم چالیس میں ہر ایک عہدۂ قضا کی ذمہ داریوں کو سنبھالنے کی پوری صلاحیت اپنے اندر پیدا کر چکا ہے۔ اور دس آدمی تو تم میں ایسے ہیں جو صرف قاضی ہی نہیں بلکہ قاضیوں کی تربیت و تہذیب کا کام بخوبی انجام دے سکتے ہیں ...... میری یہ تمنا ہے ہے کہ علم کو محکوم ہونے کی ذلت سے بچاتے رہنا، قضا کا عہدہ اس وقت تک درست اور صحیح رہتا ہے جب تک کہ قاضی کا ظاہر و باطن ایک ہو، اسے قضا کی تنخواہ حلال ہے مسلمانوں کا بادشاہ یا امیر اگر مخلوق خدا کے ساتھ کسی غلط روّیے کو اختیار کرے تو اس بادشاہ سے قریب ترین قاضی کا فرض ہوگا کہ اس سے باز پرس کرے''۔ (موفق ج ۲ ص ۱۰۰)

منصور کے دربار میں ابوحنیفہؒ کی طلبی :

ایک ہزار تلامذہ کے عظیم مجمع کی اہمیت اور امام ابوحنیفہؒ کی تقریر کی خبر نے ابوجعفر کو اس پر آمادہ کرلیا کہ اب جس طرح بن پڑے ابوحنیفہؒ کو کوفہ بلالیا جائے۔ چنانچہ عیسیٰ بن موسیٰ کے پاس ابوجعفر کا فرمان پہنچا کہ ابوحنیفہؒ کو سوار کر کے میرے پاس فوراً روانہ کردو۔

ابوحنیفہؒ کا استقلال اور منصور کا اشتعال :

پھر وہی قصہ پیش آیا کوفے سے بغداد پہنچائے گئے۔ خلیفہ کے دربار میں پیشی ہوئی۔ قاضی القضاۃ اور عباسی خلافت کی وزارت عدل کے منصب جلیل کی پیشکش ہوئی۔

بڑی لے دے ہوئی جب کوئی عذر قبول نہ ہوا تب ابوحنیفہؒ نے منصور سے عرض کیا :

انی لا اصلح۔ (موفق ج۱ص۲۱۵) قضا کی مجھ میں صلاحیت ہی نہیں ہے۔

ابوجعفر نے کہا : بل انت تصلح۔ بلکہ تم ضرور قضا کی صلاحیت رکھتے ہو۔

دونوں میں اسی سوال وجواب کا ردوبدل ہوتا رہا۔

ابوجعفر منصور غضب ناک ہوا، اپنے قطعی غیر مشکوک معلومات اور ذاتی تجربات پر اعتماد کرتے ہوئے ابوحنیفہؒ سے کہنے لگا :

کذبت انت تصلح۔ (موفق ج۲ص۱۷۰)

جھوٹ بولتے ہو قطعاً تم قضا کی صلاحیت رکھتے ہو۔

امام ابوحنیفہؒ بھی خاموش نہ رہ سکے، بڑی استغناء اور بے پرواہی کے ساتھ خلیفہ کو مخاطب کر کے فرمایا :

”لیجئے ! آپ نے اپنے خلاف خود فیصلہ کردیا، کیا آپ کے لئے یہ جائز ہے کہ

اس شخص کو قاضی بنائیں جو آپ کے نزدیک جھوٹا اور کذاب ہے"۔

ابو حنیفہؒ کے اس جواب سے عباسیوں کا مطلق العنان فرمانروا منصور ذہنی شکست کی رسوائی کے پیش نظر زیادہ مشتعل ہو گیا اور خطیب نے لکھا ہے کہ قسم کھا بیٹھا کہ :

فحلّف المنصور ليفعلن۔

منصور قسم کھا بیٹھا کہ ابو حنیفہؒ کو یہ کام کرنا پڑے گا۔

مگر ابو حنیفہؒ نے بھی اسی آزادی و بیباکی کے ساتھ قسم کھائی کہ :

خدا کی قسم ! میں ہرگز یہ کام نہیں کروں گا۔

تازیانے اور جیل خانے کی سزائیں :

اگر چہ ابو حنیفہؒ کے سوانح نگاروں نے تصریح نہیں کی مگر قرائن و شواہد سے کچھ اندازہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس موقعہ پر منصور نے غصہ سے اندھے ہو کر عواقب اور نتائج کا اندازہ کئے بغیر ابو حنیفہؒ کو برا بھلا کہنے کے ساتھ ساتھ تازیانہ برداروں کو امام صاحبؒ کے مارنے کا حکم دیا۔ علامہ موفق نے عبدالعزیز بن عصام کے حوالے سے لکھا ہے :

فشتمه و دعا له بالسياط فضربه ثلاثين سوطا۔ (موفق ص ۱۸۱)

ابو جعفر منصور ابو حنیفہؒ کو برا بھلا کہنے لگے اور کوڑا منگا کر تیس کوڑے لگائے۔

جب ابو حنیفہؒ باہر لائے گئے تو اس وقت میں نے دیکھا کہ صرف پائجامہ پہنے ہوئے ہیں، پشت پر مار کے نشانات نمایاں تھے، ایڑیوں پر خون بہہ رہا تھا۔ (ایضا)

اس قدر تشدد اور سزا کے باوجود جب ابو حنیفہ کسی بھی عہدے اور منصب کو قبول کرنے پر آمادہ نہ ہوئے تو ابو جعفر نے انہیں جیل بھیج دینے کا حکم دیا۔

و غلظ و ضيق عليه تضيقًا شديداً ۔ (موفق ج ۲ ص ۱۷۳، ۱۷۴)

ابوحنیفہؒ پر سختی کی جائے اور انہیں خوب تنگ کیا جائے۔

داؤد بن راشد کہتے ہیں : ضیقوا لا مرفی الطعام والشراب والحبس۔(ایضاً)

کھانے پینے میں امام صاحبؒ پر تنگی کی گئی اور قید و بند میں بھی سختی کی گئی۔

و بعضھم قالوا اسقی السم ۔(موفق ج۲ص۱۷۹)

اور بعض کہتے ہیں امام صاحبؒ کو زہر پلایا گیا۔

آخری سجدۂ وصال :

امام صاحبؒ کی عمر اس وقت ستر (۷۰) کے قریب پہنچ چکی تھی۔ زندگی بھی ساری علمی زندگی تھی۔ ادھر ابوجعفر منصور نے ایک دو نہیں تیس تیس کوڑوں کی مار دلوائی تھی۔ جیل میں کھانے پینے کی تکالیف اور قید و بند کی سختیاں اور صعوبتیں اس پر مستزاد۔ صحت گر گئی ابوجعفر کے دار و گیر اور جبر و تشدد نے بوڑھی ہڈیوں میں آخر باقی کیا چھوڑا تھا جو زندگی کا ساتھ دیتا۔ موت کے آثار آنے لگے اور موت ہی کو قدرت نے ان کی نجات کا ذریعہ بنا دیا امام ابوحنیفہؒ کو جب اپنی موت کا یقین ہو گیا تو جبینِ نیاز بارگاہِ صمدیت میں جھکا دی۔ سجدے میں چلے گئے اور اسی حال میں اپنی جان، جانِ آفرین کے قدموں میں نچھاور کر دی۔(موفق ج۲ص۱۸۵)

نمازِ جنازہ و تدفین :

یہ ہجرت کا ایک سو پچاسواں سال تھا۔ شعبان، شوال یا رجب کا مہینہ تھا۔ ابتداء میں اس خبر کو خواص تک محدود رکھا گیا۔ امام صاحبؒ کے صاحبزادے حضرت حماد بغداد پہنچ چکے تھے۔ شہر کے قاضی حسن بن عمارہ نے جب غسل دینے کے لئے امام صاحبؒ کے کپڑے اُتارے تو جسم پر کوڑوں اور مجاہدات کے جو نشانات تھے، ان کو دیکھ کر سب رو

پڑے خود قاضی صاحب کا حال یہ تھا کہ نہلاتے جاتے تھے اور روتے جاتے تھے۔

شہر میں کسی قسم کی منادی یا اطلاع نہیں کی گئی۔ سب کچھ مخفی رکھا گیا۔ جنازہ اُٹھانے والے چار پانچ آدمی تھے، مگر جب خراسانی دروازوں کے طاقوں سے گزر ہوا تو ایسا معلوم ہوا گویا کسی نے شہر میں بجلی دوڑا دی، پُل کے پاس کے دروازے کے پاس پہنچتے پہنچتے لوگوں کا اژدہام اور سیلاب تھا جو اُمڈ آیا۔ ابورجاء الہروی کا بیان ہے:

لم ار باکیا اکثر من یومئذٍ۔ (موفق ج۲ص۱۷۲)

اتنے آدمیوں کو روتے ہوئے میں نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔

فقہ حنفیہ کا تعطل اور نظام حکومت کی تباہی:

یہ امام ہی کی عظیم و جلیل قربانیوں کے ناگزیر نتائج ہیں۔ امام احمد بن حنبل، امام ابوحنیفہؒ کی آخری زندگی کے شواہد کا تذکرہ کرتے تو بے اختیار رو دیتے اور ابوحنیفہؒ کے لئے دعائیں کرتے۔ عبداللہ بن یزید جب امام ابوحنیفہؒ کا ذکر کرتے تو کہتے حدثنا شاہ مرداں، ابوعبدالرحمٰن المقری کی ابوحنیفہؒ سے روایت کرتے وقت حدثنا شاہنشاہ کہنے کی عادت تھی۔

اسباب وعلل کی روشنی میں انسانی تاریخ کے مطالعہ سے یہ بخوبی معلوم ہو جاتا ہے کہ بعد کو جو حالات پیش آئے کہ ابوحنیفہؒ کے اقوال پر عدالتوں میں عمل ہونے لگا اور جب مامون نے اپنے چہیتے وزیر فضل ذوالریاستین کے کہنے پر اربابِ علم و دانش اور اپنے خواص کی خصوصی مجلسِ مشاورت اس لئے بلائی کہ حنفی فقہ کو عدالت سے باہر کر دیا جائے تو بحث و مباحثہ کے بعد اربابِ مشاورت نے اس بات پر متفقہ فیصلہ دیا کہ:

"یہ بات نہیں چلے گی بلکہ سارا ملک آپ لوگوں (عباسی حکمرانوں) پر ٹوٹ پڑے گا اور حکومت کا نظام درہم برہم ہو جائے گا" (موفق ج۲ص۱۸۵)

بالآخر حنفیت اور حنفی قضاۃ کے سامنے عباسیوں کی قاہرانہ حکومت نے سر جھکا دیا :

امام ابوحنیفہؒ کی وفات کے کل بیس سال بعد ہارون الرشید کے خلیفہ ہونے کے زمانے تک بغداد، بصرہ، کوفہ، واسطہ، مدائن، مدینہ منورہ، مصر، خوارزم، کرمان، نیشاپور بجستان، دمشق ترمذ، جرجان، بلخ، ہمدان، صنعاء، شیراز، اہواز، تستر، اصفہان سمرقند، ہرات، رم اور ممالک محروسہ عباسیہ کے تقریباً اکثر مرکزی مقامات میں حنفی قاضی محکمہ عدالت پر قابض و دخیل ہو گئے۔ جن میں بعض کا تقرر منصور نے، بعض کا مہدی نے، بعض کا ہادی نے کیا تھا اور ہارون کے عہد تک ابوحنیفہؒ کی انقلابی سیاست کے دور رس نتائج و ثمرات کے ترتب کی تو انتہاء ہو گئی۔ حنفی قضاۃ اور حنفیت کے سامنے عباسیوں کی جبار حکومت سر جھکانے پر مجبور ہو گئی۔

قاضی ابو یوسف جیسا آدمی پیش کرو :

ابوجعفر سے لے کر ہارون تک تمام عباسی حکمران اندرونی طور پر حنفی علماء کا زور توڑنے میں جب بُری طرح ناکام ہو گئے، حنفی فقہ اور حنفی فقہاء کے بغیر نظامِ حکومت کے تاراج ہونے کا اندیشہ یقین سے بدل گیا، تب قاضی ابو یوسفؒ کو عام قاضی کے عہدے سے ترقی دیکر قاضی القضاۃ کا مقام دے دیا گیا۔ حافظ عبدالبر کے حوالہ سے قرشی نے بھی نقل کیا ہے :

کان الیہ تولیۃ القضاء فی الآفاق من المشرق الی المغرب ۔

(جواہر ج ۲ ص ۲۲۱)

قاضی ابو یوسفؒ کے اختیار میں تھا کہ مشرق سے مغرب تک قاضیوں کا تقرر

کریں۔ گویا محکمہ عدلیہ کے مطلق العنانی وزارت پر قاضی ابو یوسفؒ براجمان ہوئے۔ جب مخالفین و حاسدین نے قاضی ابو یوسفؒ کی ذمہ داریاں اور اختیارات دیکھے تو ہارون سے شکایت کی۔ ہارون نے جواب میں کہا:

"خدا کی قسم علم کے جس باب میں بھی میں نے قاضی ابو یوسفؒ کو جانچا، اس میں کامل اور ماہر پایا۔ میں آلودگیوں سے اس کے دین کو محفوظ پاتا ہوں، آخر کوئی آدمی قاضی ابو یوسفؒ جیسا ہو تو پیش کرو"۔

(موفق ص۲۳۲)

عباسیوں کو تقریباً پانچ صدیوں تک حکومت کرنے کا موقعہ ملا۔ ۱۳۲ھ میں سفاح اوّل الخلفاء بنی عباس کے ہاتھ پر بیعت ہوئی اور مستعصم عباسی آخری خلیفہ ۶۵۶ھ میں تاتاریوں کے ہاتھوں قتل ہوا۔ گویا ۵۲۰ سال عباسیوں کی دنیا میں حکومت رہی اور بغداد میں اس خاندان کے ۳۷ خلفاء گذرے۔

اس طویل ترین مدت میں ان کے قاضیوں خصوصاً قاضی القضاۃ کے عہدے پر سرفراز ہونے والوں میں عموماً حنفی مسلک کے پابند فقہاء تھے۔ الا ماشاء اللہ بعض خاص وجوہات سے دوسرے ممالک کے فقہا کو بھی کبھی کبھار مواقع ملتے رہے۔

امام اعظم ابوحنیفہؒ نے جو کچھ سوچ کر وضع قوانین کی مجلس بنائی تھی، خدا تعالیٰ نے ان کو کامیابی عطا فرمائی اور ان کی مجلس کے وضع کردہ قوانین کے مجموعے نے حکومت کے باضابطہ آئین کی حیثیت حاصل کر لی۔ جو ۵۲۰ سال تک ملک کے دستور کی حیثیت سے نافذ العمل اور جاری رہا۔

قندِ مکرر:

اوائل میں کہیں احقر نے امام ابوحنیفہؒ کے سیاسی عمل کے اجمالی خاکے کے عنوان

سے لکھا تھا۔ قندِ مکرر پر دوبارہ اسے ملاحظہ فرمائیں:

خلاصہ یہ کہ امام ابوحنیفہؒ چالیس سال کی عمر سے ستر سال کی عمر تک میدانِ سیاست میں اُترے رہے اور جب تک دوسرے امکانات سے نفع اُٹھانے کا موقعہ انہیں ملتا رہا، استفادے میں انہوں نے کوئی کمی نہیں کی۔ سیاسی حکمتِ عملی، فقہ حنفیہ کی بالا دستی، تلامذہ کے ایک بڑے حلقہ اور قاضیوں کی ایک بڑی جماعت کے مستقبل میں غلبہ اور فقہ حنفیہ کو آئینی حیثیت اور قانونی تحفظ اور عملاً مکمل نفاذ (جو پانچ صدیوں کی طویل مدت تک نافذ رہا) کی راہ ہموار کرنے کے بعد سلطانِ جائر کے سامنے کلمۂ حق کا اظہار کر کے شہادت یا قریب قریب شہادت کے، جامِ شہادت نوش فرمایا۔

خلاصہ یہ کہ لوگ جاہ و منصب کی طرف لپکتے ہیں، جاہ و منصب کی کشش علماء تک کو اپنی طرف متوجہ کر لیتی ہے لیکن کچھ خاصانِ خدا ایسے بھی ہوتے ہیں جو جاہ و منصب سے نفرت کرتے ہیں، جنہیں اقتدار و اختیار کی دنیا میں کوئی لذت نہیں ملتی، جن کی زبانِ حق نہ شاہ و شہریار کے سامنے گنگ ہوتی ہے نہ قیصر و خاقان کے سامنے۔ امامِ اعظم ابوحنیفہؒ نے ثابت کر دیا کہ وہ انہیں خاصانِ خدا میں تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

باب : ۱۲

قیاس کی شرعی وآئینی حیثیت اجتہاداتِ رسولؐ، تعاملِ صحابہؓ اور جمہورِ اُمت کا توارث واجماع

رائے وقیاس کے اثبات، اس کے دلیلِ شرعی وحجت ہونے پر اجمالاً کچھ دلائل پیش کئے جارہے ہیں۔ خدا کرے کہ سمجھائے جانے والے بھی یہ بات سمجھ سکیں اور جیسا کہ سمجھایا بھی یہی جارہا ہے کہ رائے وقیاس کی ''دستورِ اسلامی کے چوتھے ماخذ کی حیثیت'' من جانب اللہ ہے۔ اس میں امام اعظم ابوحنیفہؒ اور آپ کے اصحاب کا صرف اتنا ہی قصور ہے کہ انہوں نے اسے باری تعالیٰ کا حکم سمجھ کر اجتہاد واستنباط کے طور پر استعمال کیا اور اپنایا ہے۔ دلیل رابع ہی کی حیثیت سے بتایا ہے بنایا نہیں۔ آخر اپنانے میں جرم ہی کیا ہے، جب بنانے والے نے خود ہی یہ ارشاد فرمایا: کہ :

۱۔ فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِي الْاَبْصَارِ ۔(حشر:۲)

اے عقل والوں عبرت حاصل کرو۔

یہاں اعتبار بمعنی قیاس کے ہے، عربی میں ''اعتبار الشئی بشئی ''اُس وقت بولا جاتا ہے جب اس پر قیاس کیا جائے۔

۲۔ وَ تِلْکَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ۔ (حشر:۲۱)

اور ان مثالوں کو ہم ان لوگوں کے نفع کے لئے بیان کرتے ہیں تاکہ وہ سوچیں۔

۳۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ۔ (النساء:۵۹)

اے ایمان والو! تم اللہ کا کہنا مانو اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کا کہنا مانو اور تم میں جو لوگ اہل امر ہیں، (ان کا کہنا بھی مانو) پھر اگر ان کے احکام میں سے کسی امر میں تم باہم اختلاف کرنے لگو تو اس امر کو (کتاب) اللہ اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب لوٹاؤ۔

امام فخر الدین رازیؒ اور علامہ آلوسیؒ کی تصریحات کے مطابق آیت مذکورہ میں ''اولی الامر منکم'' سے حجیتِ اجماع اور ''فان تنازعتم'' الخ سے حجیتِ قیاس کی طرف اشارہ ہے۔ اگر اس آیت کے اِن دو اجزا سے بھی وہی مراد لیں جو پہلے دو اجزا میں بیان ہو چکی ہے تو پھر بے فائدہ تکرار لازم آجائے گا، تو لامحالہ حجیتِ اجماع او حجیت قیاس ہی مراد ہوگا۔ (تفسیر کبیر وروح المعانی)

۴۔ فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ۔ (الآیۃ) (الاسراء:۲۳) اور والدین کو اُف نہ کہو۔

اس آیت کی مراد یہ قیاس کئے بغیر حاصل ہی نہیں ہوسکتی کہ جب والدین کو اُف تک کہنا حرام ہوا تو زدوکوب کرنا بدرجۂ اولیٰ حرام ہوگا۔

حدیث معاذ بن جبلؓ:

حجیتِ قیاس پر جناب شارع علیہ السلام اور آپ ﷺ کے صحابہؓ سے اس قدر آثار مروی ہیں کہ معنوی لحاظ سے حدِ تواتر کو پہنچے ہوئے ہیں۔ ہم یہاں اولاً حضرت معاذ بن جبل کی مشہور حدیث بطورِ استدلال درج کرتے ہیں، جو قولی حیثیت سے قیاس ورائے کی

حجت اور دلیل شرعی ہونے پر نصِ قطعی ہے۔اسی حدیث معاذ بن جبل ہی کے بارے میں علامہ ابن کثیر ارشاد فرماتے ہیں :

وهذا لحديث في المسند و السنن باسنادٍ جيدٍ كما هو مقرر في موضوعه۔

(تفسیر ابن کثیر ج ۱ص ۳)

یہ حدیث مسند اور سنن میں جید اور کھری سند کے ساتھ مروی ہے جس کی تحقیق اپنے مقام پر ثابت شدہ ہے۔

جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت معاذ بن جبل کو یمن کا گورنر بنا کر بھیجنا چاہا تو آپ نے حضرت معاذ سے دریافت فرمایا :

بما تقضي يا معاذ۔اے معاذ ! تم کس چیز کے ساتھ فیصلہ کرو گے۔

حضرت معاذ نے جواباً عرض کیا : **بكتاب الله** ۔اللہ کی کتاب کے ساتھ۔

آپ نے ارشاد فرمایا : **فان لم تجد في كتاب الله**۔اگر وہ مسئلہ تم کتاب اللہ میں نہ پاؤ۔ تو حضرت معاذ نے عرض کیا : **بسنّة رسول اللّٰه صلى الله عليه و سلم** ۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق۔ آپ نے مزید ارشاد فرمایا :**فان لم تجد في سنة رسول الله صلى الله عليه وسلّم** ۔اگر وہ مسئلہ تم سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی نہ پاؤ۔تب حضرت معاذ نے عرض کیا :

اجتهد برائي۔ اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا۔

یہ سن کر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہوئے اور زبانِ رسالت سے ارشاد فرمایا :**الحمد لله الذي وفق رسول رسوله بما يرضى رسوله**۔

(ابوداؤد، ترمذی، دارمی، مشکوۃ شریف)

خدا کا شکر ہے کہ اس نے رسول اللہ کے قاصد کو وہ توفیق عطا فرمائی جس کو اس کا رسول پسند کرتا ہے۔

اور حضرت معاذ بن جبل ہی کے بارے میں لسانِ نبوت سے جو یہ الفاظ ادا ہوئے ہیں : **اعلمهم با الحلال و الحرام معاذ بن جبل۔**

سب سے زیادہ حلال وحرام کو جاننے والا معاذ بن جبل ہے۔

• علماء کے ایک طبقہ کے اس خیال کہ ''یہ نبوی شہادت معاذ بن جبل کے قیاس ہی کی ایک عظیم سند ہے''۔ کے باطل سمجھنے کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔

اجتہاداتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم :

ایک متفق علیہ حدیث میں مذکور ہے کہ ایک آدمی جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی ۔ میری بہن نے حج کرنے کی نذر کی تھی، مگر وہ حج کرنے سے پہلے مرگئی، تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس پر قرضہ ہوتا تو کیا تم ادا کرتے؟

اس نے عرض کیا جی ہاں ! تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا :

فاقض دين الله فهو احق بالقضاء ۔(مشکوٰۃ)

اللہ کا قرض ادا کردے وہ ادائیگی کا زیادہ مستحق ہے۔

حدیث کا مفہوم بغیر اس کے اور ہو ہی نہیں سکتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کی ادائیگی کو دین پر قیاس فرمایا ہے۔

۲۔ ایک اعرابی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میری بیوی کے ہاں ایک بچہ پیدا ہوا ہے اور وہ کالا ہے، مجھے اس پر شک ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا : تمہارے ہاں اونٹ ہیں؟ عرض کیا جی ہاں: آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کونسا رنگ؟ عرض کیا سرخ! آپ ﷺ نے دریافت فرمایا کیا اس میں کچھ خاکی رنگ کے بھی ہیں؟ اعرابی نے مثبت جواب دیا، پھر آپ نے دریافت فرمایا، یہ خاکی رنگ کہاں سے آ گیا؟ اعرابی بولا ممکن ہے کہ کوئی رگ کھینچ کر آ گئی ہو، تب آپ نے ارشاد

فرمایا یہی حال اس لڑکے کا ہے۔ (ابوداؤد)

۳۔ طلق بن علی فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو عرض کیا، یارسول اللہ! اگر کوئی شخص وضو کرنے کے بعد اپنی پیشاب گاہ کو ہاتھ لگا لے تو کیا حکم ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: **ھل ھو الا بضعۃ منک** ۔نہیں ہے وہ مگر تیرے جسم کا ایک ٹکڑا۔

اس حدیث میں جناب شارع علیہ السلام نے عضو مخصوص کو دیگر اعضا پر قیاس فرمایا ہے، چونکہ نجاست کا عدمِ خروج ہی ہر دو میں متحقق ہے، اس لئے تو حضرت سعد نے فرمایا: **ان کان شیء منک نجسًا فلیقطعہ لاباس بہ** ۔(اُصولِ فقہ)

اگر وہ ایسی ناپاک شے ہے تو اسے کاٹ کر پھینک دو۔

حضرت علیؓ ارشاد فرماتے ہیں:

ما ابالی مَستُ انفی او اذنی او ذکری ۔(اُصولِ فقہ)

مجھے تو اس کی کوئی پروانہیں کہ میں نے ناک، کان کو ہاتھ لگایا یا پیشاب گاہ کو۔

چونکہ خود رسالتمآب شارع علیہ السلام قیاس فرمایا کرتے تھے اس لئے تو حضرت سعدؓ اور حضرت علیؓ نے بھی قیاس ہی سے جواب دیا۔

اجتہاداتِ صحابہ رضون اللہ علیہم اجمعین :

یہ باب تو اس قدر وسیع ہے کہ اس کے لئے ایک جدا کتاب کی ضرورت ہے۔ عقل والوں کے لئے تو اشارہ کافی ہے، نہ سمجھنے والوں کے لئے دفتر بھی بے کار ہے۔ تاہم اس عنوان کے تحت بھی چند ثقہ اور معتبر روایات و نظائر درج کردئے جاتے ہیں ....

ع شاید کہ اُتر جائے تیرے دل میں میری بات

۱۔ حضرت عمرؓ نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو جو ہدایت نامہ ارسال فرمایا تھا، اس

میں مذکور ہے کہ :

''وہ بات جو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نہ ہو اور تمہارے دل میں کھٹکتی ہو اسے اچھی طرح سمجھو اور پھر اس کے مشابہ احکام و نظائر کو معلوم کرو اور ان پر اس کو قیاس کرو اور جونسی بات اللہ اور حق و صداقت کے زیادہ قریب ہو اسی کو اختیار کرو۔

(اسلامی دستور ص ۱۷۰)

۲۔ حضرت عمرؓ کے سامنے ایک معاملہ پیش ہوا۔ ایک آدمی کو اس کی سوتیلی ماں اور آشنا نے قتل کر دیا تھا۔ حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ سے دریافت کیا، انہوں نے فرمایا، اگر کئی آدمی ذبح شدہ اونٹ کے چرانے میں اس طرح شریک ہوں کہ ہر ایک، ایک عضو چرا کر لے جائے تو کیا آپ ان سب کے ہاتھ کاٹیں گے؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا : ہاں۔ حضرت علیؓ نے جواب دیا ایسے ہی یہ معاملہ ہے۔ اس پر حضرت عمرؓ نے اپنے عامل کو لکھ بھیجا کہ دونوں کو قتل کر دیا جائے۔ (ایضا)

۳۔ حضرت عمرؓ کی خدمت میں ایک شخص اپنے غلام کو پکڑ کر لایا اور عرض کیا کہ اس نے میرا آئینہ چرا لیا ہے۔ اس کا ہاتھ کاٹا جائے۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا، غلام بھی تیرا ہے اور آئینہ بھی تیرا ہے۔ یہاں بھی حضرت عمرؓ نے اس قیاس سے کام لیا کہ غلام میں حق ملکیت موجود ہے تو جہاں جہاں حق ملکیت پایا جائے گا چاہے وہ کسی بھی صورت میں ہو، اس میں قطع ید نہ ہوگا۔ مثلاً لڑکا باپ کا مال چرا لے یا بیوی خاوند کا مال چرا لے۔

۴۔ حدیث کی کتابوں میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا مشہور قیاس دربارۂ غیر معین مہر والی عورت کا خاوند جب ہمبستری سے قبل مر گیا تو آپ نے اپنے ہی رائے و قیاس سے اس کے لئے مہر مثل لازم قرار دے دیا، جبکہ معقل بن سنان نے بعد میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ سے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی تائید کی۔

اس مشہور روایت سے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے قیاس کا حدیث رسول ﷺ

کے مطابق واقع ہونا ثابت ہوا۔ بہر حال جناب رسول اللہ ﷺ اور حضرات صحابہ کرامؓ سے رائے و قیاس ثابت ہوا۔ علامہ ابن قیم نے ابن دقیق العید کی طرف منسوب کرتے ہوئے حضرت صحابہؓ کے قیاس کے جواز پر اجماع نقل کیا ہے۔

کچھ نہ سہی تو عداوت ہی بھلی :

جہاں تک احقاقِ حق و اظہارِ حق کا فریضہ ہے، جیسا کہ ہم گذشتہ مباحث میں عرض کر چکے ہیں کہ ہمارے اسلاف نے اس فرضِ منصبی کی ادائیگی میں جس قدر انتہا کر دی۔ اسلاف ہی سے منسوب اور ان ہی کے نام پر زندگی گذارنے والے ایک طبقہ نے اسلاف ہی کی تحقیق سے اسی قدر انکار و اعراض میں انتہا کر دی۔ اسلاف سے کمالِ تعلق، کمالِ وفا اور کمالِ اطاعت کی اس نوعیت کی بھی خوب داد دینی چاہئے کہ جب اسلاف سے تعلق ہی رکھنا تو پھر محبت سے عداوت ہی بھلی ہے ....

قطع نہ کیجئے ان سے تعلق اپنا
کچھ نہ سہی تو عداوت ہی بھلی

ہم یہ گذارش بھی ضرور کریں گے کہ اب وقت ہے کہ دوستی و محبت اور کمالِ خلوص کے اس عنوان ''عداوت ہی بھلی'' کو ترک کر دو، کیونکہ آنے والی دلچسپ بحث مین حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ، حضرت عثمان ذوالنورینؓ، حضرت علی مرتضیٰؓ اور دیگر جلیل القدر صحابہؓ سے ہم زیر بحث مسئلہ ضرور دریافت کریں گے، کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کی مقدس روحیں آپ ہی سے دست بگریباں ہو کر پکار اُٹھیں ....

کیوں دوستی کے پردے میں کرتے ہو دشمنی
کیوں دامنِ ادب کی اُڑاتے ہو دھجیاں

حجیتِ قیاس اور اجماع :

رائے وقیاس کے "دستورِ اسلامی کے چوتھے ماخذ اور شرعی حجت ہونے پر قرآن وحدیث اور اجماع، ایسے قطعی دلائل ہیں کہ جس کا انکار اور انکار پر اصرار ہی کرنے والوں کو آخرت میں جو کچھ پیش آئے گا، اس کا مراقبہ تو وہی کریں جو مبتلاء ہیں۔ ہم یہاں قیاس کے شرعی حجت ہونے پر اجماع کا بیان کریں گے۔ شریعت میں اجماع دستورِ اسلامی کا تیسرا اور قطعی ماخذ ہے اور قطعیات میں بھی ایسا کہ جس کا انکار وبالِ ایمان سے خالی نہیں۔

امام الخلفاء نے رائے وقیاس کا حکم دیا :

حضرت ابوبکر صدیق ؓ سے کلالہ کے بارہ میں جب دریافت کیا گیا تو آپ نے ارشاد فرمایا :

اقول فیھا برائی فان یکن صواباً فمن اللّٰہ و ان یکن خطاءً فمنّی و من الشیطٰن۔ (نھایۃ السوال للامام جلال الدین ص۲۲۸)

میں اس میں اپنی رائے سے کہتا ہوں اگر صواب ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، اگر خطا ہو تو مجھ سے اور شیطان سے ہے۔

طبقات ابن سعد میں حضرت صدیق اکبرؓ کا ارشاد یوں نقل کیا گیا ہے۔

فقال اجتھد برائی فان یکن صواباً فمن اللّٰہ و ان یکن خطاء فمنّی و استغفر اللّٰہ۔ (طبقات ابن سعد ج۳ ص۱۳۶)

ابوبکر صدیق ؓ نے فرمایا میں اپنی رائے سے اجتہاد کرتا ہوں، اگر درست ہو گیا تو اللہ تعالیٰ کی عنایت ہوگی، ورنہ میری خطا ہوگی۔ میں اللہ تعالیٰ سے معافی چاہتا ہوں۔

حضرت موسیٰ اشعریؓ کو جب بصرہ کا حاکم بنا کر بھیجا تو اسے عہد لکھ دیا جس میں قیاس کرنے کا حکم تھا۔ فرمایا :

اعرف الاشیاء و النظائر و قس الامُور برایک۔

(نہایۃ السوال لا امام جمال الدین بحوالہ اقوال صحیحہ فی جواب الجرح علی ابی حنیفہ ص ۳۴۱)

یعنی اشیاء کو اوران کے نظائر کو پہچان اور اُمور کو اپنے رائے سے قیاس کر۔

کائنات میں پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد دوسری عظیم ہستی حضرت ابوبکر صدیق ہی ہیں، جن کی افضلیت بعد النبی صلی اللہ علیہ وسلم ملتِ اسلامیہ کے تمام مسلمانوں کا مسلّم عقیدہ ہے، جو خلافتِ راشدہ کے نقشِ اوّل اور امام الخلفاء ہیں۔ جب حضور ﷺ ہی کے سچے جانشین اور صحیح نائب قیاس ورائے کا حکم دے رہے ہیں اور جس کو حکم دیا جارہا ہے، وہ بھی حضور ﷺ ہی کے تربیت یافتہ اور آپ ﷺ ہی کی تعلیم گاہ کے سند یافتہ ہیں، وہ بھی بلاچون وچرا تسلیم کر رہے ہیں، جبکہ درسگاہِ نبوی ﷺ کے ہزاروں فضلاء (صحابہ کرامؓ) موجود ہیں اور ان میں کوئی بھی ایسا نہیں جو حکم صدیقؓ (رائے وقیاس) کو علم نبوت کی روشنی میں خلافِ شریعت قرار دے۔

تو جن کے ہاں ''اہل رائے'' ہونا باعثِ نفریں ہے، سمجھنے والے تو سمجھ ہی گئے ہوں گے، یہ زد کہاں پڑی مگر ایسا ذہن رکھنے والے اپنے اندر کے انسان (ضمیر) سے بھی دریافت کرلیں کہ ایسا ہی عقیدہ رکھا جائے تو پھر امام الخلفاء حضرت صدیق اکبرؓ کا مقام کیا ہوگا؟

خلیفۂ ثانی حضرت عمر فاروقؓ بھی قیاس کو اختیار فرماتے ہیں :

خلافت راشدہ کے نقشِ ثانی محمدی تعلیم گاہ کے سندِ یافتہ، علوم نبوت کے عظیم فاضل و ماہر اسلام کے عظیم فاتح حضرت عمر فاروقؓ جب لوگوں کو فتویٰ دیا کرتے تو فرمایا کرتے تھے :

هٰذا رایٔ عمر فَاِنْ کان صواباً فمن اللّٰه و ان کان خطاءً فمن عمر ۔

(سنن کبریٰ ومیزان شعرانی ص ۴۹)

یہ عمر کی رائے ہے اگر درست ہوئی تو اللہ تعالیٰ کا احسان ہوگا اگر خطا ہوئی تو عمر کی خطا سمجھنا۔ حضرت عثمانؓ سے ارشاد فرمایا :

انی قد رأیت فی الجد رأیاً فان رأیتم تتبعوه فاتبعوا۔

(قال الذهبی والحاکم صحیح مستدرک حاکم ج۲ص ۳۴۰)

میں نے جد کے بارہ میں رائے دی ہے۔ پس اگر تم اس رائے کا اتباع پسند کرتے ہو تو اس کا اتباع کرو۔

جب کہ جد کے بارے میں حضرت عمر فاروقؓ سے پہلے حضرت ابوبکر صدیقؓ بھی اپنی رائے دیے چکے تھے، جیسے حضرت عمر فاروقؓ کا اجتہاد و استنباط، رائے و قیاس سے تھا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے بھی رائے و قیاس ہی سے اجتہاد کیا تھا۔ ہر دو حضرات کا قیاس قرآن و حدیث اور قطعی نصوص سے ہرگز متصادم نہ تھا (بلکہ یہ تصور بھی گناہِ عظیم ہے) اور یہ کہنا کتنا ہی بجا ہے کہ شیخینؓ کے اس قیاس کا مبنیٰ و منشا ہی قرآن و حدیث تھے۔

خلیفۂ ثالث حضرت عثمانؓ نے بھی قیاس کی تصویب فرمائی :

یہی وجہ تھی کہ خلافتِ راشدہ کے نقشِ ثالث دامادِ نبیؐ، ہم زلفِ علیؓ محمدیؐ یونیورسٹی کے عظیم اسکالر، حضرت عثمانؓ، دونوں حضرات (شیخین) کی تائید اور تصویب فرماتے ہوئے اپنی خداداد عقل و فہم اور فیاضِ ازل کی طرف سے عنائت فرمودہ قوتِ قیاس کو استعمال میں لاتے ہوئے حضرت فاروقِ اعظم کے جواب میں یوں ارشاد فرماتے ہیں :

ان نتبع رایک فانه رشد و ان نتبع رای الشیخ قبلک فنعم الرای ۔

(سنن دارمی ص ۸۰)

اگر ہم آپ کی رائے کا اتباع کریں تو یہ صواب (درست) ہے اگر ہم تجھ سے پہلے شیخ (صدیق اکبر) کی رائے کا اتباع کریں پس وہ اچھی رائے ہے۔

اگر رائے وقیاس شرعاً مذموم یا قابلِ نفریں ہوتے اور ان سے مسائل کا اجتہاد و استنباط بھی شرعاً ناجائز ہوتا تو یہ ناممکن ہی تھا کہ حضرت ذوالنورینؓ اس پر چپ رہتے، جب حضرت عثمانؓ جیسے ذمہ دار اور فقیہ وقانونِ اسلامی کے عظیم فاضل و ماہر، حضرت عمر فاروقؓ کی موجودگی میں بھی ابوبکر وعمر کے اجتہاد واستنباط میں اولویت وغیر اولویت کا فیصلہ صادر فرماتے ہوں، پھر فیصلہ بھی اس کا راجح قرار دیتے ہیں جو موجود نہیں ہے۔ آخر یہ کیونکر ممکن ہوسکتا ہے کہ اسی کے سامنے جب ایک غلط اور خلافِ شرع (قرآن وحدیث کی موجودگی میں خلافتِ راشدہ ہی کے دور میں رائے وقیاس پر عمل) کام ہو رہا ہو، بجائے روکنے، ٹوکنے اور منع کرنے کے وہ خود بھی اس میں شریک ہو گیا اور پھر شرکت بھی اس قدر بڑھ چڑھ کر کہ شیخین ہی کے دو قیاسوں کی موجودگی میں اپنے قیاس اور اپنی ہی رائے سے ایک کو افضل قرار دے دیا۔

خلیفہ رابع حضرت علی مرتضیٰؓ نے بھی قیاس پر عمل کیا :

اگر اسلاف ہی کی بات ماننی اور ان ہی کے علوم و معارف سے استفادہ کرنا ضروری ہے، جیسے کہ بعض حضرات اس لئے اپنے نام کے ساتھ ''سلفی'' لکھنے کو باعثِ افتخار بھی سمجھتے ہیں، تو صحابۂ کرامؓ بالخصوص خلفائے راشدین سے بڑھ کر ہمارے اسلاف میں کون ہے جو قرآن وحدیث اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے معیار پر پورے اُتریں۔ جب خلافتِ راشدہ کے نقش رابع، سرورِ کائنات کے تربیت یافتہ علوم نبوت کے سند یافتہ، لسانِ نبوت نے جسے ''باب العلم'' کہا ہو، یعنی حضور ﷺ ہی کے خلیفہ رابع حضرت علی المرتضیٰ نے بھی جب قیاس پر عمل فرمایا ہو اور رائے وقیاس سے اجتہاد واستنباط کو ضروری سمجھتے

ہوئے یہاں تک فرما دیا ہو کہ :

اجتمع رائی و رائ عمر علی المنح من بیع امہات الاولاد والاٰن قد رأیت ان یبعن ۔ (منہاج السنۃ لابن تیمیہ ج ۳ ص ۱۵۶)

میری اور حضرت عمرؓ کی رائے اس پر متفق ہوئی کہ امہات الاولاد کی بیع نہیں ہوسکتی مگر اب میری رائے یہ ہے کہ وہ بیع ہوسکتی ہے۔

تو پھر کون ہے ایسا مفتی جو اس کے باوجود بھی مطلق رائے و قیاس کو مذموم اور اس کے خلافِ شرع ہونے کا فتویٰ جاری کرے۔ آخر وہ فتویٰ ہی کیا فتویٰ ہے جو خلافتِ راشدہ کے متفقہ عمل کو ٹھکرا دے۔

اُلٹی گنگا :

امام اعظم ابوحنیفہؒ کو صرف اس وجہ سے قصوروار ٹھہرانا کہ وہ ''اہل الرائے'' تھے کس قدر زیادتی اور ظلم ہے کہ جو عمل خلافت راشدہ کا متفقہ عمل ہو، پھر وہی عمل بعینہٖ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی سنت ہو، اگر ابوحنیفہؒ اس پر عمل کرے تو وہ تارکِ سنّت اور منکرِ حدیث، مگر جو لوگ اس عمل ہی کے منکر اور طریقۂ مسنونہ (رائے و قیاس) جس کو ہم نے گذشتہ معروضات میں قرآن و سنّت اور اجماع کا متفقہ فیصلہ قرار دیا ہے کے تارک ہوں وہی عامل بالحدیث اور وہی محبانِ حدیث؟ تعجب تب ہوتا جب ایسی بات اب ہوتی۔ یہ ''اُلٹی گنگا'' تو پہلے دن سے چلی آئی ہے اور چلتی رہے گی، مگر اُلٹی گنگا کو سیدھا بھی تو وہی کہتے ہیں جو آنکھیں چندھیا کے دیکھنے کے عادی ہوتے ہیں۔

حجیتِ اجماع کا اقرار یا انکار ؟

غیر منصوص مسائل، نوازلات و حادثات میں صحابۂ کرامؓ رائے و قیاس اور اجتہاد و استنباط سے کیسے اور کتنا کام لیتے تھے اور اس کو کس حد تک ضروری سمجھتے تھے اس کا اجمالی

نقشہ گذشتہ معروضات سے مترشح ہو ہی جاتا ہے اور آئندہ بھی اس سلسلہ میں مزید ایک اجمالی اور عنوانی خاکہ دے دیا جائے گا اور حقیقت بھی یہی ہے کہ ان کو اگر جمع کر دیا جائے تو ایک دفتر تیار ہو جائے، مگر یہاں مقصود صحابہ کرامؓ کے اجتہادات و استنباطات اور جملہ دلائل و براہین کا استیعاب ہرگز نہیں، بلکہ یہ حقیقت واضح کرنا ہے کہ اگر امام اعظم ابوحنیفہؒ رائے محمود اور قیاسِ شرعی پر عمل کرنے کی وجہ سے ''امام اہل الرائے'' کہلائے تو یہ ان کے لئے موردِ الزام نہیں، بلکہ باعثِ ہزار افتخار اور آخرت میں ترقی مدارج کا بہترین اور یقینی وسیلہ ہے جو مسئلہ (قیاس ورائے کا شرعی حجت ہونا) وحی الٰہی، مرفوع اور صحیح احادیث، حضرات صحابہ کرامؓ کے تعامل اور جمہور اُمت سے تواتر کے ساتھ ثابت ہو۔ ایسی قطعی حقیقت اور ایسے منصوص مسئلہ کی مذمت، اہل الرائے کی توہین و تذلیل نیز صحابہ کرامؓ کے ارشادات، اقوال، تعامل اور جمہورِ اُمت کے تواتر و توارث کا انکار، بظاہر اجماع کا انکار نہیں تو اور کیا ہے؟

ہمیں اصرار بھی نہیں کہ ایسوں کے بارے میں اربابِ علم اجماع ہی کے انکار کا فتویٰ بھی دے دیں تاہم اتنی گذارش ضرور کریں گے کہ ایسا کرنا (قیاس ورائے کا انکار) نہیں تو پھر ایسوں کے ہاں ''اجماع کا اقرار'' بھی نہیں۔

تعاملِ صحابہؓ کا اجمالی خاکہ :

حضرت ابنِ عباسؓ نے بھائیوں کے محجوب ہونے میں ''جد'' کو ابن الابن پر قیاس کیا اور فرمایا :

الا یتقی اللّٰہ زید بن ثابت یجعل ابن الابن ابناً ولا یجعل اب الاب اباً.

(الاقوال الصحیح فی جواب الجرح علی ابی حنیفہ ص ۳۴۲)

کیا زید بن ثابت اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتا کہ ابن الابن کو بمنزلہ ابن قرار دیتا ہے اور اب الاب کو بمنزلہ اب قرار نہیں دیتا۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں :

فليجتهد برايه فان لم يكن فليقر و لاتستيحى ۔ (مستدرک ج ۴ ص ۹۴)

پھراپنی رائے سے اجتہاد کرے اور اگر رائے کا مالک نہ ہوتو صاف اقرار کرے اس میں حیانہ کرے۔

حضرت زید بن ثابتؓ ارشادفرماتے ہیں :

فادع اهل الرائے ثم اجتهد و اختر لنفسک و لا حرج ۔

(سنن کبری ج ۱۰ ص ۱۱۵)

تم اہل الرائے کو بلا کر اجتہاد کرواوراپنے لئے مناسب حکم اختیار کرواوراس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز قاضی کے لئے جو پانچ شرطیں لگاتے ہیں،ان میں ایک یہ بھی ہے کہ : مستشير الذى الرى۔رائے والے سے مشورہ لینے والا ہو۔

حضرت حباب بن منذر کی بدر کے موقع پر رائے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پسند فرما کر قبول کر لی تھی۔ (مقام ابی حنیفہ ص ۵، مستدرک ج ۳ ص ۴۴۷)

حضرت مغیرہ بن شعبہ بڑے صاحب الرائے تھے۔ چنانچہ لوگ ان کو مغیرۃ الرای کہتے تھے۔

ماننے والوں کے لئے تو ایک صحابی کا اجتہاد واستنباط بھی کافی ہے، جب کہ وہ قرآن وحدیث سے متصادم نہ ہو اور نہ ان پر کسی صحابی سے نکیر آئی ہو، مگر خدا ''نہ ماننے والوں'' کا بھی بھلا کرے جو نہ ماننے کی بھی آخری حد پر اُتر آئے اور یہاں تک اُتر آئے کہ قرآن وسنت، خلفائے راشدین اور اکابر صحابہؓ سے ثابت شدہ اجماعی مسئلہ کا بھی انکار اور پھر انکار ہی پر اصرار کر بیٹھے، مگر یہ فطری اور ازلی تقسیم باعث تعجب کیوں ہو؟ اگر ''نہ ماننے والے'' نہ ہوتے تو ''ماننے والوں'' کو خود ماننے، ثابت کرنے، بتانے، سمجھانے اور پھر منوانے کا ثواب کیونکر ملتا ...... ع اس بھاؤ یہ سودا مجھے سستا نظر آیا

حدیث اور رائے وقیاس کا تلازم

رائے اور حدیث لازم وملزوم ہیں :

جب حدیث اور رائے لازم وملزوم ہیں، جب حدیث، رائے اور فہم کے بغیر سمجھی ہی نہیں جاسکتی۔ جب یہ دعویٰ بے جا نہیں (جیسا کہ کسی حد تک ثابت بھی کیا جاچکا ہے) کہ صحیح رائے، حدیث کے لئے ''موقوف علیہ'' کا درجہ رکھتی ہے تو پھر اس بات سے بھویں کیوں چڑھتی اور ماتھے پر بَل کیوں آجاتے ہیں، جب کہا جاتا ہے کہ حدیث دانی اور حدیث فہمی کے لئے ''اہل الرائے'' ہونا بھی ضروری ہے۔

علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کا یہ اقتباس اور تراشہ کس قدر صحیح اور برموقعہ ہے جو انہوں نے رائے وحدیث کے تلازم کے سلسلہ میں کتاب ''ادب القاضی'' کے حوالہ سے مقدمہ فتح الملہم میں درج کیا ہے :

لا يستقيم الحديث الا بالرای ای باستعمال الرای فيه بان يدرک معانيه الشريعه التی هی مناط الاحكام و لا يستقيم العمل بالرای و لا ياخذ به الا بانضمامِ الحديث اليه۔ (مقدمہ فتح الملہم ص ۲۷)

حدیث رائے کے استعمال ہی سے درست ہوسکتی ہے بایں طور کہ حدیث کے شرعی معانی جو احکام کے لئے مناط ہیں، رائے ہی سے ادراک کئے جاسکتے ہیں اور رائے بھی بدونِ حدیث کے درست نہیں ہوسکتی۔ یعنی محض رائے پر عمل کرنا درست نہیں ہوسکتا تاوقتیکہ اس رائے کے ساتھ حدیث نہ مل جائے۔

جب ''اہل الرائے'' (امام اعظم ابوحنیفہؒ اور آپ کے اصحاب) ڈنکے کی چوٹ اور بابانگِ دہل یہ کہتے آئے ہیں کہ ''محض نری رائے'' جس کی بنیاد حدیث پر نہ ہو کوئی

حقیقت اور وقعت نہیں رکھتی۔ حدیث سے استغناء برت کر محض رائے پر بھروسہ کرنا بھی انسان کو ورطۂ ضلالت میں ڈال دیتا ہے اور جب اہل الرائے کی پوری اور مکمل زندگی ان کی فقہ اور مسائل کا ہر پہلو اور ان کے رائے و قیاس کا ہر زاویہ اس بات کا بیّن ثبوت ہے کہ وہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ادنیٰ اشارۂ ابرو پر ہزاروں رائیں اور لاکھوں عقلیں آنِ واحد میں قربان کر دیتے ہیں۔

اہل الرائے کا رہنما اُصول :

اور جب ان کا لائحۂ عمل اور رہنما اُصول بھی، علم نبوت کے امین، خلیفۂ راشد حضرت علیؓ کا یہ ارشاد ہو کہ :

لو كان الدين بالرای لكان اسفل الحف بالمسح من اعلاء و قد رایت رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم یمسح علی ظاهر خفیه۔ (ابوداؤد)

اگر دین نری رائے ہی سے ہوتا تو موزے کا نچلا حصہ اوپر کے حصہ سے زیادہ مستحق ہے، حالانکہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو موزے کے اوپر ہی مسح کرتے دیکھا ہے۔

جب اہل الرائے کا کوئی دانشور اپنی دانش کو، کوئی عقلمند اپنی عقل کو اور کوئی دانا اپنے فہم کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث اور آپؐ کے اسوۂ حسنہ کے مقابلہ میں کچھ حیثیت اور کم سے کم وقعت بھی دینے کو تیار نہیں۔ اس کے باوجود بھی اگر کوسنے والے امامِ اعظم ابوحنیفہؒ اور آپ کے اصحاب کو کوستے آئے ہیں تو صاحبانِ عقل و بصیرت کے ہاں اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسے ناقصین سے اصحابِ کمال کی مذمت، ان کے کمال کی شہادت ہوتی ہے ......

وَاِذَا اَتَتْکَ مَذَمَّتِیْ مِنْ نَاقِصٍ فَهِیَ الشَّهَادَةُ لِیْ بِاَنِّیْ کَامِلٌ

ترجمہ : تجھے میری برائی کا ناقص کی طرف سے پہنچنا ہی شہادت ہے کہ میں کامل ہوں۔

حدیث معاذ بن جبل کی مزید تحقیق :

ضد اور ہٹ دھرمی کی دوا دنیا کے کسی دواخانے سے بھی میسر نہیں ، اگر عقل وفہم کے دعوایداروں اور حدیثِ رسول ﷺ کے تابعداروں کو بھی ، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر صحابی حضرت معاذ بن جبل ہی کی مشہور حدیث (جو اجتہاداتِ رسول کے عنوان سے پہلے بھی ذکر کی جا چکی ہے) سے نہ صرف رائے وقیاس کی عمدگی ، محمودیت اور فضیلت بلکہ اس کا ثبوت بھی سمجھ میں نہ آئے ، جن کا مبلغِ علم اور ذہن کی رسائی " اجتھد برانی " کے لغوی معنی تک کا ادراک بھی نہ کر سکے ، تو ایسوں کا ہمارے پاس علاج نہیں ، مگر جن لوگوں کو فیاضِ ازل نے عقل فہم اور ذوقِ سلیم سے نوازا ہے ، وہ تو حدیث مذکور کے بارے میں از روئے تحقیق یہاں تک دعویٰ کر بیٹھے ہیں کہ

حدیث معاذ صحیح مشهور رواه الائمة العدول و هو اصل فی الاجتهاد و القیاس علی الاُصول ۔ (قال الشیخ ابن عبد البر فی جامع بیان العلم)

حضرت معاذؓ کی یہ حدیث صحیح اور مشہور ہے ، اس کو عادل ائمہ نے روایت کیا ہے اور یہ حدیث اجتہاد اور قیاس علی الاصول کا ایک اصل اور مدار ہے ۔

علمی تحقیق کا ذوق رکھنے والے اگر بغض وعداوت اور تعصب سے خالی ہوں تو یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ وہ رائے وقیاس اور اس کے اساس (قطعی نصوص وحدیث معاذ بن جبل وغیرہ) کی تحقیق کے سلسلہ میں بھی لاابالی ہوں ۔ مشہور غیر مقلد محقق محمد بن علی المعروف بہ قاضی شوکانی حدیث معاذ بن جبل کے بارہ میں فرماتے ہیں :

وهو حديثٌ صالحٌ للاجتهاد به كما او ضحنا ذالک فی بحث مفرد الخ ۔ (فتح القدیر ج ۲)

یہ حدیث استدلال واجتہاد کے لئے صلاحیت رکھتی ہے جیسا کہ ہم نے اس کی

وضاحت ایک مفرد بحث میں کی ہے۔

جب آنکھ کھلی دیکھا اپنا ہی گریبان ہے :

سمجھ میں نہیں آتا کہ حدیث پر عمل کے دعویداروں کا دعویٰ کیونکر واقعہ کے مطابق ہوسکتا ہے، جب کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم معاذ بن جبل کے معقول اور تسلی بخش جواب ''اجتهد برائی'' سے بے حد خوش اور مسرور ہوئے۔ نیز آپؐ نے حضرت معاذ کے سینہ پر ہاتھ مبارک سے تھپکی دے کر نہ صرف ان کی داد و تحسین فرمائی بلکہ اپنی اور خدا تعالیٰ کی رضا کی مہر بھی ثبت فرمادی۔ حدیث ہی پر عمل اور حضور علیہ ہی کی پیروی کا دعویٰ اگر صحیح ہوتا تو اہل الرائے (جن کے سرخیل معاذ بن جبل اور توثیق و تصدیق کرنے والے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم ہوں) کی تذلیل و توہین اور تجہیل و تحمیق نہ کی جاتی۔

اے کاش ! امام اعظم ابوحنیفہؒ اور ان کے اصحاب کے گریبان میں ہاتھ ڈالنے والوں کی آنکھ آخرت میں کھلنے سے پہلے ہی یہ دیکھ لیتی کہ یہ ہاتھ ان کے اپنے ہی گریبان میں ہے ...... ع جب آنکھ کھلی دیکھا، اپنا ہی گریباں ہے

اہل الرائے کا مقام' نبوت کی نگاہ میں :

نصف النہار پر آئے ہوئے سورج کی لمعانیت روشنی اور تابانیت سے اگر کسی طبقہ کی آنکھیں چندھیا جاتی ہوں، تو اس کا علاج، مزاج طبیعت اور سرشت کی تبدیلی کے بغیر ناممکن ہے، تاہم علامہ ابن کثیرؒ نے مقدور بھر علاج، اظہارِ حق اور اتمام حجت کو ضروری سمجھتے ہوئے اپنی مشہور عالم تفسیر ابن کثیر میں حضرت علیؓ کی ایک روایت یوں نقل فرمائی ہے :

سئل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن العزم فقال مشاورة اهل الرائے ثم اتباعهم ۔ (ابن کثیر ج ا ص ۲۰)

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عزم کے بارہ میں سوال کیا گیا کہ وہ کیا ہے، تو آپ نے ارشاد فرمایا ''اہل لرائے'' سے مشورہ کر کے پھر ان کی پیروی کرنا۔

نبوت کی نگاہوں میں رائے و''اہل الرائے'' کے اس قدر عظیم منصب و مقام کو فضیلت کا نصف النہار نہ کہا جائے تو اور کیا کہا جائے ....

ع ہم شاد ہیں کہ ہیں تو کسی کی نگاہ میں

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قدر واضح ارشاد کے ہوتے ہوئے بھی حدیث ہی پر عمل کے دعویدار تسلیم کرانے پر کیوں اصرار کرتے ہیں کہ'' مطلقاً رائے مذموم ہے''۔ اور اہل الرائے ہی حدیث کا انکار کرتے ہیں ....

ع یہ گھر جو بہہ رہا ہے کہیں تیرا گھر نہ ہو

حضرت فاروقِ اعظمؓ اور رائے و کثرت استشارہ :

ہر دور میں کچھ ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جو بزعم خود اپنے آپ کو دنیا کا مقتدا بھی سمجھتے ہیں اور قرآن و حدیث کا معیار بھی۔ دنیا کو بھی یہی باور کرنے کے لئے اتباعِ قرآن، اتباعِ حدیث اور اتباعِ رسولؐ کے عنوانات باندھ باندھ کر'' فکر آخرت'' اور'' خدمت اسلام'' کے روپ میں، فکر بطن اور حبِ جاہ کی تکمیل کی خاطر کسی بھی ایسے کام کے کر گزرنے سے دریغ نہیں کرتے جس سے دین کی جڑوں اور اسلام کی بنیادوں پر تیشہ بھی چلتا ہو۔

حضرت فاروقِ اعظم عمر فاروقؓ جنہوں نے نبوت سے نہ صرف یہ کہ خود قرآن و حدیث کا علم حاصل کیا تھا، بلکہ ان کے سامنے براہِ راست پیغمبر خدا صا[illegible] علیہ وسلم سے حدیث سننے والے صحابہؓ بھی کثرت سے موجود تھے، مگر اس کے با[illegible]ں وہ قرآن و حدیث کا صحیح مفہوم سمجھنے کے لئے رائے اور کثرتِ استشارہ کو ضروری سمجھتے تھے :

و انہ مقدم عندھم فی العلم والرای و کثرتِ ا[illegible]رہ ۔

(کتاب اختلاف الحدیث [illegible] الام ج ۷ ص ۱۷)

حضرت عمرؓ حضراتِ صحابہؓ میں علم، رائے اور زیادہ مشورہ لینے میں پیش پیش تھے۔

حدیث ورائے کے اس قدر واضح تلازم کے تسلیم کرنے میں بھی اگر پس و پیش ہوگا تو اربابِ بصیرت بھی یقیناً یہی فیصلہ دیں گے کہ ایسا آدمی صرف امام اعظم ابوحنیفہؒ ہی کا بداندیش نہیں بلکہ پوری محمدی تعلیمات، فاروقی تعلیمات اور اسلام کے مکمل ضابطۂ حیات کا بداندیش ہے اور اسلام کی بنیادوں پر تیشہ چلانے کے مترادف ہے ......

ع از کوزہ ہماں تراود کہ دروست

حضرت فاروقِ اعظمؓ نہ صرف یہ کہ رائے و استشارہ میں خود پیش پیش تھے بلکہ دوسروں کو بھی مقدم کرنے اور اس میں مزید رغبت دینے کا بھی حددرجہ اہتمام فرماتے تھے۔ اپنے دورِ خلافت کے مشہور تابعی قاضی شریح کو اپنے ایک مکتوب میں یہاں تک تحریر فرمایا :

فاختر الامرین ان شئت ان تجتهد برائک ثم تقدم فتقدم۔

(دارمی و کنز العمال ج ۳ ص ۱۷۴)

ان دو امور میں جونسا تم چاہو پسند کرلو یا تو اپنی رائے سے اجتہاد کرو اور اس میں جتنا آگے بڑھ سکتے ہو بڑھو۔

نبوتؐ کی عدالت میں :

بات یہ چل رہی ہے کہ فقہ ورائے کی طرف امام صاحب کا انتساب، امام اعظم ابوحنیفہؒ کے لئے باعث تذلیل و تحقیر نہیں بلکہ یہ فیاضِ ازل ہی کی بخشش و عنائت اور فضل و عطا اور خیر کثیر ہے جس سے آپ کو نوازا گیا ہے اور یہ ایک ازلی، انتخابی اور اجتبائی شان ہے جو امام اعظم ابوحنیفہؒ کو حاصل ہے

قسمت کیا ہر ایک کو قسامِ ازل نے
جو شخص کہ جس چیز کے قابل نظر آیا

جہاں تک امام صاحبؒ کے معاندین، مخالفین اور حاسدین کی بات ہے، ان کے ہاں اگر امام صاحب کی یہی اجتبائی شانِ فضیلت، خدائی انتخاب اور ازلی عنایت و بخشش موجبِ تنقیص و تذلیل ہو تو اس سے ایک روشن حقیقت کی تکذیب لازم نہیں آسکتی یرقان کے مریض کو اگر کائنات کا ہر ذرہ زرد نظر آتا ہے تو اس سے یہ لازم نہیں آجاتا کہ فی الواقع بھی ساری کائنات زرد ہے۔ ہم یہ مسئلہ کسی ایرے غیرے سے نہیں۔ امام اعظم ابو حنیفہؒ سے بھی نہیں۔ آپ کے مقلدین و متوسلین سے بھی نہیں۔ فقہاء و محدثین سے بھی نہیں۔ معاصرین سے بھی نہیں۔ آپ کے تلامذہ سے بھی نہیں، کسی صحابیؓ سے بھی نہیں بلکہ براہِ راست پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی عدالت میں لے جاتے اور آپ ہی سے دریافت کر لیتے ہیں۔

و اذ تنازعتم فی شیءٍ فردوہ الی اللہ و رسولہ ، الخ ، الایۃ۔

چنانچہ روئے زمین پر اصح الکتب بعد کتاب اللہ ھو الصحیح البخاری کے باب ''من یرد اللہ بہ خیرا یفقہ فی الدین ''۔ میں بروایت امیر معاویہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں فیصلہ صادر فرمایا ہے۔

قال حمید بن عبد الرحمن سمعت معاویۃؓ خطیبًا یقول سمعت النبی صلی اللہ عنیہ و سلم یقول من یرد اللہ بہ خیرا یفقہ فی الدین و انما انا قاسمٌ واللہ یعطی و لن تزال ھذہ الامۃ قائمۃ علی امر اللہ لا یضرھم من خالفھم حتی یأتی امر اللہ۔

(بحذف اسناد) حمید بن عبد الرحمن نے کہا کہ میں نے حضرت امیر معاویہؓ سے خطبہ دیتے ہوئے سنا، کہتے تھے کہ میں نے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپؐ نے فرمایا جس شخص کے ساتھ اللہ تعالیٰ بڑی نیکی کا ارادہ کرتا ہے، اسے دین میں فقیہ بنا دیتا ہے اور میں تو صرف بانٹنے والا ہوں اور اللہ عطا کرتا ہے اور جب تک یہ اُمت اللہ کے احکام پر

رہے گی ، اس کو نقصان نہ دے گا ، جو شخص اس کی مخالفت کرے گا ، یہاں تک کہ اللہ کا امر (قیامت یا ان کی موت) آئے گا۔

دل، دماغ اور آنکھیں رکھنے والے دیکھ رہے ہیں کہ عدالتِ نبوی اور دربارِ رسالت سے نہ صرف یہ کہ امام اعظم ابوحنیفہؒ ہی کے حق میں فیصلہ صادر ہوا، بلکہ **یفقه فی الدین** کے تاج اور اعزاز سے بھی آپ ہی کو نوازا گیا ہے ....

شفیق ان کی نگاہ ہو میری جانب
زمانہ پھر جدھر چاہے ادھر ہو

اگر مخالفین و حاسدین کو اس قدر واضح حقیقت بھی نظر نہ آئے تو یہ ان کی اپنی کمال بدنصیبی ہے، اس سے امام اعظم ابوحنیفہؒ کی شان میں کوئی نقصان نہیں آ جاتا ....

نہیں ہے معتقد ان کا اگر ...سد تو کیا غم ہے
ہوا ہے سجدہ گر ابلیس ، کیا نقصان آدم کا

فاروقِ اعظمؓ کی عدالت میں :

معاف رکھنا، صمیم قلب اور دل کی اتھاہ گہرائیوں سے حد درجہ پُر خلوص گذارش ہے کہ مان لو، اب بھی نبوت کا فیصلہ مان لو۔ نبوت کے فیصلہ کے بعد اگر عمر فاروقؓ کی عدالت میں انصاف طلب کرو گے تو پھر فیصلہ بھی وہی ہوگا جو نبوت کے فیصلہ کے بعد عمر فاروقؓ نے کیا تھا۔

علامہ عینی کی وضاحت :

فقہ، اس کے مناقب و فضیلت اور دربارِ رسالت کی وساطت سے امام اعظم ابوحنیفہؒ کی فقہ .... سے ''ارادۂ خیر'' کے تمغۂ اعزاز کا عطیہ،

یہ تو ایک علیحدہ عنوان ہے جس پر آئندہ مناسب موقعہ پر بحث کی جائے گی۔ ان شاء اللہ۔
اس وقت تو بات ''حدیث ورائے کے تلازم'' کی چل رہی ہے کہ حدیث بغیر رائے کے اور رائے بغیر حدیث کے یعنی جب دونوں کی حیثیت کو علیحدہ علیحدہ تسلیم کر لیا جائے تو پھر دین کی وہ حیثیت باقی نہیں رہتی، جس کی تعلیم شارع علیہ السلام دیتے رہے۔

ابھی چند سطور قبل ''نبوت کی عدالت'' کے عنوان کے تحت بخاری شریف کی حدیث درج کرنے کے بعد بھی مقصود درحقیقت رائے وقیاس کا حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تلازم پر استدلال کرنا ہے، جیسے کہ علامہ عینی حدیث مذکورہ کی شرح میں رقمطراز ہیں :

قال التور بشتی اعلم ان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم اعلم اصحابہ انہ لم یفضل فی قسمۃ ما اوحی اللّٰہ الیہ احد من امتہ بل سویٰ فی البلاغ و عدل فی القسمۃ و انما التفاوت فی الفھم و ھو وافع من طریق العطاء و لقد کان بعض الصحابہ رضی اللّٰہ عنھم یسمع الحدیث فلا یفھم منہ الا الظاھر الجلی و یسمعہ اٰخر منھم او من بعدھم فیستنبط منہ مسائل کثیرۃ و ذلک فضل اللّٰہ یوتیہ من یشاء ۔ (عمدۃ القاری)

علامہ تو ربشتی (فضل اللہ شافعی متوفی ۴۴۰ھ) نے فرمایا: جان لے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صحابہ کو آگاہ کر دیا کہ آپ نے وحی الٰہی کی تقسیم میں اپنی اُمت میں سے کسی کو ترجیح نہیں دی بلکہ اس کی تبلیغ میں سب کو برابر رکھا اور تقسیم میں عدل کیا، تفاوت تو صرف سمجھ میں ہے اور وہ عطیہ الٰہی ہے۔ بیشک بعض صحابہؓ حدیث کو سنتے تھے۔ پس اس سے سوائے ظاہر جلی معنیٰ کے اور نہ سمجھتے تھے، حالانکہ ان میں سے دوسرے یا وہ جو ان کے بعد ہوئے (جیسے امام ابوحنیفہؒ اور آپ کے اصحاب) اسی حدیث کو سنتے تھے، پس بہت سے

مسائل کا استنباط کرتے تھے اور یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے، جسے چاہتا ہے دے دیتا ہے۔

انسانی فطرت اور سرشت میں عقل وخرد کی ودیعت اور سوجھ بوجھ کا یہ ازلی تفاوت اور وہ بھی یہاں تک کہ بعض صحابہؓ بھی حدیث کے ظاہر جلی کے سوا کچھ نہ سمجھ سکتے ہوں کہ بعض دیگر صحابہ اور بعض دوسرے ان کے بعد آنے والے اپنے پہلوں سے سنی ہوئی حدیث کے ظاہری جلی کے سمجھنے کے ساتھ ساتھ اس سے بہت سے مسائل کا استنباط بھی کر سکتے ہوں۔ یہ اس بات کا واضح اور بیّن ثبوت ہے کہ حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے کمال مناسبت اور حدیث دانی و حدیث فہمی کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے عنائت فرمودہ عقلِ سلیم اور صحیح رائے و قیاس کی استعداد بھی اشد ضروری ہے، جس سے فیاضِ ازل نے امامِ اعظم ابوحنیفہؒ کو بدرجہ اتم نوازا تھا۔ ذالک فضل اللہ یوتیه من یشاء۔

علامہ عبدالوہاب شعرانی پکار اُٹھے :

امام اعظم ابوحنیفہؒ اس نعمت سے کس قدر نوازے گئے تھے۔ نیز ان کی فقہ و رائے ان کا قیاس واجتہاد کس قدر قرآن وحدیث ہی سے مستنبط اور اس کے موافق تھا۔

بغض وحسد اور کینہ وعداوت کے چشموں سے آپ کی سیرت اور عظیم فقہ کا مطالعہ کرنے والے تا قیامِ قیامت بھی اس حقیقت کو نہیں پا سکتے۔ جس حقیقت کو دیانت عدل و انصاف اور قرآن وحدیث کے معیاری طریق پرکھ سے امام عبدالوہاب شعرانی (جنہوں نے مذاہب اربعہ اور ان کے دلائل کا بغور مطالعہ کیا ہے) نے پایا ہے۔ فرماتے ہیں :

قد اتبعت بحمد اللّٰه اقواله و اقوال اصحابه ، لمّا الفت کتاب ادلة المذاهب فلم اجد قولًا من اقواله و اقوال اتباعه الّا و هو مستند الی اية او حديثٍ او اثرٍ او الی مفهوم ذلک او حديثٍ ضعيفٍ کثرت طرقه او الی قياسٍ صحيحٍ فمن اراد الوقوف علٰی ذالک فليطالع کتابی المذکور۔ (کتاب المیزان ج ا ص ۵۵)

میں نے بحمد اللہ امام ابوحنیفہؒ اور ان کے اصحاب کے اقوال کی تحقیقات کیں جب میں نے کتاب ''ادلۂ مذاہب'' کی تالیف کی۔ پس میں نے آپ کے اقوال میں سے یا آپ کے اصحاب کے اقوال میں سے کوئی قول بھی ویسا نہ پایا جو کسی آیت یا حدیث ضعیف کی طرف جس کے طرق بکثرت ہوں یا اصل صحیح پر جو قیاس صحیح کی طرف مستند نہ ہو جو شخص اس حقیقت سے آگاہ ہونا چاہے وہ ہماری کتاب مذکور کا مطالعہ کرے۔

نقطۂ سے دائرہ :

امامنا الاعظم، ہمامنا الافخم، رئیس المجتہدین امام اعظم ابوحنیفہؒ کی طرف ''فقہ ورائے کے انتساب، کے ایک ہی نقطے کو دائرہ بنا کر دکھانے والے اس حقیقت سے غافل ہی رہے کہ جس قدر دائرہ وسیع ہوتا چلا جائے گا۔ اسی قدر حقیقت وصداقت بھی واضح ہوتی چلی جائے گی۔ بناوٹ کے اُصولوں سے صداقت کو نہیں چھپایا جا سکتا۔ سونا، سونا ہے چاہے اس پر مٹی کی تہ در تہ کیوں نہ جمع کر دی جائے۔

معاندین وحاسدین نے بھی امام اعظم ابوحنیفہؒ اور آپ کے اصحاب اور فقہ حنفیہ پر ایسے مظالم، بے جا اتہامات، غلط الزامات اور جھوٹے انتسابات کی جب بھر مار کر دی اور چاہا کہ بصیرت وبصارت اور تدبر وفقاہت کا یہ عظیم چراغ بجھا دیا جائے اور اس سونے کو مٹی کی اس تہ میں لے جایا جائے جہاں وہ کسی کو نظر بھی نہ آئے۔

کہ عندلیب تو از ہر طرف ہزار انند :

تو اللہ تعالیٰ نے امام عبدالوہاب شعرانی کو اس کی تحقیق وتدقیق کی توفیق ارزانی فرمائی، انہوں نے نہ صرف فقہ حنفیہ بلکہ مذاہب اربعہ کے ادلّہ کا بغور مطالعہ کیا اور ان کو قرآن وحدیث کے معیار اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کسوٹی پر خوب پرکھا، تو علامہ شعرانی، امام اعظم ابوحنیفہؒ، آپ کے اصحاب، فقہ حنفیہ اور ان کی عظمتوں سے متاثر ہوئے

بغیر نہ رہ سکے ، مگر جب تصویر کے دوسرے رُخ (امام اعظم ابوحنیفہؒ پر مخالفین کے غلط الزامات واتہامات کی یورش) کو دیکھا تو ان کی رگِ حمیت پھڑک اُٹھی ۔ بدن میں غیرت کا خون دوڑا اور اس قدر چونکے کہ ہر ذی فہم و عقل کی عدالت میں ڈنکے کی چوٹ اپنی اس شہادت کا اعلان کر دیا کہ امام اعظم ابوحنیفہؒ اور آپ کے اصحاب کی فقہ و رائے ، قیاس و استنباط اور جملہ اجتہاد و مسائل کا شریعت محمدی سے سرِ موانحراف نہیں بلکہ فقہ حنفیہ کے ہر کلیے اور ہر جزیئے سے سنّتِ رسولؐ کی خوشبو ٹپکتی ہے ....

نہ من برآں گلِ عارض غزل سرایم و بس
کہ عندلیب تو از ہر طرف ہزا نند

انگور کھٹے ہیں :

امام اعظم ابوحنیفہؒ اور چالیس بڑے بڑے فقہاو مجتہدین ، ماہرینِ قانون اور محدثین (جن کو فیاضِ ازل نے وقت کے نئے پیچیدہ حالات اور زمانے کے بدلتے ہوئے مسائل میں اسلامی اُصولوں کی تطبیق کے لئے بڑی اعلیٰ ذہانت ، معاملہ فہمی ، باریک بینی ، زندگی اور سوسائٹی سے وسیع واقفیت ، انسانی نفسیات اور اس کی کمزوریوں سے باخبری ، قوم کے طبقات اور زندگی کے مختلف شعبوں کی اطلاع اور اسلام کی تاریخ و روایات اور روحِ شریعت سے گہری واقفیت ، عہدِ رسالت اور زمانۂ صحابہؓ کے حالات سے پوری آگاہی اور اسلام کے پورے ذخیرۂ قرآن وحدیث ، اجماع وقیاس پر کامل عبور کی دولت سے نوازا تھا) کی کم وبیش تیس سالہ محنت وشبانہ روز کوششوں کا عظیم ثمرہ ''فقہ حنفیہ'' اور اس کے دقیق سے دقیق اُصول وقواعد ، اجتہادی کلیات و جزئیات تک فقہ واجتہاد سے عدم مناسبت و عدم بصیرت کی وجہ سے جب بعضے کج فہم اور کوتاہ علم رسائی حاصل نہیں کر سکتے تو علمی خیانت اور پینترا بدلنے میں کسی قسم کا باک محسوس کئے بغیر ''انگور کھٹے'' ہیں کے عنوان سے اپنی بے علمی

اور جہالت پر پردہ ڈالنے کی ناکام سعی کرتے ہیں ....

ع چھپ کے بیٹھے بھی جو چہرے کو چھپائے نہ بنے

مگر ایسا ہو ہی نہیں سکتا کہ امام اعظم ابوحنیفہؒ اور فقہ حنفیہ کی شورائی مجلس کے چالیس بڑے فقہاء و محدثین اور ان کی عظمتوں کے پہاڑ سے ٹکرائیں اور خود بچ کے رہیں ......

یا ناطح الجبل العالی لتکلمه

اشفق علی الراس لا تشفق علی الجبل

ترجمہ : اے بلند پہاڑ سے ٹکرانے والے کہ تو اسے متزلزل کردے گا، اس کا اندیشہ نہ کر بلکہ سر کی فکر کر، کہ جو پہاڑ سے ٹکراتا ہے اپنا سر پھوڑتا ہے۔

علامہ عبدالوہاب شعرانی کا انتباہ :

کچھ ایسے ہی اور اس طبقہ سے تعلق رکھنے والے لوگوں کے عداوت بھرے کردار، حقیقت وصداقت سے اعراض اور بدیہی حقائق سے انکار کے پیشِ نظر جب علامہ عبد الوہاب شعرانی کو ان کی عاقبت بھی خطرہ میں نظر آئی تو ان ہی کو وبالِ آخرت سے بچانے اور سیدھی راہ پر لانے کے لئے حد درجہ مخلصانہ اور مشفقانہ انداز اور نہایت ہی کمالِ اہتمام سے یوں انتباہ فرمایا :

و ایاک ان تخوض مع الخائضين فی اعراضِ الائمة بغير علمٍ فتخسر فی الدنيا و الآخرة فان الامام رضی الله عنه کان متقيدًا باالکتاب والسنة متبرأً من الرای (المذموم) کما قدمنا لک فی عدة مواضع من هذه الکتب و من فتش مذهبه رضی الله عنه وجده من اکثر المذاهب احتياطً فی الدين و من قال غير ذالک فهو من جملة الجاهلين المتعصبين المنکرين علی ائمة الهدی بفهمه السقيم ۔ (کتاب المیزان ج ا ص ۶۳)

اور توبیخ اس سے کہ بغیر علم کے رخنہ اندازی کرنے والوں کے ساتھ ائمہ کرام کی عزتوں میں رخنہ اندازی کرے پس دنیا و آخرت میں نقصان اُٹھائے کیونکہ امام اعظم رضی اللہ عنہ قرآن و حدیث کے پابند اور رائے (مذموم) سے بیزار تھے، جیسا کہ ہم نے اس کتاب کے کئی مقامات پر پہلے بیان کیا ہے اور جو شخص امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے مذہب کی تفتیش کرے گا وہ اسے دین میں سب مذاہب سے زیادہ احتیاط والا پائے گا، جو شخص اس کے سوا کچھ اور کہے گا، وہ منجملہ جاہلوں، متعصبوں کے ہے اور اپنی ناقص سمجھ کے سبب ائمہ ہدیٰ کو بُرا کہنے والا ہے۔

امام عبدالوہاب شعرانی نے جن کو علومِ نبوت میں پوری بصیرت اور دستگاہ حاصل ہے اور جو تمام علوم پر مجتہدانہ نظر رکھتے تھے۔ ائمہ اربعہ، ان کے فقہ جات، فقہی مآخذ اور دلائل کو اپنے خداداد ذہن، جودتِ طبع، اپنی دقتِ نظر اور وسعتِ نظر سے پرکھا اور بغیر کسی تعصب کے جانچا اور کمالِ دیانت سے ہر ایک کا مکمل جائزہ لیا۔ بعدہٗ کمال اعتماد اور کامل یقین کے ساتھ یہ اعلان اور انتباہ کرنے میں کوئی باک محسوس نہیں کی۔

و من قال غیر ذلک فهو من جملة الجاهلین المتعصبین المنکرین علی ائمة الهدی بفهمه السقیم۔

جو شخص اس کے سوا کچھ اور (امام اعظم ابوحنیفہؒ اور فقہ حنفیہ کی تنقیص) کہے وہ منجملہ جاہلوں اور متعصبوں سے ہے اور اپنی ناقص سمجھ کے سبب ائمہ ہدیٰ کو برا کہنے والوں میں ہے۔

اس قدر واضح اور قوی شہادتوں کے باوجود بھی اگر بعض سرپھرے یہ کہتے پھریں کہ امام اعظم ابوحنیفہؒ چونکہ ''امام اہل الرائے'' تھے اور ''رائے و قیاس'' پر عمل کرتے تھے، اس لئے ان کی فقہ و اجتہادات کی بنیاد بھی قرآن و حدیث کے بجائے رائے و قیاس ہی پر ہے تو ایسوں

سے بڑھ کر ناعاقبت اندیش، حاسد اور متعصب اور کون ہوسکتا ہے ...... و کفی للحسود حسوده۔

وجحود من جحد الصباح اذا بدا　　من بعد ماانتشرت له الاضواء
مادلّ ان الشمس لیس بطایع　　بل انّ عینًا انکرت عمیاء

علامہ شعرانی کا ایک دوسرا ارشاد :

علامہ عبدالوہاب شعرانی نے تحقیق و تدقیق اور اظہارِ حق و صداقت کی صحیح نمائندگی کی اور حد درجہ جرأت حق گوئی اور بے باکی کے ساتھ اپنا نقطۂ نظر اور طریقِ فکر (جو قرآن و سنّت کے سانچہ میں ڈھل کر تعمیر ہوا تھا) دنیا کے سامنے پیش کر کے اپنی علمی و اخلاقی برتری کا ثبوت دیا۔

ذیل میں انہی کا ایک اور ارشادِ گرامی بھی درج کر دیا جاتا ہے، جس سے علامہ موصوف عظیم للہیت، خلوص، پاکیزہ نفسی، علمی انہماک اور علم و تفقہ میں مکمل دسترس اور مہارتِ تامہ کی حیثیت سے سامنے آتے ہیں، بلکہ یہ بھی مترشح ہو جاتا ہے کہ بے غرض خدمتِ دین، اخلاقی برتری، اعتدال و توازن، دین کا احترام اور گروہی تعصب سے بالاتر ہو کر اصلاحِ حال کا جذبہ، ان کی طبیعت ثانیہ بن چکا تھا۔ فرماتے ہیں :

فاترک یا اخی التعصب علی الامام ابی حنیفه و اصحابه رضی اللّٰه عنهم و ایاک و تقلید الجاهلین باحواله و ما کان علیه من الورع و الزهد والاحتیاط فی الدین ، فتقول ان ادلته ضعیفة باالتقلید فتُخسر مع الخاسرین و تبتع ادلته کما تبعنا ها تعرف ان مذهبه رضی اللّٰه عنه من اصح المذاهب کیفیة مذاهب المجتهدین رضی اللّٰه عنهم اجمعین ۔ (کتاب المیزان ج ۱ ص ۶۰)

اے میرے بھائی تو امام ابوحنیفہؒ اور آپ کے اصحاب رضی اللہ عنہم کے خلاف

تعصب کو چھوڑ دے اور جو لوگ امام صاحب کے حالات اور آپ کی پرہیز گاری وزہد وورع اور دین میں احتیاط سے جاہل ہیں ان کی تقلید میں یوں نہ کہہ دینا کہ آپ کے دلائل ضعیف ہیں (اگر یوں کہے گا) تو تیرا حشر بھی خاسرین کے ساتھ ہوگا۔ آپ کے دلائل کا مطالعہ کر جیسا کہ ہم نے کیا، تجھے معلوم ہو جائے گا کہ امام ابوحنیفہؒ کا مذہب اصح مذاہب میں سے ہے جیسا کہ مجتہدین کے باقی مذاہب ہیں۔

علامہ شعرانی کو باری تعالیٰ نے خالص اسلامی، معتدل اور حق پرست ذہن اور دماغ بخشا تھا، جس پر ضد اور تعصب کی پرچھائیں، گروہی جتھہ بندی، ہٹ دھرمی اور اسی نوعیت کے دیگر ذمیمہ اخلاق وافکار کا سایہ بھی نہیں پڑا تھا، کس قدر صاف کہہ رہے ہیں کہ :

ان مذهبه من اصح المذاهب۔ امام ابوحنیفہؒ کا مذہب اصح المذاہب سے ہے۔

اور کھلے بندوں، حق کے متلاشی کو امام صاحبؒ کے مذہب کے مآخذ اور دلائل و اجتہادات واستنباطات کے بغور مطالعہ کی نہ صرف دعوتِ فکر دی بلکہ ایسے لوگ جو اسلام کے چوتھے دستوری ماخذ ''رائے وقیاس'' اور اسلام کے اجماعی فیصلہ ''رائے وقیاس کی حجیت'' کو تسلیم نہیں کر رہے تھے۔ ان کے قلب ودماغ میں حقیقی ایمان ''اُدْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَافَّةً'' (اور اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ) کی شان اور احکام اسلامی کے سامنے انقیاد و تسلیم کی خوبی پیدا کرنے کی ممکن حد تک سعی فرماتے رہے۔

امام اعظم ابوحنیفہؒ علوم نبوی کے امین تھے :

رائے وقیاس کا نام لے کر اور امام ابوحنیفہؒ کو ''امام اہل الرائے'' کہہ کر فقہ حنفیہ کو مبنی بر رائے وقیاس ٹھہرا کر (جو براہِ راست اسلامی دستور ہی کے ناقص ونامکمل ہونے کا اعتراف ہے) تحقیق وتدقیق اور طلبِ حق کے میدان میں دلائل وبراہین کی روشنی میں اپنا

سامنے لے کر رہ جاتے ہیں، جب یہ کہتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ اور آپ کے اصحابؒ، علمِ حدیث سے کورے تھے اور علومِ نبوی سے انہیں کوئی مناسبت نہیں تھی۔

علامہ خلف بن ایوبؒ نے جب دیکھا کہ بعض ناعاقبت اندیش افراد، اسلامی دستور کے قلب وجگر اور اس کے اعصاب ''رائے وقیاس'' پر حملے کر رہے ہیں اور کرتے رہیں گے۔ تحریفات، تاویلات، نفس پرستی تعیشات، الحاد، لادینیت اور عقلیت پرستی کا اسلام پر حملہ ہوگا۔ اسلام کی اساسی، دستوری اور قانونی روح کو شکست دی جائے گی تو شدت سے اس ضرورت کو محسوس کیا کہ حقیقتِ اسلام اور دینِ خالص کو اُجاگر کیا جائے۔ قرآن وحدیث اور ان سے مستنبط قوانین (فقہ حنفیہ) کی پرزور حمایت کی جائے۔ اسی لگن، تڑپ اور احساس نے ان کو بغیر کسی (لومۃ لائم کے خوف کے اس حقیقت کے اظہار و اعلان) پر مجبور کردیا، جس کو امام جلال الدین سیوطیؒ نے **تبییض الصحیفہ** اور مولانا حبیب الرحمٰن خان شیروانی نے خطیب بغدادی کے حوالہ سے اپنی کتاب ''امام ابوحنیفہ اور ان کے ناقدین'' میں نقل فرمایا ہے:

قال خلف ابن ایوب صار العلم من اللّٰہ تعالٰی الی محمد صلی اللّٰہ علیہ وسلم ثم صار الی اصحابہ ثم صار الی التابعین ثم صار الی ابی حنیفہ و اصحابہ۔ (تبیض الصحیفہ ص ۱۹ و ابوحنیفہ اور ان کے ناقدین ص ۴۴)

خلف بن ایوب کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ سے علم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچا، پھر آپ نے صحابہ کو پہنچایا اور صحابہ نے تابعین کو، تابعین کے بعد ابوحنیفہؒ اور ان کے اصحابؒ کو ملا (اس پر کوئی خوش ہو یا ناراض)

علومِ نبوت کے صحیح وارث، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحیح نائبین اور اُمت کے مجددین اور مصلحین وہی لوگ ہوسکتے ہیں جو دماغی، علمی، اخلاقی اور روحانی اعتبار سے زمانہ کے ممتاز ترین افراد ہوں جو ہر قسم کی تحریفات اور تاویلات کا پردہ چاک کرسکتے ہوں

اور جاہلیت وضلالت کی ہر نئی ظلمت کے لئے ان کے پاس ''ید بیضا'' ہو۔

محمد بن خلفؒ کی شہادت کو بغور پڑھا جائے اور پھر امام ابوحنیفہؒ اور آپ کے اصحاب کی سیرت و کردار، علم و عمل، فقہ ورائے اور اجتہادات واستنباطات کا مطالعہ کیا جائے تو نتیجۃً یہ ماننا اور یقین کرنا پڑے گا کہ جن کو آج ''اہل الرائے'' کہہ کر بدنام کیا جارہا ہے، کل انہوں نے ہی اپنے کامل یقین، سچی روحانیت، عظیم فراست، کمالِ تدبر اور بڑی قربانیوں سے اسلام کی قانونی اور دستوری تعلیمات کو محفوظ رکھا۔ یہی وہ لوگ تھے جنہوں نے اُمت کی اجتماعی زندگی معاشرت، معاملات، سیاست اور دستورِ اسلامی کے اُصولی و آئینی کلیات کی حفاظت کی۔

محمد بن خلف نے بھی اس واقعاتی حقیقت کے اظہار میں قدرے بھی باک محسوس نہ کی اور ڈنکے کی چوٹ کہہ دیا کہ ''علم نبوت کے صحیح وارث اور امین امام اعظم ابوحنیفہؒ اور آپ کے اصحابؒ ہیں۔

پہلا شخص جس نے قانون کے پوائنٹ پر بحث کی:

بات طویل ہوتی جارہی ہے گو موضوع سے خارج نہیں ہے۔ گفتگو کا موضوع رائے وقیاس کی اہمیت اور حدیث سے اس کا تلازم ہے۔ منکرین ''رائے وقیاس'' کو ابوحنیفہؒ دشمنی میں ایسے بدیہی حقائق اور شہادتوں سے بھی آنکھیں بند کرنا پڑیں، جن کو ایک ادنیٰ مسلمان بھی آسانی سے سمجھ سکتا ہے، بلکہ ان کے سمجھنے میں اگر ''مسٹر چارلس ہملٹن'' نے بھی کچھ بے تعصبی سے کام لیا تو وہ یہاں تک سمجھا اور ایک غیر مسلم ہوتے ہوئے بھی اسے یہ اعتراف اور اعلان کرنا پڑا کہ:

وہ پہلا شخص یہی ابوحنیفہؒ ہے جس نے مدلل طریقہ سے قانون کے پوائنٹ پر بحث کی ہے اور تمام دنیوی معاملات کو اس تحقیق وتفحص سے قانون کی رسی میں جکڑ دیا ہے کہ

ایک تعجب معلوم ہوتا ہے۔(ہدایہ مطبوعہ لندن ۱۸۷۰ء بحوالہ تاریخ فقہ ص ۸۹)

زیادہ مستحکم اور پائیدار اُصول :

ڈاکٹر اتریکو انسابانے بھی گروہی تعصب اور ابوحنیفہؒ دشمنی سے بالاتر ہو کر جب اسلامی قوانین، اسلامی فقہ اور اسلام کے دستوری اُصول وکلیات کا بنظرِ غائر مطالعہ کیا تو اسے بھی یہ اعتراف کرنا پڑا کہ :

''اسلامی شریعت کو اپنے بہت سے مسائل میں مغربی قوانین پر فوقیت حاصل ہے بلکہ وہ دنیا کو سب سے زیادہ مستحکم اور پائیدار اُصول عطا کرتی ہے''۔(فقہ الاسلام ماخوذ مجلۃ الازہر بحوالہ امام ابوحنیفہ)

بات یہ چل نکلی ہے کہ اپنوں میں سے بھی جنہوں نے تعصب اور بغض کی نگاہ سے دیکھا یا فقہ واجتہاد میں امام صاحب کے مقام تک رسائی حاصل نہ کر سکے تو وہ حسد کرنے لگے اور اس میں یہاں تک اُترے کہ ابوحنیفہؒ دشمنی میں صرف فقہ حنفیہ ہی نہیں بلکہ مطلق فقہ سے بھی انکار کر بیٹھے ...... ع نہ رہے بانس اور نہ بجے بانسری

مگر جنہوں نے غیر جانبدارانہ تعصب سے بالاتر ہو کر تحقیق کی ایسوں میں بعض اپنوں کی تحقیقات کی ایک جھلک کسی حد تک گذشتہ صفحات میں دیکھی جاسکتی ہے اور حسبِ موقعہ مزید بھی قارئین کو محظوظ کیا جاتا رہے گا۔

آیئے ! چند لمحے دیارِ غیر میں چلیں۔ اپنے جسے ''امام اہل الرائے'' کہہ کر ٹھکرا رہے ہیں، غیر اسے ہی عظیم فقیہ اور صائب الرائے کہہ کر اُٹھا رہے ہیں۔ وان کریمر جو جرمن کے ایک بہت بڑے اور مشہور قانون دان ہیں امام اعظم ابوحنیفہؒ سے متعلق کہتے ہیں کہ :

''امام اعظم ابوحنیفہؒ ہر آنے والے زمانے کے عظیم ترین قانون سازوں

میں سے ایک ہیں''۔ (ہفت روزہ چٹان دسمبر ۱۹۶۳ء)

ایک ترک ادیب کو مخاطب کر کے پروفیسر دمیری نے کہا کہ :

''تمہاری فقہ اسلامی اس قدر وسیع ہے کہ مجھے تعجب ہوتا ہے، جب میں خیال کرتا ہوں کہ تم نے کیوں اپنے ملک اور زمانے کے موافق احکام اور قانونی نظام فقہ اسلامی سے اخذ نہیں کیا''۔ (فقہ الاسلام)

ہدایہ کے ترجمہ سے مصنف کی عظمت :

جرمن کے ایک مشہور پروفیسر نے ہدایہ کا ترجمہ دیکھ کر فرمایا کہ :

''جس کتاب کا ترجمہ اس قدر اعلیٰ ہے وہ اصل کتاب اور اس کے مصنف کتنے بلند پایہ کے ہوں گے''۔

اسلامی دستور کے مضبوط اُصول وکلیات اور امام اعظم ابوحنیفہؒ کی عظیم فقہ دانی اور فقہ حنفیہ کی ہمہ گیری کے سلسلہ میں مستشرقین اور جدید علماء کی خراجِ عقیدت کے جو چند افکار و آراء درج کر دیے گئے ہیں، اس سے مقصود صرف اتنا بتانا ہے کہ جنہیں تعصب کرنا چاہیے تھا بلکہ جن بے ایمانوں کی فطرت اور مزاج ہی میں تعصب ہے، امام اعظم ابوحنیفہؒ کی فقہ دانی اور فقہ حنفیہ کی جامعیت نے اپنے مقابلہ میں ان سے متعصبانہ طرزِ تحقیق بھی سلب کر لی ہے، مگر جن ایمانداروں نے تعصب کے ''شر'' پر ''خیر'' ہی کا ایمان لایا ہوا ہے ایسے ایمانداروں کی ایمانی بصیرت بھی اس تحقیق پر منتج ہوتی ہے کہ شریعت میں نہ صرف رائے و قیاس ہی مذموم ہیں، بلکہ فقہ اسلامی بھی ایک بدعت، اس پر عمل کرنے والے اور اس کو پھیلانے والے بدعت ہی کی اشاعت کرنے والے ہیں''۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَیهِ رَاجِعُوْنَ.

ع جو تیرے زلف میں آئی تو حسن کہلائی

خیر وشر کا معیار اور نیکی و بدی کے پیمانے :

وجہ اس کی یہ ہے کہ یہ لوگ امام اعظم ابوحنیفہؒ اور آپ کے اصحاب کو محض گروہی رہنما کی حیثیت سے لینے اور سمجھنے وسمجھانے کے نقطۂ نگاہ کی بجائے معترضانہ، مخالفانہ اور مناظرانہ ذہن کے ساتھ ان کی سیرت اور فقہ کا مطالعہ کرتے ہیں، پھر ظلم یہ ڈھایا جاتا ہے کہ اس قدر عظیم ہستیوں کے قرآن وحدیث سے مستنبط ومرتب کردہ فقہ کا مطالعہ جڑ سے شروع کر کے ٹہنیوں اور برگ وبار تک نہیں پہنچایا جاتا، بلکہ اساسی نظریہ کو سمجھے بغیر اور فکر کی جڑ کی ماہیت متعین کیئے بغیر مناظرہ بازوں کی نہج پر پڑ کر جزئیاتی مسائل کی چند کونپلوں کو لے لیا جاتا ہے۔

حالانکہ یہ طریقہ ہمیشہ متعصب اور مخالفانہ ذہن کی ترجمانی کرتا ہے اور اس کے ذریعہ کسی بھی نظامِ زندگی کو اور کسی بھی دستوری اُصول وکلیات کو سمجھا نہیں جا سکتا بلکہ اس کے ذریعے تو بات سمجھنے کے دروازے ہی بند ہو جاتے ہیں۔

اصل چیز نظریۂ اساسی اور پھر اس نظریہ سے ماخوذ ہونے والے اُصولوں کو دیکھنا ہوتا ہے کہ جن پر زندگی کے مختلف شعبے استوار ہوتے ہیں اور پھر انہی اُصولوں کے فریم میں جزئیات کی ترتیب دیکھی جاتی ہے، کسی کے پیش کردہ مکمل نقشہ کو مجموعی طور پر سمجھنے سے قبل اس کی ایک دو لکیروں یا نشانوں کو پکڑ کر بحث شروع کرنے سے نقشہ کی مجموعی ترتیب تو کجا، خود زیر بحث ایک دو لکیروں اور نشانات کی حقیقت اور ماہیت بھی سمجھی نہیں جا سکتی۔

جب امام اعظم ابوحنیفہؒ اور آپ کے اصحاب کی سیرت اور فقہ حنفیہ کے پورے چمن کو دیکھا جائے اور اس کی مجموعی ترتیب کو سمجھا جائے تب اس کے اندر ایک ایک شاخ اور ایک ایک پتی کا مقام خود ہی سمجھ میں آ جائے گا۔ ایک باغ پر رائے قائم کرنے کے لئے اس کی مجموعی حیثیت کو سامنے رکھنا ہوتا ہے۔ اہلِ انصاف اور اہل تحقیق کبھی بھی اس کے اندر

ایک دو پتیوں یا کسی پودے کی کونپلوں کو سارے باغ سے الگ کر کے زیر مطالعہ نہیں لاتے۔

یہ کہاں کی عقلمندی ہے کہ اگر ایک نظام یا نظریئے یا دستور یا امامِ اعظم ابوحنیفہؒ جیسے اہم قائدانہ شخصیات میں جب چند چیزیں، کسی کے ذوق اور پسندیدہ روایات اور عادات کے خلاف ہوں تو اس کے یہ معنی لے لئے جائیں کہ وہاں کوئی قابلِ قدر چیز ہی نہیں ہے اور وہ سارے کا سارا مجموعہ مسترد کر دینے کے قابل ہے۔

جب کہ شرعاً کسی کا ذوق اور پسند، قبولیت کا معیار ہرگز نہیں، بلکہ یہاں تو خیر و شکر کا معیار، کامل ناقص، بھلے بُرے اور نیکی بدی کے پیمانے آسمانی ہدایات میں پہلے سے موجود اور محفوظ ہیں۔

لہٰذا جب بھی امام اعظم ابوحنیفہؒ آپ کے اصحاب اور فقہ حنفیہ کو آسمانی معیار اور وحی الٰہی کے پیمانے میں جانچا اور پرکھا جائے گا تو کبھی اُس چول میں جھول نظر نہیں آئے گی۔

حاسدین و مادحین، ایک تجزیہ و تقابل :

آخر نہ ماننے والوں نے اتنا اور ایسا ہی کیا جتنا اور جیسا کہ ایک باکمال اور مقبول عنداللہ شخصیت کے ساتھ مخالفین اور حاسدین کرتے ہی آئے ہیں ....

ع ہوتی آئی ہے کہ اچھوں کو بُرا کہتے ہیں

اور کیوں نہ کرتے ؟ جب کہ ایسا ہونا ایک فطری اور واقعاتی امر ہے کیونکہ صبحی محمصانی فرماتے ہیں :

حنفیوں کی تعداد اور جملہ اہلِ اسلام کی دو تہائی ہے۔ مالکیوں کی تعداد ساڑھے چار کروڑ ہے۔ شافعیوں کی تعداد دس (۱۰) کروڑ اور حنبلیوں کی تعداد تیس (۳۰) لاکھ ہے۔

(فلسفة تشريع في الاسلام)

عالمِ اسلام کا دو تہائی حصہ جس کا نام لیوا اور پیروکار ہو اسی تناسب سے اس کے مخالفین اور حاسدین کے وجود کو باعثِ تعجب سمجھنا ایک فطری حقیقت کا انکار ہے۔ **لا یری شجر الاذو ثمر** (جو درخت پھلدار ہو پتھر بھی اسے مارے جاتے ہیں) چنانچہ اسی حقیقت کا اعتراف کرتے ہوئے علامہ ابن حجر مکی ''خیرات الحسان'' میں رقمطراز ہیں :

ان الامام ابی حنیفه کان له حسّاد کثیرون فی حیاته و بعد مماته۔

امام ابو حنیفہؒ کے بہت سے حسّاد تھے، ان کی زندگی میں بھی اور ان کی وفات کے بعد بھی۔

صاحبِ تنسیق النظام بھی یوں فرماتے ہیں :

کان ابو حنیفه یحسد و ینسب الیه مالیس فیه و یختلق الیه ما لا یلیق ۔

(کتاب العلم لابن عبد البر)

امام ابو حنیفہؒ کے حاسد بہت تھے اور وہ ایسے اُمور ان کی طرف منسوب کرتے تھے جو ان میں نہ تھے۔

جب امام صاحب کی ذکاوت، فطانت اور تبحر علمی کی وجہ سے کثرت سے اہلِ علم آپ کی درسگاہ میں آکر شرفِ تلمذ ہی کو بڑی سعادت سمجھنے لگے تو آپ کے اس عظیم منصب کے پیش نظر کثرت سے حاسدین و مخالفین کا پیدا ہو جانا کوئی تعجب کی بات نہیں، بلکہ یہ امام صاحب ہی کی کمالِ اہلیت اور بہت بڑی عظمت کی دلیل ہے ....

ع جو تو نہ خوب ہوتا تو وہ کیوں حسود ہوتا

شیخ یحییٰ بن معین محدث نے کس قدر بجا اور صحیح فرمایا :

''جب لوگ اس کی سعی نہ کر سکے (یعنی علم و اجتہاد میں مقامِ ابو حنیفہؒ تک رسائی) تو حسد کرنے لگے اور دشمن ہو گئے۔ (موفق)

امام صاحب کے مخالفین وحاسدین میں نعیم بن حماد (استاد امام بخاری) خطیب، دار قطنی اور ابن جوزی کو امامت کا مقام حاصل ہے، جبکہ امام صاحبؒ کے مادحین میں ہر بزرگ علم وعمل اور دین کا ایک ستون ہے۔ جیسے امام اعمش، امام شعبہ، امام مالک، مسعر بن کدام ثوری، وکیع، عبداللہ بن مبارک، یحیٰی بن معین، حسن بن عرضہ، یزید بن ہارون۔

ان حضرات کے مقابلہ میں یحیٰی بن سعید، عبداللہ بن دینار، امام جعفر صادق، امام لیث محدث جیسے اکابر کے اقوال تو قابلِ التفات ہو سکتے ہیں، خطیب، دار قطنی اور ابن جوزی کا یہاں ذکر کیا؟ یہاں تو بخاری ومسلم کی بھی ہستی نہیں، جہاں تک نعیم بن حماد کی بات ہے، اس سے متعلق ہم یہاں میزان جلد ثالث سے ایک حوالہ نقل کر دیتے ہیں :

قال الازدی کان نعیم یضع الحدیث فی تقویت السنته و حکایات مزورة فی ثلب النعمان کلها کذب۔

ازدی کہتے ہیں کہ نعیم تقویت سنّت کے لئے حدیث وضع کیا کرتا تھا اور امام ابوحنیفہؒ کے مصائب میں حکایات گھڑا کرتا تھا جو سب جھوٹ ہیں۔

امام صاحبؒ کی مدح جن بزرگوں سے ثابت ہے، ان کے مقابلہ میں بھی اسی پایہ کے بزرگوں کے اقوال پیش کرنا چاہئے۔

صرف اپنے اور احناف ہی نہیں بلکہ دوسرے مذاہب کے ائمہ نے بھی بغیر تعصب کے امام صاحبؒ کی مدح کی ہے، جیسے امام سیوطی شافعیؒ، حافظ ابن حجر مکی شافعیؒ، امام ذہبی شافعیؒ، حافظ ابن حجر عسقلانی شافعیؒ، امام نووی شافعیؒ، امام غزالی شافعیؒ، حافظ ابن عبد البر مالکیؒ، علامہ یوسف بن عبد الہادی حنبلیؒ، مؤرخین میں علامہ ابن خلدون اور ابنِ خلکان شافعیؒ وغیرہ۔

اگر مدح وذم کرنے والوں کی تعداد پر نظر کی جائے تو بھی مدح کا پلہ بھاری ہے، چناں چہ عا[illegible] مکیؒ لکھتے ہیں کہ :

جن لوگوں نے امام صاحبؒ کی توثیق کی ہے، وہ لوگوں سے بہت زیادہ ہیں، جنہوں نے ان پر طعن کیا ہے۔ (خیرات الحسان) .... ۔

غالبؔ بُرا نہ مان جو واعظ بُرا کہے
ایسا بھی ہے کوئی کہ جسے سب اچھا کہیں

ایک حقیقت کا اعتراف :

یہ بجا ہے کہ تاریخِ اسلام، طبقاتِ رجال اور مناقب وغیرہ کی کتب میں حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کو ''امام اہل الرائے'' سے لقباً یاد کیا جاتا ہے، ہمیں بھی اس حقیقت کا اعتراف ہے اور ہم امام صاحبؒ کے اس عظیم منصب کو پوری ملّتِ حنفیہ کے لئے باعثِ افتخار وفضیلت سمجھتے ہیں ...... ع یہ رُتبہ بلند ملا جس کو مل گیا

مگر ایسے لوگ جو تعصب، حسد، بغض وعداوت، غلط روی اور کج فہمی کو متاعِ عزیز اور غنیمت سمجھ کر ایک لمحہ چھوڑنے کے لئے تیار نہ ہوں تو ایسے نافہموں کو اگر'' امام اہل الرائے'' کے لقب سے اچھی خاصی ٹھوکر لگ بھی گئی ہو اور پھر اگر ان گم کردہ راہ لوگوں نے عوام کو اندھیرے میں رکھنے کی کوشش بھی کی ہو اور کرتے بھی رہیں تو پھر کیا اس سے یہ چیز لازم آ سکتی ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہؒ اور آپ کے اصحاب (جن کی رائے بڑی دقیق، عقل بڑی تیز، بصیرت بڑی گہری اور جو مشکل احادیث اور غیر منصوص مسائل کو اپنے ناخنِ تدبیر سے حل کرنے کے خوگر ہوں) ''اہل الرائے'' ہونا شرعاً مذموم اور موجب تنقیص بھی ہو۔

جنہوں نے رائے کا لغوی معنی تک جاننے کی کوشش نہ کی ہو، جو لغوی اور شرعی لحاظ سے اس کے مذموم اور موجبِ تنقیص یا محمود و باعثِ فضیلت کے علمِ بدیہی سے بھی کورے ہوں جو رائے کے استعمال اور اس کے موقعہ ومحل تک سے ناآشنا ہوں، آخر انہیں یہ حق دینا کس قدر ناانصافی اور دیانت کا خون ہے کہ وہ اُمت کے عظیم فقہا یعنی امام اعظم ابوحنیفہؒ اور

آپ کے اصحاب کے ''اصحاب رائے'' ہونے کے عظیم منصب وفضیلت پر نہایت اوچھی زبان میں شرعی حدود سے متجاوز، کج فہمی پر مبنی حد درجہ دریدہ دہنی سے تنقید وتبصرہ کریں۔

مگر یہ توقع بھی ہرگز صحیح نہیں کہ سنجیدہ، اہل دانش واہلِ بصیرت طبقہ بھی سوچے سمجھے اور تحقیق کئے بغیر ہی ایسوں کی چھانٹ کانٹ اور افتراء اور بہتان کو فتویٰ سمجھ کر دین کے عظیم اساس اور دستورِ اسلامی کے چوتھے ماٴخذ رائے وقیاس جس پر ملّتِ اسلامیہ کے اکثر طبقات حضراتِ صحابہؓ، تابعینؒ، فقہاء ومتکلمین کا اتفاق ہے کہ کتاب وسنّت اور اجماع کے بعد قیاس ہی اسلامی قانون کا ماٴخذ اور بنیادی اُصول ہے) کا انکار کر کے شیعہ، اہلِ ظواہر، معتزلہ اور خوارج کی صف میں اپنے آپ کو کھڑا کر دیں گے۔

مجددالفِ ثانیؒ کی وضاحت :

زرادی، زنجانی، نحو میر اور ہدایۃ النحو پڑھ کر صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں مہارتِ تامہ کا دعویٰ کر کے ائمۂ دین وجبالِ علوم کی توہین واستہزاء کرنے والوں کے حضور ہم اتنی گذارش ضرور کریں گے کہ اسلاف کے علوم ومعارف اور تحقیق وتدقیق سے بے نیاز ہوکر بھی قرآن وحدیث سے تمسک، حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی اتباع، اور اپنے ہی کو اسلاف سے منسوب سمجھنے کا دعویٰ زیبا نہیں۔ منوانا اور یقین کروانا تو ہمارے اختیار میں نہیں اور نہ ہی کوئی ایسا کرواسکتا ہے۔ الا اللہ۔ تاہم بتانا، آگاہ کرنا اور مسلک حق کی نشان دہی کرنا ہر دور میں اُمت کے ہر فرد بالخصوص علماءِ حق کا فرضِ اوّلین اور فرضِ منصبی رہا ہے۔ اس فرضِ منصبی کو شیخ احمد سرہندی حضرت مجددالف ثانیؒ نے یوں ادا فرمایا ہے :

> ''جماعت کہ ایں اکابرِ دین را اصحاب رائے میدانند اگر ایں اعتقاد دارند کہ ایشاناں بہ رائے خود حکم می کردند ومتابعت کتاب وسنّت نمی نمودند پس سوادِ اعظم واہلِ اسلام بزعم فاسد ایشاں ضال ومبتدع باشند بلکہ

از جرگہ اسلام بیروں بوند، ایں اعتقاد نہ کند مگر جاہلے خود بے خبر است یا زندیقے کہ مقصودش ابطالِ شطر دیں است۔

ناقصے چند احادیث را یاد گرفتہ اند و احکامِ شریعت را منحصر دراں ساختہ اند۔

وہ جماعت جو ان اکابرِ دین کو اصحابِ رائے سمجھتی ہے اگر یہ اعتقاد کرتی ہے کہ یہ حضرات اپنی رائے سے عمل کرتے تھے اور کتاب وسنت کی پیروی نہیں کرتے تھے تو ان کے فاسد خیال کے مطابق مسلمانوں کی اکثریت گمراہ اور بدعتی ہوگی، بلکہ اہلِ اسلام کے ٹولہ ہی سے باہر ہوگی اور یہ خیال یا تو وہ جاہل کرے گا جو اپنی جہالت سے بے خبر ہے یا وہ زندیق کرے گا جس کا مقصد نصفِ دین کو باطل کرنا ہے۔

کچھ کوتاہ فہم چند حدیثیں یاد کر کے احکام شریعت کو انہی میں منحصر کرتے ہیں۔

وماورائے معلوم خود را نفی مینمایند و آنچہ نزد ایشاناں ثابت نشدہ می سازند چوں آنکرمے کہ در سنگِ نہاں است زمین و آسمان او ہماں است۔

(مکتوبات امام ربانی دفتر دوم حصہ ہفتم ص ۵۵)

اور اپنی معلومات کے علاوہ اور ہر چیز کی نفی کرتے ہیں اور جو چیز ان کے نزدیک ثابت نہ ہو اس کی نفی کرتے ہیں، جیسے وہ کیڑا جو پتھر میں چھپا ہوا ہو اس کی زمین و آسمان ہی بس وہ ہے''۔

دوسرے ہزارے کے عظیم مجدد کی تحقیق ہی یہ ہے کہ جو لوگ مطلقِ رائے اور ''اصحاب رائے'' کو گمراہی سے منسوب کرتے ہیں اور خود حدیث دانی کا دعویٰ کرتے ہیں۔ درحقیقت یہ وہی لوگ ہیں، جنہیں حدیثِ رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے ذوقِ سلیم ہی نہیں اور جن کا مبلغ علم چند حدیثوں کے حفظ تک محدود ہے۔ رائے و قیاس اصحابِ رائے

اور ''امام اہل الرائے'' کے بارے میں گندے، فاسد، غلیظ اور متعصب ذہن رکھنے والوں کو حضرت مجدد نہ صرف کوتاہ فہم، کم علم اور جاہل قرار دیتے ہیں بلکہ آپ کے نزدیک تو ایسوں کا مرتبہ زندیق سے کسی طرح کم نہیں۔

اسلاف کی مزید تحقیق :

ہماری تعلیم اور ہمارا مبلغ علم اسلاف ہی کے علوم و معارف اور تحقیق و تدقیق کا مرہونِ منت ہے۔ اس لئے زیر بحث مسئلہ میں بھی اسلاف کی تحقیقات سے استفادہ ناگزیر ہے۔ چنانچہ لغت کے مشہور امام شیخ ابوالفضل قرشی اپنی مشہور کتاب صراح میں رائے کا معنی ''دل کی بصیرت اور بینائی بتاتے ہیں''۔ (کتاب الصراح ص ۵۵)

الشیخ محمد طاہر الحنفی اپنی کتاب مجمع البحار میں یوں رقمطراز ہیں :

والمحدّثون یسمّون اصحاب القیاس اصحاب الرائے یعنون انّهم یأخذون برایهم فیما یشکل من الحدیث او مالم یاتِ فیه حدیث و لا اثر۔

(مجمع البحار ج ۱ ص ۴۵۰، نہایہ ج ۲ ص ۱۷۶)

محدثین اصحابِ قیاس کو اصحاب رائے کہتے ہیں۔ اس سے وہ مراد یہ لیتے ہیں کہ وہ مشکل حدیث کو اپنی رائے اور سمجھ سے حل کرتے ہیں اور ایسے مقام پر وہ اپنے قیاس اور رائے سے کام لیتے ہیں جس میں کوئی حدیث موجود نہیں ہوتی۔

علامہ ابن اثیر الجزریؒ نے بھی کم و بیش ان ہی الفاظ میں اسی مفہوم کی بات کہہ دی ہے۔ (نہایہ ج ۲ ص ۱۷۹) علامہ ناصر الدین المطرازی رائے کا لغوی معنیٰ بتاتے ہوئے لکھتے ہیں :

الرای ما اختار الانسان و اعتقده و منه ربیعة الرای بالاضافة اهل المدینه۔ (المغرب ج ۱ ص ۱۹۷)

رائے اس نظریہ اور اعتقاد کو کہتے ہیں جس کو انسان اختیار کرتا ہے اور اس سے اضافت کے ساتھ ربیعۃ الرائے ہے۔

ربیعۃ الرائے :

حافظ ذہبی امام ربیعۃ الرائے کے ترجمہ میں لکھتے ہیں :

و کان اماماً حافظاً فقیھاً مجتھداً بصیراً بالرای و لذالک یقال له ربیعة الرای۔ (تذکرہ ج ۱ ص ۱۴۸)

وہ امام، حافظ، فقیہ، مجتہد اور رائے و قیاس کے بڑے ماہر تھے۔ اس لئے ان کو ربیعۃ الرائے کہا جاتا ہے۔

امام احمد بن حنبلؒ اور امام نسائی نے آپ کو ثقہ بتلایا ہے۔ (تاریخ بغداد ج ۸ ص ۴۴۵)

مگر جیسا کہ ہو رہا ہے اور ہوتا آیا ہے، اس زمانے کے چند حدیثوں کے حافظوں (جو بقولِ حضرت مجددؒ کوتاہ فہم، کم علم، جاہل اور زندیق سے کم نہیں) نے ربیعہ کو رائے کی نسبت سے مبغوض جانا۔ جب جناب عبدالعزیز بن ابی سلمہ عراق میں داخل ہوئے اور وہاں کے لوگوں نے ربیعۃ الرائے کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے فرمایا :

واللّٰہ ما رأیت احدًا احوط بسنةٍ منه۔

بخدا میں نے ان سے بڑھ کر سنت میں محتاط کسی کو نہیں دیکھا۔

بھلا اس وہم کا اب کیا علاج کیا جائے جو بدگمانیوں اور افسانوں کے تاریک پردوں میں صدیوں سے چھپا چلا آ رہا ہے۔ ہم نے ''ربیعۃ الرائے'' کا عنوان قائم کر کے یہی بتانا ہے کہ اس کھیل کے کھلاڑی نئے نہیں بلکہ ربیعۃ الرائے جیسے حافظِ حدیث، متبع سنت اور ثقہ وثبت متبحر عالم دین سے صرف اس لئے پرہیز و اجتناب کیا گیا کہ آپ کے نام کے ساتھ رائے کا لفظ آتا تھا۔

اصحابِ رائے کہلانے کی ایک لطیف توجیہ :

علامہ شہرستانی اپنی مشہور عالم کتاب الملل والنحل میں لکھتے ہیں کہ :

انما سمّوا اصحاب الرائے لان عنایتھم بتحصیل وجہٍ من القیاس و المعنی المستنبط من الاحکام و بناء الحوادث علیھا و ربما یقدّمون القیاس الجلی علیٰ احاد الاخبار و قد قال ابوحنیفہ علمنا ھذا رای و ھو احسن ما قدرنا علیہ فمن قدر علیٰ غیر ذالک فلہ مارای و لنا مارأینا ۔

(الملل والنحل ج ۲ ص ۱۴۸)

اوران کا نام اصحاب رائے اس لئے رکھا گیا ہے کہ وہ قیاس کی علّت کی جستجو میں خاص اہتمام کرتے ہیں ، جو احکام سے مستنبط ہوتا ہے اور حوادث کو ان پر مبنی قرار دیتے ہیں ۔ امام ابوحنیفہؒ نے خود فرمایا کہ ہمارا یہ علم رائے ہے جس پر ہم پوری سعی کے ساتھ قادر ہوتے ہیں ، اگر کوئی شخص اس کے علاوہ کوئی اور رائے رکھتا ہے تو اس کو حق پہنچتا ہے ، جیسا کہ ہمیں رائے کا حق ہے ۔

لاریب امامِ مالکؒ ، امامِ شافعیؒ ، امام ثوریؒ ، امام احمد بن حنبلؒ اور امامِ داوٗد بن علی الاصبہانی حدیث وفقہ کے جامع امام تھے ، مگر ان حضرات میں روایت اور حدیث کی حفاظت وخدمت کا وصف غالب رہا ۔ اس وجہ سے یہ حضرات ''اصحاب الحدیث'' کے لقب سے موسوم ہوئے مگر امام اعظم ابوحنیفہؒ پر باوجود حافظ حدیث ہونے کے اجتہاد وتفقہ اور استنباط کا وصف غالب رہا ۔ اس لئے آپ ''امام اصحاب الرائے'' کے لقب سے مشہور ہوئے ۔

علامہ ابنِ خلدون کی تصریحات :

اسی حقیقت ہی کے پیش نظر علامہ ابن خلدون بھی امام اعظم ابوحنیفہؒ کا '' من کبار المجتھدین فی الحدیث '' کے الفاظ سے تذکرہ کرکے آپ کی حدیث دانی ،

حدیث فہمی، علم حدیث میں فضل وتفوق اور فن روایت و درایت میں مہارت و امامت کو تسلیم کرتے ہوئے اسی تصویر کے دوسرے رُخ کو بھی سامنے لاتے ہوئے رقمطراز ہیں :

و مقامه فی الفقه لا یلحق شهد له بذالک اهل حلاته و خصوصاً مالک و شافعی۔ (مقدمہ ابن خلدون ص ۴۴۷)

فقہ میں ان کا مقام اتنا بلند ہے کہ اس میں کوئی دوسرا ان کی نظیر نہیں رکھتا اور ان ہی کے طبقہ کے حضرات خصوصیت سے امام مالکؒ و شافعیؒ نے اس کی شہادت دی ہے۔

علامہ ابنِ خلدون نے بھی اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہؒ کے مقلد اس وقت عراق، ہندوستان، چین، ماوراء النہر اور بلادِ عجم میں پھیلے ہوئے ہیں۔ (ایضاً)

دنیائے اسلام میں حنفی مکتبِ فکر کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ قریب قریب تین چوتھائی ملّت حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے فقہی مسلک پر اعتماد رکھتی ہے، جب کہ ترکِ تقلید اور فقہ سے اختلاف کا نظریہ رکھنے والے گروہ کو اپنی تنگ نظری اور خشک مزاجی کی وجہ سے اُمت میں کوئی فروغ حاصل نہ ہوا۔ آخر ایسے گروہ کو فروغ کیوں کر ہی حاصل ہو جو فقہ و اجتہاد اور استنباط سے مستغنی رہ کر بھی نت نئے مسائل و حوادث، نوازل اور واقعات کا حل پا سکے۔ اس لئے تو علامہ ابن خلدون کو یہاں تک لکھنا پڑا کہ :

ثم درس مذهب اهل الظاهر الیوم بدورس ائمته۔ (مقدمہ ص ۴۴۶)

پھر اسی زمانہ میں اہلِ ظاہر کا مذہب باقی نہیں رہا۔ آگے لکھتے ہیں :

و لم یبقِ الا مذهب اهل الرای من العراق و اهل الحدیث من الحجاز۔ (مقدمہ ص ۴۴۷)

اور باقی نہیں رہا مگر مذہب اہل الرائے جو عراقی ہیں اور اہل الحدیث جو حجازی ہیں۔

اہل الرائے عراقی اور اہل الحدیث حجازی، یہ دونوں گروہ فقہ کے تسلیم کرنے

والے تھے، اگر چہ دونوں کا طریق کار ایک دوسرے سے قدرے مختلف تھا۔ ان دوگروہوں کے علاوہ تیسرے گروہ کے وجود کی نشاندہی بھی نہیں کی گئی۔ معلوم ہوتا ہے کہ تھا ہی نہیں، اگر بالفرض اس کے وجود کو تسلیم بھی کرلیا جائے تو لازماً یہ بھی ماننا پڑے گا کہ علماء فقہاء محدثین اور اکابر واسلاف کے ہاں اس کو کوئی پذیرائی حاصل نہ ہوسکی۔

درحقیقت فقہ کی مخالفت، قیاس ورائے اور اجتہاد واستنباط کے انکار کے ساتھ پذیرائی کی توقع بے جا، غلط اور ناممکن ہے۔

فقہ حنبلی میں رائے واجتہاد :

چونکہ قیاس ورائے اور تفقہ واجتہاد کے بغیر اُمت کو پیش آنے والے تمام مسائل مکمل طور پر حل نہیں ہوسکتے۔ اس لئے تو امام احمد بن حنبلؒ (جن کا رُتبہ اجتہاد وقیاس میں اتنا اونچا نہ تھا) کی فقہ کو وہ بلند مقام نہ مل سکا جو اوروں کو حاصل ہوا اور نہ ان کے زیادہ مقلدین پیدا ہوئے۔ آخر وہ لوگ جنہیں اپنے سوا دوسرا نظر آتا ہی نہیں۔ خدا ہی کی دی ہوئی آنکھوں اور عقل وخرد سے کام کیوں نہیں لیتے کہ جب ایسی فقہ جس میں رائے واجتہاد کا استعمال کم ہو۔ اس کو تو شام وعراق اور اس کے ملحقات سے باہر تعارف بھی حاصل نہ ہوسکا ہو۔

فلما احمد بن حنبل مقلده قليل لبعدِ مذهبه عن الاجتهاد و اصالة في معاضدة الرواية و للاخبار بغضها و اكثرهم باالشام و العراق مع بغداد و نواحيها و هم اكثر الناس حفظا لسنّه۔ (مقدمہ ابن خلدون ص ۴۴۸)

امام احمد بن حنبلؒ کا مذہب اجتہاد سے بعید رہا ہے اور ان کا اصل الاصول ہی یہ ہے کہ روایت اور اخبار ہی میں سے بعض کی بعض سے تائید اور تقویت حاصل کی جائے اور ان کے اکثر پیرو شام وعراق اور اس کے آس پاس رہتے ہیں اور وہ سب لوگوں سے سنّت کے زیادہ محافظ رہے ہیں۔

مگر یہ دعویٰ کہاں تک درست ہوسکتا ہے کہ جن کے ہاں رائے واجتہاد کا وجود نہیں وہی کہتے ہیں ہمارے سوا دوسرا موجود نہیں۔ تعجب ہے ایسوں پر جو سرے سے رائے واجتہاد کا انکار بھی کرتے ہیں اور اپنے ہی وجود کا اصرار بھی کرتے ہیں۔

فقہی نوازیت کا بڑا دریا :

یہ بات پہلے بھی کہیں عرض کی جا چکی ہے کہ اکابر واسلاف کی تحقیق کے مطابق فقہ حنفی ہی قرآن وسنت اور صحیح حدیث کے زیادہ موافق ہے۔ جیسا کہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے بھی یہی دعویٰ کیا ہے کہ ''مذہب حنفی میں عمدہ راستہ ہے جو صحیح حدیث کے زیادہ موافق ہے''۔ (فیوض الحرمین)

اُمت مسلمہ کے متاخرین اکابر و اسلاف میں مسلّم اور مایۂ ناز شخصیت حضرت مجدد الفِ ثانی بھی یہی فرماتے ہیں کہ ''خلافیات فقہی کے اکثر مسائل میں حق بجانبِ حنفی ہے''۔ (مبداء ومعاد) ذیل میں حضرت مجددؒ ہی کی ایک اور شہادت ملاحظہ فرمایئے :

بے شائبہ تکلف وتعصب گفتہ می شود کہ نورانیت دین مذہب حنفی بنظر کشفی دررنگ دریائے عظیم می نمانید، وسائر مذاہب دررنگ حیاض وجداول بنظرمے درآیند وبظاہر ہمہ کہ ملاحظہ نمودہ می آید، سوادِ اعظم از اہلِ اسلام متابعانِ ابی حنیفہ اند۔

(مکتوباتِ ربانی دفتر دوم حصہ ہفتم مکتوب نمبر ۵۵ ص ۱۴)

تکلف اور تعصب کی ملاوٹ کے بغیر یہ کہا جاسکتا ہے کہ کشفی نگاہ میں حنفی مذہب کی نورانیت بڑے دریا کے مانند دکھائی دیتی ہے اور دوسرے مذاہب حوضوں اور نالیوں کی صورت میں دکھائی دیتے ہیں اور ظاہری طور پر بھی یہ بات دکھائی دیتی ہے کہ اہلِ اسلام کی بڑی اکثریت امام ابوحنیفہؒ کی پیروی کرتی ہے۔

چونکہ اسلام عالمگیر مذہب ہے اور تا قیامت باقی رہنے والا دین ہے۔ اس لئے تو

احناف نہ صرف حدیث کے ظاہری الفاظ اور عبارت النص سے استنباط کرتے ہیں بلکہ دلالۃ النص، اشارۃ النص اور اقتضاء النص کے دقیق اور غامض پہلو کو بھی استدلال میں نظر انداز نہیں کرتے۔ یہی وجہ ہے کہ فقہ حنفی کا دائرہ بہت وسیع ہے جس کے استنباط واجتہاد اور صحیح استدلال کی عظیم وسعتوں کو حضرت مجدد الف ثانی نے ''بڑے دریا'' سے تعبیر کیا۔

شاہ ولی اللہؒ کا اظہارِ حقیقت :

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رائے کے مفہوم ومصداق پر مفصل بحث کرتے ہوئے اپنی عظیم اور مایہ ناز کتاب ''حجۃ اللہ البالغہ'' میں لکھتے ہیں :

بل المراد من اهل الرای قوم توجهوا بعد المسائل المجمع عليها من المسلمين او بين جهودهم الى التخريج علىٰ اصل من المتقدمين فكان اكثر امرهم حمل النظير والرد الىٰ اصل من الاصول۔ (حجۃ اللہ البالغہ ج ا ص ۱۶۱)

بلکہ اہل الرائے سے وہ قوم مراد ہے جنہوں نے ان مسائل کے بعد جو تمام مسلمانوں میں یا جمہور کے درمیان اجماعی قرار پاچکے ہیں۔ متقدمین میں کسی شخص کے اصل پر مسائل کی تخریج کی ہو اور ان کا بڑا کام یہ رہا ہے کہ نظیر کو نظیر پر حمل کرتے رہے اور ان کو اصول میں سے کسی اصل کی طرف رد کرتے رہے۔

الغرض اکابر واسلاف کی ان تحقیقات کی روشنی میں ہمیں یہ کہنے کا حق حاصل ہے کہ رائے کو فی نفسہ برا سمجھنا اہل الرائے کو احادیث کا منکر اور ان سے مستغنی قرار دینا، اہل الرائے ہونے کو موجب تنقیص امر تصور کرنا، نیز اہل الرائے ہونے کو صرف احناف ہی کے ساتھ خاص کرنا یہ نہ صرف کمالِ جہالت کا اظہار اور اپنے اکابر واسلاف کے علوم ومعارف کا انکار ہے بلکہ ایک اظہر من الشمس صداقت اور ایک عظیم حقیقت کا منہ چڑانا ہے۔

اہل الرائے کی کئی جماعتیں تھیں :

جو جان بوجھ کر نہ دیکھنا چاہیں انہیں کیونکر دکھایا جا سکتا ہے۔ دیکھنے والوں نے تو امام شافعیؒ کو بھی ''اہل الرائے'' ہی دیکھا۔ امام عجلی نے امام شافعی کو ''اہل الرائے'' لکھا ہے۔ حافظ ابن حجر بھی رقمطراز ہیں :

فاجتمع له علم اهل الرای و علم اهل الحديث۔ (مقام ابی حنیفہ)

امام شافعیؒ میں ''اہل الرائے'' اور اہل حدیث دونوں کا علم جمع تھا۔

ربیعہ کے بارے میں پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ وہ ''ربیعۃ الرائے'' کے لقب سے مشہور تھے، مگر حنفی نہ تھے۔ ابوبکر بن ایوب کی تصریح کے مطابق اہل الرائے کی کئی جماعتیں تھیں۔ **قد رأينا جماعته من اهل الرای قد ذهبت و اضمحلت و مذهب ابی حنيفه باقٍ۔** (السهم المصيب ص ۶۴)

ہم نے دیکھا کہ اہل الرائے کی جماعت کے مذاہب تو ختم اور مضمحل ہو گئے، مگر امام ابوحنیفہؒ کا مذہب باقی ہے۔

مگر جو لوگ ۲+۲ کو بھی دو ہی کہتے ہیں، اگر انہیں ''اہل الرائے'' کی کئی جماعتیں بھی ایک ہی جماعت نظر آتی ہے، تو اس مرض کی تشخیص، تعصب، ضد، عقل کے فتور اور ہٹ دھرمی سے تو کی جا سکتی ہے، مگر اس سے ایک حقیقت کی تکذیب لازم نہیں آ سکتی۔

امام عبداللہ بن مبارکؒ کی شہادت :

جنہیں بزعم خویش یہ دعویٰ ہے کہ وہ، حضراتِ محدثین ہی کے بیان فرمودہ احادیث کو لیتے اور محدثین ہی کے مذہب (بقول ان کے غیر مقلدیت) پر عمل کرتے ہیں، ان کا یہ دعویٰ اور محدثین سے غیر مقلدیت کی نسبت کہاں تک صحیح ہے، یہ ایک علیحدہ موضوع

ہے، جس پر تفصیلی گفتگو کی ضرورت ہے۔ فرصت ملی تو اس بحث کی تکمیل کو ترجیح دوں گا۔ اب اس تحریر میں یہ بتانا ہے کہ ایسا دعویٰ کرنے والے بھی عمل کے آئینہ میں اپنا چہرہ دیکھ لیں۔

اپنے دور کے عظیم محدث امام عبداللہ بن مبارکؒ بھی، امام ابوحنیفہؒ کی رائے لیتے اور اس کو اختیار کرنے پر اصرار کر رہے ہیں، جیسا کہ ارشاد فرماتے ہیں :

ان کان الاثر قد عرف و احتیج الی الرای فرای مالک و سفیان و ابو حنیفه احسنهم و ادقهم و اغوصهم علی الفقه و هو افقه الثلاثه ۔

(امام ابوحنیفہؒ اور ان کے ناقدین ص ۴۶)

اگر حدیث معلوم ہو اور رائے کی ضرورت ہو تو مالک، سفیان اور ابوحنیفہؒ کی رائے ماننی چاہئے۔ ابوحنیفہؒ کی نظر زیرکی میں ان میں بہتر اور باریک تر ہے۔ فقہ میں زیادہ گہری ہے اور وہ ان تینوں میں زیادہ فقیہ ہیں۔

امام ابن مبارکؒ امام اعظم ابوحنیفہؒ کے شاگرد اور علم حدیث میں امیر المؤمنین ہیں۔ آپ کی سند سے بخاری اور مسلم میں سینکڑوں حدیثیں موجود ہیں۔ امام بخاری کا ارشاد ہے کہ امام ابن مبارکؒ اپنے زمانے کے سب سے بڑے عالم اور محدث ہیں''۔

(رسالہ رفع یدین)

سب سے بڑے عالم اور محدث امام ابن مبارکؒ سے ایک دوسرا قول بھی کتابوں میں نقل ہوتا چلا آیا ہے۔ فرمایا کرتے :

وہ شخص محروم ہے جس کو امام ابوحنیفہؒ کے علم سے حصہ نہیں ملا۔ (موفق ج ۱ص ۴)

صرف یہ نہیں بلکہ ابن المبارکؒ تو امام ابوحنیفہؒ پر کسی دوسرے عالم اور امام کی ترجیح کو بھی گوارا نہیں کرتے، انہی سے یہ قول بھی منقول ہوا ہے کہ :

''اگر مجھے افراط کلام کا الزام نہ دیا جائے تو میں امام ابوحنیفہؒ پر کسی کو ترجیح نہ دونگا''۔ (موفق)

امام ابوحنیفہ کی محدثانہ جلالتِ قدر اور فقیہانہ عظمت کے تو اس قدر قائل ہیں کہ اپنے حلقۂ درس اور نجی محفل میں بے اختیار ان کے منہ سے یہ الفاظ نکل جاتے اور کہہ اُٹھتے:

''اگر امام صاحب تابعین کے ابتدائی دور میں ہوتے تو وہ سب بھی ان کا اتباع کرتے''۔

بلکہ وہ اس معاملہ میں اس حد تک آگے بڑھے ہوئے تھے کہ اگر کسی محفل میں صراحۃ یا اشارۃ امام ابوحنیفہؒ پر کوئی اعتراض کرتا یا ان کی جلالتِ قدر اور عظمت کو ملحوظ نہ رکھتا یا برائی بیان کرتا تو آپ ہر ممکن دفاع پر اُتر آتے اور بے اختیار آپ کے منہ سے نکلتا:

''خدا اس شخص کا بُرا کرے جو ہمارے شیخ امام ابوحنیفہ کا ذکر برائی سے کرے''۔

امام عبداللہ بن مبارکؒ کے دکھائے ہوئے اس آئینہ میں محدثین سے اپنی نسبت کا دعویٰ کرنے والے اپنا چہرہ دیکھ لینے کے بعد اپنا سا منہ لے کر بھی حدیث اور محدثین سے نسبت کے ادعائی حسن پر غرور و ناز کرتے ہیں۔

شیخ یحییٰ بن سعید القطان کی شہادت:

تو ہم یحییٰ بن معین کے حوالہ سے شیخ یحییٰ بن سعید القطان کی شہادت بھی پیش کر رہے ہیں، جنہیں امام ابوحنیفہؒ کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کرنے پر فخر ہے۔ آپ فن رجال کے امام ہیں۔ آپ کی محدثانہ جلالت قدر اور علمی عظمت اور فقہی قدر و منزلت کا اندازہ اس سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ امام احمد بن حنبلؒ اور علی بن المدینی جیسے ائمہ فقہ و حدیث آپ کے درسِ حدیث کے حلقہ میں عصر تا مغرب کھڑے رہ کر احادیث کی تحقیق کیا کرتے تھے، تو شیخ یحییٰ بن معین کا قول ہے کہ میں نے یحییٰ بن سعید القطان کو یہ کہتے سنا کہ:

''ہم اللہ کا نام لے کر جھوٹ نہ بولیں گے۔ ہم ابوحنیفہؒ کی رائے میں اکثر چیزیں اختیار کر لیتے ہیں''۔

یحییٰ بن معین نے یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ :

''ہم خدا کا نام لے کر جھوٹ نہ بولیں گے ۔ابوحنیفہؒ سے بہتر رائے ہم نے کسی کی نہیں پائی ۔ واللہ ہم امام صاحبؒ کی مجلس میں شریک رہے ہیں ۔ میں نے جب بھی ان کے چہرہ کی طرف دیکھا تو یقین ہوگیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے خوف وخشیت سے پوری طرح متصف ہیں'' ۔ (موفق ج۱ص ۱۹۱)

کتابوں میں شیخ یحییٰ بن سعید القطان کا یہ قول تو مشہور ہے ہی کہ :

'' خدائے بزرگ کی قسم امام ابوحنیفہ اس امت میں قرآن وحدیث کے سب سے بڑے عالم ہیں'' ۔ (انوار باری)

یحییٰ بن معین نے شیخ یحییٰ بن سعید القطان کے عام معمولات کا تذکرہ کرتے ہوئے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ :

'' شیخ یحییٰ بن سعید القطان فتوی میں کوفیوں کے قول کی جانب جاتے تھے اور کوفیوں کے اقوال میں ابوحنیفہ کا قول لیتے تھے اور ان کے معاصروں میں سے ان کی رائے کا اتباع کرتے تھے ۔

امام عبد اللہ بن مبارکؒ اور شیخ یحییٰ بن سعید القطان جیسے ائمہ فقہ و حدیث کی شہادتوں اور سچی گواہیوں پر ایسوں کو یقین کب آئے جو روز اوّل سے کج فہمی اور کج بحثی کی راہ پر چل پڑنے کو لیلائے مقصود سمجھ بیٹھے ہوں ۔

تاریخ کا مطالعہ کرنے والے جانتے ہیں کہ خطیب نے امام اعظم ابوحنیفہؒ کی وفورِ عقل تیز فہمی اور باریک نظری پر جداگانہ باب قائم کیا ہے ۔ باری تعالیٰ نے امام صاحبؒ کو جس قدر اعلیٰ ذہانت اور صلاحیت سے نوازا تھا ۔ اسی قدر ان کی احکام شرعیہ کے سلسلہ میں تحقیق اور اجتہاد بعض معاصرین اور موجودہ وگذشتہ زمانے کے معاندین کی فہم سے بالاتر

ثابت ہوا۔

فہم کی نارسائی اور بعض کی فطری کج بحثی اور کج فہمی امام صاحبؒ سے اختلاف کا باعث بنی۔ غالباً امام احمد بن حنبلؒ ہی کا یہ فیصلہ ہے۔ ومن جهل شيئا عاداه ۔

رائے و قیاس اور اس کی اہمیت کو وہ کیا جانیں، جنہیں حدیث اور محدثین کی سچی اور مبنی بر حقیقت شہادتوں سے بھی اعراض ہو۔

آخر یہ کیونکر مانا جا سکتا ہے اور کون مان سکتا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ اور آپ کے اصحاب اور معتقدین و مقلدین رائے کی حجیت پر جو اصرار کرتے ہیں۔ درحقیقت یہ حدیثی تعلیمات سے انکار کرتے ہیں، جبکہ رائے کی حجیت پر اجماع اور رائے پر صحابہؓ کا تعامل و توارث ایک ایسی مسلّم حقیقت ہے، جس سے آنکھیں بند کر لینے کے باوجود بھی انکار کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔

تعجب ہے کہ جب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہی پر عمل کرنے والے بھی اسی حدیث کو تسلیم کرتے ہیں کہ ''لايجتمعُ امتى على الضلالة'' تو پھر یہ کیونکر ممکن ہوسکتا ہے کہ اسی پیغمبرؐ کی امت کا سوادِ اعظم (جس کی تعداد کا اندازہ نصف یا ثلث اہل اسلام سے کیا گیا ہے) ایک ایسے امام کے تابع ہو گیا ہو جو العیاذ باللہ حدیث سے ناواقف، اسلامی علوم سے بے بہرہ اور محض رائے و قیاس اس کا دین تھا۔

پھر اس سوادِ اعظم نے نہ صرف فقہ و مسائل میں امام صاحب کی اقتداء کی، بلکہ اپنی دنیا و آخرت کی سعادتوں اور سرخروئیوں کو بھی ان کے دامن سے وابستہ کر دیا۔ ہم تو یہی سمجھتے ہیں کہ فہم سلیم اگر نارسائی، حسد، بغض اور عناد اور عداوت کا مریض نہ ہو، کج فہمی اور کج بحثی سے مکدر نہ ہو تو اسے کبھی بھی یہ باور نہ کرایا جا سکے گا کہ ڈیڑھ ہزار برس کے زمانے میں اُمت محمدیہ کے سینکڑوں بلکہ ہزاروں علماء ربانی جس کی تعلیم، تحقیق اور اجتہاد و استنباط سے مستفید ہوئے اور ملکوں ملکوں پھیلے اور جس کی تعلیماتِ فقہ و رائے پر گروہ در گروہ اولیائے کرام عمل

پیدا ہو کر مراتبِ قرب سے فائز المرام ہوئے، وہ ایک ایسا شخص تھا جو حدیث اور علومِ نبوت سے کورا تھا۔ (العیاذ باللہ)

اگر بالفرض والمحال یہ تسلیم کر لیا جائے تو پھر یہ بھی ماننا پڑے گا کہ حنفی فقہا کے علاوہ دوسرے مذاہب کے جن دوسرے ائمہ نے بغیر کسی تعصب کے امام صاحبؒ کی مدح وتوثیق کی ہے، جن میں امام سیوطیؒ، شافعیؒ، حافظ ابن حجر مکی شافعیؒ، امام ذہبی شافعیؒ، حافظ ابن حجر عسقلانی شافعیؒ، امام نووی شافعیؒ، امام غزالی شافعیؒ، حافظ ابن عبدالبر مالکیؒ، علامہ یوسف عبد الہادی حنبلیؒ سرفہرست ہیں۔ سب جاہل اور علم حدیث سے کورے تھے اور بقول امام ابن حجر مکیؒ جن لوگوں نے امام صاحبؒ کی توثیق کی ہے، وہ ان لوگوں سے بہت زیادہ ہیں، جنہوں نے ان پر طعن کیا ہے۔ (خیرات الحسان)

اس سے تو پوری اُمت اور اکابر اساطینِ علم کی تجہیل لازم آتی ہے، جب کہ ایسا ہونا خلافِ واقعہ خلافِ حقیقت اور باطل ہے۔

☆☆☆

باب : ۱۳

تقلید کی ضرورت' مذہبی آزادی کی مضرت
اجتہادِ مطلق کی شرعی حیثیت
نظریۂ نیم تقلید اور بے جا توسع کی مذمّت

ریسرچ و تحقیق، علم و مطالعہ اور تحریر و اشاعت کے اس دور میں ''فقہی اور قانونی اُصول و اصطلاحات' دین کے مسلمات، ان کے مواقع، ان کے محلِ استعمال، ان کی مطلوبہ صلاحیت و استعداد اور ان کے شرائط و ضوابط سے قطع نظر' اپنی شخصیت کو بڑھانے، اپنی تحریک کو چمکانے، علمی رعب قائم کرنے، اپنے ذاتی اور فاسد خیالات پر شریعت کا لیبل لگانے اور اپنے من چاہے مقاصد کو حاصل کرنے کے لئے فقہی اصطلاحات کو جس طرح جی چاہے استعمال کرلیا جائے، اسلامی تعلیمات میں تحریف ہوتو ہو جائے یا اسلامی قوانین کی مضبوط عمارت دھڑام سے گرے تو گر جائے، اس سے سروکار کیا؟ چلتی کا نام گاڑی ہے، چلاتے رہو، جب تک اپنے مقاصد کی تکمیل اور اپنے کام کے نکلنے کی صورتیں بن جاتی رہیں یہ ایک مسلّم اُصول بن چکا ہے، ان لوگوں کو جو اس جدید اور ماڈرن دور میں اسلام کا جدید اور ماڈرن خطوط پر کام کرنے کا دعویٰ کرتے ہیں۔

قوم کی بد قسمتی :

بدقسمتی سے جدید مفکرین، تجدد پسند مصنفین، بعض عصری تحریکوں اور جماعتوں کے ذمہ دارو متعلقین میں بعض حضرات ایسے بھی ہیں جنہیں باقاعدہ اور باضابطہ طور پر قرآن وحدیث پڑھنے اور فقہ وقانون کے ماہر علماءِ اُمت کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کرنے کے بجائے سکول، کالجز اور یونیورسٹیوں کے ناتمام، ناقص اور سرکاری نصابوں میں اسلامی تعلیمات کی ناقص جھلکیاں دکھائی گئیں اور جو اپنی ذاتی محنت اور مشقت سے اپنے پسندیدہ موضوعات سے متعلق کافی مواد جمع کر لیتے ہیں اور اپنی تقریری اور تحریری صلاحیتوں کی بدولت اسے جس رنگ میں چاہتے ہیں قوم کے سامنے رکھ دیتے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جن کا ظاہر باطن سے زیادہ مطہر اور جن کا نظریہ، عمل سے زیادہ حسین اور جن کے الفاظ، کردار سے زیادہ جاذبِ نظر ہیں۔

مغربی افکار وتہذیب کی نحوستیں :

چاہیے تو یہ تھا کہ اسلاف اور اکابر اسلام، ائمہ اُمت، ائمہ اربعہ اور بالخصوص ائمہ احناف نے وضع قوانین، تدوین وتشکیلِ دستور، نئے پیش آمدہ مسائل کو حل کرنے کے لئے مسلّم ضوابط وشرائط اور اُصول وقواعد کے جو واضح اور بے غبار نشانِ راہ قائم کئے ہیں۔ ان سے سرمو انحراف کئے بغیر اس جدید دور کے تقاضوں کو ملحوظ رکھ کر دعوت وتبلیغ اور اشاعت و اقامتِ دین کا کام کیا جاتا۔

مگر کیا کیا جائے مغربی تہذیب اور مغربی تعلیمات وافکار کی ایک نحوست یہ بھی ظاہر ہو رہی ہے کہ دین کے عنوان سے بے دینی، اسلام کے نام سے کفر اور اجتہاد کی دعوت سے الحاد کی دعوت کو فروغ حاصل ہو رہا ہے۔ شرعی حقائق اور مسائل سے ناواقفیت کی بنا پر عوام الناس بالخصوص باذوق اور دینی درد سے سرشار جدید تعلیم یافتہ احباب ایسے جال میں

جلد پھنس جاتے ہیں۔ اسلاف سے کٹ جاتے ہیں۔ اخلاف کو سب کچھ سمجھ لیتے ہیں۔ دین کے مزاج و روح سے بے خبر اور نا آشنا رہ کر، ظاہر محض، الفاظ اور خوشنما نظریات کی مالا جپتے اور اسے اسلامی تعلیمات کا معراج اور مقصد زندگی سمجھ لیتے ہیں۔ جن کے پاس زمانے کو بدلنے کا پیغام اور نظام ہے۔ وہ زمانے کی رو میں بہہ کر خود بدل جاتے ہیں

ناز کیا اس پہ کہ بدلا ہے زمانے نے تجھے
مرد وہ ہیں جو زمانے کو بدل دیتے ہیں

فتنوں کا سرچشمہ:

قادیانیت، پرویزیت، انکار قرآن، انکار حدیث، انکار فقہ، اسلاف بیزاری، اعتمادی، ائمہ امت کے اصول وضوابط اور تقلید و اتباع سے آزادی اور اسی نوع کی جتنی تحریکیں اور فتنے مسلمانوں میں اٹھے، سب کا سرچشمہ ایک ہی ہے کہ امام ابوحنیفہ، امام مالکؒ، امام شافعی اور امام احمد بن حنبلؒ دین کے مزاج، اسلامی دستور کی روح اور اسلامی تعلیمات کے اصل جوہر تک نہیں پہنچ سکے۔

قرآن و حدیث سے ان کے مستنبط کردہ اجتہادی مسائل اور اصول وقواعد اس جدید دور کے اقامت دین اور دعوت و تبلیغ کا کام کرنے والوں کے لئے ناکافی ہیں۔ چنانچہ اس دور میں بھی ان کی تعلیمات اور اصول سے بے نیاز رہ کر اجتہاد مطلق کی صلاحیت رکھنے والی شخصیات بقول ان کے امام ابن تیمیہ، شاہ ولی اللہ، علامہ ڈاکٹر اقبال اور بزعم خویش ڈاکٹر اسرار احمد جب ضرورت سمجھیں اجتہاد مطلق کا دروازہ کھول کر جدید دور کے لئے جدید اسلام کا تحفہ پیش کر سکتے ہیں۔

دو مقالے اور ان کا پس منظر:

وقتاً فوقتاً ایسی آوازیں اٹھتی ہیں، ایسی تحریکیں چلتی ہیں، ایسی دعوتیں پھیلتی ہیں

مگر یہ سب کچھ بحمد اللہ علماءِ حق اور اہل اسلام کے دفاع، ان کے دلائل و براہین اور حق و صداقت کے مقابلے میں ریت کی دیوار ثابت ہوتے ہیں۔ ہماری اس کتاب دفاع ابوحنیفہ میں، اس باب کے اضافہ کا سبب اور پس منظر کچھ ایسے ہی واقعات ہیں، جن کی وجہ سے احقر نے فقہ و اجتہاد، فقہی حدود، ائمہ اربعہ کے اُصول و قواعد، چاروں فقہی دبستانوں میں اجتہادِ مطلق کی حیثیت، اس کے فوائد و مضرات پر دو مقالے لکھے تھے۔

پہلا مقالہ جناب جسٹس ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن صاحب چیئرمین اسلامی نظریاتی کونسل پاکستان کے ایک طویل مقالے کے جواب میں لکھا تھا، جو انہوں نے اجتہاد کے عنوان سے اولاً زرعی یونیورسٹی پشاور میں پڑھا۔ بعد میں روزنامہ نوائے وقت ۲۵؍دسمبر ۱۹۸۱ء کے ملّی ایڈیشن میں شائع ہوا جس میں موصوف نے لکھا تھا:

''اجتہادِ مطلق کا دروازہ درحقیقت سیاسی اسباب کی بنا پر بند کیا گیا تھا۔ اس مقالہ میں موصوف نے اجتہادِ مطلق کا دعویٰ کرنے کا اولاً علامہ ابن تیمیہؒ، ثانیاً حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور ثالثاً علامہ اقبال مرحوم کو استحقاق دیا تھا۔

احقر کا دوسرا مقالہ، جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب امیر تنظیم اسلامی و بانی انجمن خدام القرآن لاہور کے ایک طویل ترین مضمون کے جواب میں لکھا گیا جو انہوں نے اپنے ماہنامہ میثاق ۱۹۸۴ء کے شمارے میں شائع کر کے ملک بھر کے علماء کے پاس برائے تبصرہ و تنقید بھیجا۔

ڈاکٹر صاحب موصوف نے اپنی اس تحریر میں اجتہادِ مطلق کی ضرورت کے علاوہ پانچ کے دائرے میں ایک نیا نیم تقلیدی مذہب پیش کیا۔ چاروں فقہی مکاتبِ فکر کو ختم کر کے ایک فقہی مسلک پر اُمت کو مجتمع کرنے کے پروگرام کا اعلان فرمایا۔ نیز مستقبل قریب کی کسی شخصیت کو اجتہادِ مطلق کی دعوت دی۔

احقر کا پہلا مقالہ ماہنامہ ''الحق'' اپریل ۱۹۸۲ء اکوڑہ خٹک، دوسرا مقالہ ماہنامہ

الخیر ملتان نومبر ۱۹۸۴ء میں شائع ہوا۔ (احقر کی یہ دونوں تحریریں وقت کی اہم ضرورت ثابت ہوئیں۔ دوسرے مقالے کو خاصی اہمیت دی گئی۔ چنانچہ مدیر الخیر جناب مولانا محمد ازہر صاحب نے احقر کی تحریر کے حوالے سے اسی شمارہ میں کشفِ اسرار کے عنوان سے ایک جامع مضمون لکھا۔

''موصوف احقر کی تحریر کے بارے میں اپنے مضمون کے ابتداء میں رقمطراز ہیں۔ محرم الحرام ۱۴۰۵ھ بمطابق اکتوبر ۱۹۸۴ء کے شمارہ الخیر کی کاپیاں پریس میں جا رہی تھیں تو مجھے برادرم مولانا عبد القیوم حقانی صاحب مدرس دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کا ایک مضمون موصول ہوا، جس میں موصوف نے تنظیم اسلامی کے قائد جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے ایک تازہ خطاب پر ناقدانہ تبصرہ کیا تھا۔ میں نے الخیر کے مخصوص مزاج اور محتاط طرزِ عمل کے پیش نظر اس کی اشاعت کو التواء میں رکھا۔ تقریباً ایک ہفتے کے بعد ماہنامہ میثاق کے اگست اور ستمبر کے پرچے موصول ہوئے۔ ستمبر کے پرچے میں ڈاکٹر صاحب کا وہ طویل خطاب بھی درج تھا جو مولانا عبد القیوم حقانی اور دیگر علماء کی نظر میں قابلِ اصلاح اور متنازعہ فیہ ہے۔ پرچوں کے ساتھ ان پر تبصرہ کرنے کا ایک مکتوب بھی موصول ہوا۔ اس کے بعد میں نے ڈاکٹر صاحب کے خطاب اور حقانی صاحب کی تنقید کا تفصیلی مطالعہ کیا۔ حقانی صاحب نے سنجیدہ لب ولہجہ اور عالمانہ وقار کے ساتھ ایک مناسب تبصرہ فرمایا تھا، چنانچہ کچھ مصلحانہ اندازِ بیان اور کچھ تنظیم اسلامی کی اپنی خواہش کی وجہ سے اس تبصرے کی اشاعت کا فیصلہ کر دیا گیا۔ جو اسی اشاعت میں دوسری جگہ نذرِ قارئین ہے''۔ (ماہنامہ الخیر نومبر ۱۹۸۴ء)

بعد میں برادرم مولانا محمد ازہر صاحب نے اپنے اور میرے دونوں مقالوں کو کتابی شکل میں شائع کر دیا۔ ماہنامہ بیّنات کراچی کے مدیر مولانا محمد یوسف لدھیانوی نے بھی اپنی ادارتی تحریر میں احقر کے مضمون کو اہمیت دی اور وقت کی ضرورت قرار دیا۔

(بیّنات فروری ۱۹۸۵ء)

چور دروازے بند کرنے کی ضرورت :

ذیل میں وہی دونوں مضامین قدرے تلخیص و اضافہ اور نئی ترتیب سے پیش کئے جا رہے ہیں، تا کہ اسلام کے قانونی (فقہی) نظام کا حدود اربعہ، اس کے روح و مزاج سے واقفیت حاصل ہو، جس کے تحفظ و استحکام اور ترویج و اشاعت کے لئے امام اعظم ابوحنیفہؒ اور دیگر ائمہ نے اپنی زندگیاں وقف کر دی تھیں۔

جس کے مطالعہ سے حقیقت واضح ہو جائے گی اور ایسے تمام چور دروازے بند ہو جائیں گے جن کے ذریعہ کوئی اس دور میں ابوحنیفہؒ یا امام شافعیؒ بننے کا خواب دیکھ رہا ہوں یا چاہتا ہو کہ میرے فاسد نظریات بھی فقہ حنفی کی طرح تمام عالم میں پھیل کر معمول بہا بن جائیں یا کوئی ایسی نئی پانچویں فقہ ترتیب دی جائے جس پر چاروں فقہی دبستانوں سے وابستہ لوگ اس کی پیروی کرنے لگیں۔ یا اب بھی اجتہادِ مطلق کا دروازہ کھلا رکھ کر کیمرج اور آکسفورڈ یونیورسٹی کے فضلاء کے ہاتھوں یا کسی علامہ، پروفیسر اور ڈاکٹر کے ہاتھوں اسلامی قوانین کو بازیچۂ اطفال بنا دیا جائے۔

ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے نئے خیالات ' نئے نظریات :

جناب ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن صاحب کے خیالات تو آپ نے گذشتہ صفحات میں پڑھ لئے۔ جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے اس سلسلہ میں جو گفتگو کی ہے، اسے بھی ذرا تفصیل سے ملاحظہ فرمائیے۔

''اللہ کرے مستقبل میں اللہ تعالیٰ کسی ایسی عظیم شخصیت کو کھڑا کردے جس کے تقویٰ، جس کے تدین، جس کے فہمِ دین، جس کی اصابتِ رائے، جس کے خلوص واخلاص پر اُمت کے بڑے حصے بالخصوص علماءِ حق کی اکثریت کا اجماع ہوجائے۔ تو وہ تمام فقہی مسالک میں عمیق غور وفکر کے بعد پوری للّٰہیت اور خداترسی کے ساتھ اُمت کو ایک فقہی مسلک پر مجتمع کردے۔ (ماہنامہ میثاق ص ۵۰ ستمبر ۱۹۸۷ء)

ہمارے سامنے فرقہ واریت کا محاذ ہے۔ اس فرقہ واریت کی شدت کم کرنے اور غیریت کو ختم کرنے کے لئے کوئی ایسی بنیاد، کوئی ایسی جڑ، کوئی ایسا مرکز درکار ہے جو ذہنی ہم آہنگی پیدا کرے، پھر یہی ذہنی ہم آہنگی لوگوں کے اندر آپس میں قرب اور وابستگی کا ذریعہ بنے۔ یہی مفہوم حبل اللہ کا ہے اور مراد قرآن مجید ہے۔ (میثاق ص ۲۳)

لاریب حبل اللہ اور قرآن مجید ہی واحد ایسا ذریعہ ہے جس پر تمام اُمت کو مجتمع کیا جاسکتا ہے، مگر ڈاکٹر صاحب کا اس عنوان سے جو اصل ہدف ہے، وہ بھی موصوف نے اسی مضمون میں واشگاف طور پر ظاہر کردیا ہے، چنانچہ تحریر فرماتے ہیں :

ان حضراتِ گرامی کو جو علمی میدان میں خدمتِ دین اور خدمتِ قرآن میں لگے ہوئے ہیں (جیسا کہ بزعمِ خود اس کا اوّلین مصداق خود ڈاکٹر صاحب موصوف بھی ہیں) میں (یعنی ڈاکٹر صاحب) نے ان کے لئے ایک نئی فقہی اصطلاح وضع کی ہے۔ میں اپنے بارے میں کہتا ہوں کہ میں نیم مقلد ہوں پانچ کا، صرف ایک کا نہیں (پانچوں کا بھی نیم مقلد جیسا کہ خود موصوف نے تصریح کردی ہے) چار تو اہلسنت کے متفق علیہ ائمہ اربعہ ہیں اور پانچویں امامِ بخاری، ان پانچ کے دائرے کے اندر اندر رہتے ہوئے اپنے لئے عافیت سمجھتا ہوں۔ (میثاق ص ۵۰)

ڈاکٹر صاحب نے اسی شمارے میں یہ بھی تحریر فرمایا کہ :

''میں نے ایک نئی فقہی اصطلاح وضع کی ہے اور میں اپنی بساط سے بڑھ کر ہمت

کر رہا ہوں۔ یہ اصطلاح میں نے اپنے فقہی موقف کے لئے وضع کی ہے۔ میں اپنے بارے میں کہتا ہوں کہ میں نیم مقلد ہوں، صرف ایک کا نہیں چار تو اہلسنت کے متفق علیہ ائمہ ہیں اور پانچویں امامِ بخاری، ان دائروں کے اندر اندر رہ کر جس کی رائے کو بھی اقرب الی السنّت اور اقرب الی الصواب سمجھتا ہوں، اس کی رائے کو ترجیح دیتا ہوں۔ (میثاق ستمبر)

اسراری نظریات کا خلاصہ :

جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحبؒ کے ارشادات کو بار بار پڑھیے، پھر اصل میثاق میں اس کی مزید تفصیل دیکھیے۔

ا۔ پانچ کے دائرے میں نیم تقلید کی نئی فقہی اصطلاح۔

ب۔ تمام فقہی مسالک میں عمیق غور وفکر کے بعد ان کو منسوخ کر کے ایک نئی فقہ پر تمام اُمت کو مجتمع کرنے کا پروگرام۔

ج۔ ایک عظیم شخصیت کو اشارہ جو اس دَور میں ائمہ اربعہ کے اُصول وقواعد سے بے نیاز ہو کر اجتہادِ مطلق کرے۔

یہ جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے خیالات کے مرکزی نقاط ہیں جبکہ جناب ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن صاحب صرف ایک نقطے کے داعی ہیں کہ اس دور میں بھی علامہ اقبال جیسی شخصیات کو اجتہادِ مطلق کی اجازت دی جاسکتی ہے۔

فلسفۂ نیم تقلید، اسلامی تعلیمات اور اس کے روح ومزاج کے سراسر خلاف ہے :

نیم تقلید اور وہ بھی پانچ کے دائرے میں، یہ فلسفہ نیا اور جمہورِ اُمت کے عقائد اور اسلاف کی تعلیمات اور اسلام کی روح ومزاج کے سراسر خلاف ہے۔

تقلید شخصی کا وجوب اہمیت اور ضرورت :

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ رقمطراز ہیں :

جب دوسری صدی کے اخیر میں دیکھا گیا کہ مذاہب مجتہدین بکثرت پیدا ہو گئے' بہت کم احکام ایسے باقی رہے، جن کے حرمت و جواز میں یا کراہت و استحباب وغیرہ میں اختلاف نہ رہا ہو۔ ادھر ابنائے زمانہ میں ہوا و ہوس کا غلبہ دیکھا (اور یہ بات آج سے بارہ سو سال قبل دوسری صدی ہجری کی ہے۔ پندرھویں صدی میں ہوا و ہوس کے غلبہ کا موازنہ اس دور سے کیجئے) وہ رخصتوں کو تلاش کرنے لگے، جس امام مجتہد کو جو مسئلہ اپنی خواہش کے مطابق ملا، اس کو اختیار کر لیا اور باقی کو پس پشت ڈال دیا۔ یہاں تک کہ اندیشہ ہو گیا کہ یہ دین متین خواہشات کا مجموعہ نہ بن جائے۔ اس زمانہ کے زیرک اور دور اندیش علماء نے اس بات کو محسوس کیا کہ اب تقلید غیر شخصی میں اتنے بڑے مفاسد پیدا ہو گئے ہیں اور آئندہ ان سے بڑے مفاسد کا اندیشہ ہے۔ اس لئے اس وقت مصلحتِ شرعی کا تقاضا یہ ہے کہ تقلید غیر شخصی سے لوگوں کو روکا جائے اور سب کو تقلید شخصی پر جمع کر دیا جائے۔ لہٰذا اس پر اجماع منعقد ہو گیا۔

علماءِ وقت نے بالا جماع یہ ضروری سمجھا کہ تقلید غیر شخصی سے لوگوں کو منع کیا جائے اور صرف تقلیدِ شخصی ہی واجب سمجھی جائے، ورنہ تقلید غیر شخصی کی آڑ میں لوگ اپنے نفس کے مقلد بن جائیں گے جو کہ باجماعِ اُمت حرام ہے۔ (جواہر الفقہ)

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ لکھتے ہیں :

دوسری صدی کے بعد لوگوں میں خاص خاص ائمہ کے مذاہب کی پابندی یعنی تقلید شخصی شروع ہوئی اور اس زمانہ میں یہی (الانصاف ص ۵۹) واجب تھی۔ (یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جو چیز پہلی اور دوسری صدی میں واجب نہ تھی، وہ تیسری صدی میں کیوں واجب

ہوگئی۔شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے اس کا جواب بھی تفصیل سے دیا ہے کہ:

''سلف کا دستور تھا کہ حدیث نہ لکھتے تھے،لیکن آج کل حدیث کا لکھنا واجب ہے کیونکہ حدیث دانی کا کتابوں کے سواذ ریعہ کوئی نہیں ہے۔سلف کا دستور تھا کہ فن نحو اور زبان دانی میں مشغول نہ ہوتے کیونکہ ان کی زبان عربی تھی ،ان کو ان فنون کی ضرورت نہ تھی۔ ہمارے زمانے میں عربی زبان کا جاننا ضروری ہوگیا ہے، کیونکہ عرب اوّل کا زمانہ دور ہوگیا، اس کی اور بھی مثالیں ہیں، اسی پر امام معیّن کی تقلید واجب ہونے کو قیاس کرلو۔(الانصاف)

کئی ائمہ کا مقلد یا نیم مقلد اپنی خواہش نفس کا مقلد رہے گا :

جن فتنوں کے سدّ باب کے لئے فقہا نے تقلید معیّن کو ضروری قرار دیا تھا۔اس کو چھوڑنے سے یکے بعد دیگرے وہی فتنے پھر سے دین میں داخل ہونا شروع ہوجائیں گے۔اقرب الی السنۃ اور اقرب الی الصواب کے الفاظ تو حسنِ کلام کے لئے ہیں۔مال اور انجام اقرب الی الھویٰ اور اقرب الی حظِ نفس ہی ہوگا۔پانچوں کا نیم مقلد ہر وقت اپنے نفس کی سہولت مفادات کے تحفظ ،مقاصد کے حصول اور نفع کی طلب میں پانچ کے دائرے میں گھومتا رہے گا، کئی ائمہ کا مقلد اور نیم مقلد، اپنی خواہش، اپنی عقل، اپنی رائے ،اپنی منفعت اور اپنے نفس کا مقلد رہے گا۔

مذہبی آزادی کے سنگین مضرات :

پانچ کے دائرے میں نیم تقلید کی فقہی اصطلاح ، نہ کسی فقہی مسلک اور فقہ کے چودہ سو سالہ تاریخی اور عظیم فقہی و علمی سرمائے میں اور نہ کسی عربی، اردو ڈکشنری میں ملی ہے۔ یہ اصطلاح پہلی دفعہ جناب ڈاکٹر صاحب موصوف سے سنی۔جناب ڈاکٹر صاحب کے ہاں بھی جن مسائل پر ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے۔وہ مسائل تو بلا چون وچرا مسلمات دین سے ہیں، لیکن جن مسائل میں اختلاف ہو، ان کے لئے موصوف نسخۂ نیم تقلید کو اکسیر قرار دیتے ہیں،

یعنی اختلافی مسائل میں یہ ضروری نہیں کہ کسی ایک امام کی تقلید کی جائے۔

اگر اسلام گریز اور آزادی پسند تعلیم یافتہ طبقہ کو یہ آزادی حاصل ہو جائے جب کہ جدید مشینی دور کی اختصار پسندی اور سہولت طبیعت ثانیہ بن چکی ہو، تو بلاشبہ ضعیف سے ضعیف قول بھی ''مفتیٰ بہ'' بن کر رہ جائے گا اور مردود سے مردود اقوال بھی درجۂ مقبول میں آ جائیں گے۔

(مثلاً امامِ مالکؒ کے ہاں اونٹ کا گوشت کھانا، شوافع کے نزدیک مس الذکر اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک مس المرأۃ ناقض الوضوء ہے، مگر ایسا شخص جو دسمبر اور جنوری کے سرد مہینوں میں ٹھنڈے پانی اور برفانی علاقوں میں قیام پذیر ہو، فطری سہولت پسندی کے ساتھ ساتھ اسے پانچ کے دائرے میں نیم تقلید کی آزادی بھی حاصل ہو، وہ شخص اونٹ کا گوشت کھانے، یا مس المرأۃ اور مس ذکر کے ارتکاب کی صورت میں اپنے مقتدا ائمہ کو چھوڑ کر احناف کے مسلک کو ترجیح دے گا۔

یا مثلاً ایک شخص نے وضو کیا، پھر اس کے جسم سے خون نکل آیا۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس کا وضو ٹوٹ گیا، لیکن اس نے اپنے استحقاقِ نیم تقلید اور جواز مذہبی آزادی سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے کہا کہ میں امام شافعیؒ کے مسلک پر عمل کروں گا، کیونکہ ان کے نزدیک خون نکلنے سے وضو نہیں ٹوٹتا، اب اگر وہ بلاتجدید وضو نماز پڑھتا ہے تو وہ نماز بالاجماع باطل ہے، مگر اسے اپنی مذہبی آزادی اور رائے کے گھمنڈ نے یہ باور کرا دیا ہے کہ جو کچھ کیا جا رہا ہے یہی عینِ اسلام ہے۔ عبادات کے علاوہ ایسی اجازتیں دینے سے معاملات اور اجتماعی زندگی بھی تعطل کا شکار ہو جائے گی۔

مثلاً اگر مشتری کسی زمین یا گھر کی بیع کرے تو امام شافعیؒ کے مذہب کا حوالہ دے کر شفعۂ جار کے لئے انکار پر زور دے گا اور اگر کل وہ مشتری خود شفیع بن جائے تو اپنی لالچ کے لئے پکا حنفی بن جائے گا اور یہ تو ناقابلِ انکار واقعات اور روزانہ کے مشاہدات ہیں ایک

حنفی جب اپنی منکوحہ کو بیک وقت طلاقِ ثلاثہ دے کر حنفی علماء سے مطلقہ کے مغلّظہ ہونے کا فتویٰ حاصل کر لیتا ہے، مگر اسی لحہ بارِ گراں، ضعف و ناتوانی، مشکلات اور فلسفۂ نیم تقلید کو آگے بڑھا کر اسے غیر مقلدین سے عدمِ وقوعِ طلاق کو فتویٰ بھی مل جاتا ہے جس کی وجہ سے وہ بلا نکاح کے حرام زندگی کو عین شریعت سمجھنے لگتا ہے)

انتقال من مذهبٍ الى مذهبٍ :

ایسی مذہبی آزادی سے سنگین مضرات اور بے پناہ مفاسد پیدا ہوتے ہیں، جس کی وجہ سے علماءِ حق نے تقلید شخصی کے وجوب اور انتقالِ من مذهب الى مذهب کو ناجائز قرار دیا ہے۔ صاحبِ دُرِ مختار نے لکھا ہے کہ ''ایسی جرأت کرنے والا مردود الشہادت ہے، عدالت میں اس کی گواہی قبول نہیں کی جاتی''۔ (درالمختار شرح درمختار ج ۴ ص ۴۲۴)

اور ایک دوسرے مقام میں یہ بھی فرمایا ہے کہ :

مجھے خطرہ ہے کہ ایسوں کا خاتمہ بالخیر نہ ہو، کیونکہ ایسا کرنا (یعنی دنیوی غرض اور من گھڑت دینی ضرورت سے انتقال من مذهب الىٰ مذهب) مذہبِ حق کا استخفاف ہے۔ (ردالمختار شرح درمختار ج ۳ ص ۲۰۸، ۲۰۹)

البتہ شدتِ ضرورت میں اس کو مرخص ٹھہرانا، ایک علیحدہ مسئلہ ہے، جس کو عام مسائل کے لئے دلیل نہیں بنایا جاسکتا۔ شدتِ ضرورت کی واقعیت اربابِ حل وعقد اور صاحبان علم وفضل کے تعین پر تسلیم کی جاسکتی ہے۔

حکیم الامت حضرت تھانویؒ کی ''الحیلة الناجزة'' نیم تقلید کے جواز کی دلیل نہیں ٹھہرائی جاسکتی۔

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ کا ارشاد :

ریحانۃ العصر حضرت العلامہ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ تحریر فرماتے

ہیں :

جہالت کے اس دَور میں علمِ دین کی جس قدر مٹی خراب نیم مولویوں کی جماعت سے ہو رہی ہے۔ اس کی مثال شاید چراغ لے کر ڈھونڈے سے بھی سابقہ قرون میں نہ مل سکے گی، جس کی واحد وجہ، اپنی فضیلت پر اعتماد، اپنی معلومات ناقصہ پر وثوق ہے، حالانکہ متأخرین فقہا نے اپنی رائے سے بھی فتویٰ دینے کی بھی اس زمانہ میں اجازت نہیں دی، بلکہ اس کے مثل سابقہ فتاویٰ میں سے حکم نقل کر دینے کی اجازت دی ہے مگر اس دور میں مسئلہ مسائل تو در کنار بڑی بڑی علمی تحقیق اپنے وجدان، اپنی سمجھ کی رہینِ منت بن گئی۔ (اختلاف الائمہ)

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کا ارشاد :

چونکہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی مذہبی آزادی کے دینی مضرات پر گہری نظر تھی۔ اس لئے تحریر فرماتے ہیں :

"ہمتیں کوتاہ ہو چکی ہیں، طبیعتوں میں چاہت آ چکی ہے اور ہر شخص کو اپنی رائے پر گھمنڈ ہے"۔ (حجۃ اللہ البالغہ)

"جاننا چاہئے کہ چاروں مذہبوں میں سے کسی کی تقلید میں بہت بڑی مصلحت ہے اور ان سے روگردانی میں بہت بڑا خسارہ۔ (عقد الجید)

محمد حسین بٹالوی کی حقیقت پسندی :

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے محمد حسین بٹالوی رئیس غیر مقلدین کا ایک قول ان کے رسالہ اشاعۃ السنہ سے نقل فرمایا ہے۔ جناب بٹالوی صاحب لکھتے ہیں :

"پچیس برس کے تجربہ سے ہم کو یہ بات معلوم ہوئی کہ جو لوگ بے علمی کے ساتھ مجتہدِ مطلق یا مطلق تقلید کے تارک بن جاتے ہیں، وہ آخر اسلام کو سلام کر بیٹھتے ہیں، ان میں

بعض عیسائی ہو جاتے ہیں اور بعض لامذہب جو کسی دین و مذہب کے پابند نہیں رہتے اور احکامِ شریعت سے فسق و خروج تو اس آزادی کا ادنیٰ نتیجہ ہے۔ (سبیل الرشاد)

مذہبی آزادی مختلف فتنوں اور فساد و الحاد کا ذریعہ ہے:

اور یہ واقعہ ہے اور دنیا کی عجیب تاریخ ہے کہ ہندوستان میں جتنے بھی بڑے بڑے فتنے پیدا ہوئے، ان سب کی تہہ میں ہمتوں کی کوتاہی، سہولت پسندی، اپنی رائے پر گھمنڈ، طبیعتوں میں چاہت اور مذہبی آزادی پائی جاتی ہے۔ اُمت مسلمہ کا سب سے بڑا فتنہ قادیانیت ہے، جس کے خلاف آج تک اُمت برسرِ پیکار ہے۔ یہ فتنہ بھی مذہب و تقلید سے آزادی کی پیداوار ہے۔ مرزا غلام احمد قادیانی کو نبی بنانے والا حکیم نور الدین بھیروی تھا۔ کسی امام کی تقلید سے بے نیاز اور مذہبی طور پر آزاد تھا۔ سر ظفر اللہ کا باپ غیر مقلد تھا۔ اس کی دوسری سیڑھی قادیانیت تھی۔ سر سید بھی غیر مقلد تھا۔ بہر حال ائمہ اربعہ کی تقلید سے بے نیازی اور مذہبی آزادی کا بڑے بڑے فتنوں میں ہاتھ ہے، علامہ زاہد الکوثری نے اس کی وجہ یہ بتائی کہ :ان لا مذهبيته قنطرة الالحاد۔

لامذہبیت (غیر مقلدیت اور مذہبی آزادی) الحاد کا پل ہے۔

غیر مقلد کی طبیعت آزاد اور مزاج بیباک ہوتا ہے۔ اسلم جیراج پوری بھی غیر مقلد تھا جس نے انکارِ حدیث کی بنیاد رکھی۔ غلام احمد پرویز منکر حدیث اسی کا شاگرد ہے۔

بہر حال اکابرِ اسلام اور اسلاف اُمت کے ٹھوس واضح حقیقت پر مبنی شواہد اور دلائل سے ہم نے جناب ڈاکٹر صاحب اور ان کی راہ چلنے والوں کو پانچ کے دائرے میں نیم تقلیدی مذہب اور تمام مسالک میں غور و فکر کے بعد تمام اُمت کو ایک فقہی مسلک پر مجتمع کرنے کے پروگرام کی شرعی حیثیت سے آگاہ کر دیا۔ اس فتنے کی سرکوبی میں مولانا محمد ازہر اور ان کے دینی جریدہ ماہنامہ الخیر کو یہ سبقت اور اوّلیت حاصل رہی، انہوں نے نہ صرف یہ کہ احقر کے

اس مقالہ کو شائع کر دیا، بلکہ خود بھی ایک گرانقدر تحریر لکھی اور پھر دونوں تحریروں کو کتابی شکل میں شائع کر کے تقسیم فرمایا۔

ڈاکٹر اسرار احمد اپنی ہٹ پر قائم رہے:

جناب ڈاکٹر اسرار احمد بجائے متنبہ ہونے کے اپنی ہٹ پر قائم رہے۔ دسمبر ۸۴ء کے شمارے میں اپنی طویل ادارتی تحریر میں میرے اس مقالے کا براہِ راست جواب لکھا۔ ہماری گذارشات کو تنگ نظری پر محمل کر کے خود کو دین کا عظیم داعی اور ملت کا عظیم بہی خواہ ظاہر کرتے ہوئے علماءِ اُمت سے مزید توسّع کی درخواست کی۔

جناب ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن صاحب بھی غالبًا اسی نظریہ توسع کے پیشِ نظر جناب علامہ اقبال مرحوم اور اس زمرے کے دوسرے اکابرِ ملت کو مقامِ اجتہادِ مطلق پر فائز کرنا چاہتے ہیں اور جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب بھی مستقبل قریب میں کسی شخصیت (شاید بزعم خود وہ اس کے مستحق ہوں) کو اجتہادِ مطلق کی اجازت دے کر مسالک فقہیہ سے ایک مجموعی مسلک بنانے اور اُمت کو اسی پر مجتمع کرنے کا پروگرام رکھتے ہیں۔

حیرت ابوالعجبی یہ کہ ایسوں کا کیا کیا جائے، جنہیں قرآن و حدیث اور ائمہ و فقہاء کے عبارات وارشادات کے سمجھنے کی صلاحیت و استعداد تو کجا حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی اردو تصنیف ''آبِ حیات'' کے چار صفحے تک بھی سمجھ کر پڑھنا نہ آ سکتا ہو۔ (جناب ڈاکٹر صاحب کی خدمت میں بہ لب ادب خیر خواہانہ مشورہ عرض ہے کہ ''آبِ حیات'' دیکھنا خود شناسی کی بہترین کسوٹی ہے، خدا کرے کہ انہیں اس کا بھی موقع مل جائے)

انہیں اصرار ہے کہ مسلمان ان کے فلسفہ نیم تقلید کو تسلیم کریں اور انہیں بھی ان کے مفروضہ نظریۂ توسّع کے پیشِ نظر امام ابوحنیفہؒ اور دیگر ائمہ ثلاثہ کی طرح اجتہادِ مطلق کی اجازت دیں تاکہ یہ لوگ بگٹٹ قسم کی دلیل بازی اور دین کے اجماعی مسائل کو بے باک

بحثوں اور بے نہایت مطالبوں کا تختۂ مشق بنالیں۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے ایسے موقع کے لئے ارشاد فرمایا تھا، ان کا ارشادِ گرامی ایک بار پھر ملاحظہ ہو :

''ہمتیں کوتاہ ہوچکی ہیں، طبیعتوں میں چاہت آ گئی ہے اور ہر شخص کو اپنی ہی رائے پر گھمنڈ ہے''۔ (حجۃ اللہ البالغہ)

ائمۂ اربعہ کے بعد اجتہادِ مطلق :

پانچوں کے دائرے میں نیم تقلید کا فقہی مسلک، اور چاروں فقہی مسالک میں عمیق فکر و تدبر کے بعد ایک فقہی مسلک پر مجتمع کرنے کا پروگرام پیش کرنے کے بعد بے دھڑک اور بغیر کسی تردد کے ''اجتہادِ مطلق'' کا استحقاق طلب نہ کیا جاتا تو تعجب ہوتا۔ یہ تیسرا مرحلہ، پہلے دونوں مرحلوں کا لازمی نتیجہ ہے، جس پر جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب پہنچنا چاہتے ہیں۔ ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن صاحب نے بھی ایسوں کے لئے راہ کھول دی ہے۔

اجتہادِ مطلق کی تکمیل :

دراصل واقعہ یہ ہے کہ منظم فقہی مکاتب کے فکری تسلّط کے بعد اجتہاد کی یہ نوعِ مخصوص (اجتہادِ مطلق) جو استنباط علل اور اجتہاد فی الدین سے تعلق رکھتی ہے، قدرت کی طرف سے اس کی صلاحیت ختم کردی گئی اور یہ دروازہ اس لئے بند کردیا کہ فی الواقع اس کی ضرورت ہی باقی نہیں رہی۔

ائمہ کرام نے اپنی خداداد عظیم صلاحیتوں سے اجتہاد کی اس نوع کو اس حد تک مکمل کردیا ہے کہ آئندہ اس سے نفع اُٹھانے کی صورت تو باقی رہ جاتی ہے، مگر اس میں مزید تحقیق وتلاش کا موقع باقی نہیں رہتا۔

حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب تحریر فرماتے ہیں :

یہ ایک قدرتی اُصول ہے کہ جو مقصد دنیا میں مکمل ہو جاتا ہے، اس کی متعلقہ قوت بھی ختم کر دی جاتی ہے۔ (اجتہاد و تقلید)

اجتہادِ مطلق چوتھی صدی میں بند ہو گیا :

شیخ الفقہ مولانا اعزاز علی صاحب کنز الدقائق کے مقدمہ میں تحریر فرماتے ہیں :

''علامہ ابنِ صلاح لکھتے ہیں کہ اجتہادِ مطلق تین سو سال سے بند ہو چکا ہے''۔

جب کہ علامہ ابنِ صلاح ساتویں صدی ہجری میں گذرے ہیں تو گویا اجتہادِ مطلق چوتھی صدی ہجری میں بند ہو چکا ہے۔ علامہ ابن صلاح نے بعض اُصولیین سے یہاں تک نقل کیا ہے کہ : ''امامِ شافعی کے بعد کوئی مجتہد مستقل نہیں ہوا''۔

یہاں پر اس امر کی وضاحت ضروری ہے کہ جب ائمہ کرام نے اُمہاتِ مسائل کو تحقیق تنقیح کے بعد باب وار مدوّن فرمایا تو قدرتی عوامل کے تحت وہ خاص قوتِ فہم بھی گھٹنی شروع ہو گئی کیونکہ اب اس کی ضرورت ہی باقی نہیں رہی تھی۔ اس لئے اجتہاد کی وہ نوع جس کا تعلق استخراجِ علل و استنباطِ مسائل سے ہے، خود بخود ختم ہو گئی۔

علامہ ابن تیمیہؒ، شاہ ولی اللہؒ، علامہ اقبالؒ کے علاوہ ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی مشارٌ الیہ شخصیت اپنی اپنی جگہ عظیم علمی اور روحانی شخصیتیں ہیں، ہمیں اس وقت ان کی علمی خدمات اور دینی مقام سے بحث نہیں کرنی بلکہ بتانا یہ ہے کہ جب اجتہادِ مطلق کا دروازہ ہی بند ہو گیا اور اس کی صلاحیت بھی مفقود ہو گئی تو اب کسی کو یہ حق دینا کہ وہ اجتہادِ مطلق کا دعویٰ کرے تو اسے تسلیم بھی کر لیا جائے۔ بہت بڑے اور عظیم مفاسد کا پیش خیمہ اور دین و شریعت کے اُصولوں اور اسلامی قوانین کو بازیچۂ اطفال بنانے کے مترادف ہے، جس کی تفصیل آگے آ رہی ہے اور کسی حد تک اس باب کے گذشتہ مباحث میں بھی ایک جھلک دیکھ لی گئی ہے۔

روایت ودرایت کو مزید تکمیل کی حاجت نہیں :

ا۔ اسلام میں روایت و درایت (جن کا تعلق حفظ اور فہم سے ہے) کو دو بنیادی ستونوں کی حیثیت حاصل ہے۔ روایتی حصہ کی تکمیل کے وقت اللہ تعالیٰ نے حضرات محدثین کو کرامتاً اور خرقِ عادت کے طور پر بے پناہ قوتِ حافظہ سے نوازا کہ ایک ایک محدث کو لاکھوں کی تعداد میں احادیث، متونِ حدیث، اسانید ورجال ان کے اسماء، سوانح اور صفات ازبر ہوتے تھے۔ ان ہی کے سینوں سے مدوّن ومنضبط ہوئے، جب محیر العقول قوتِ حافظہ کا کام پورا ہوگیا، جو اُمتِ محمدیہ ﷺ کو بطورِ اعجاز دیا گیا۔ تو قدرتی عوامل کے تحت وہ قوت حافظہ بھی گھٹتی چلی گئی۔ یہاں تک کہ آج جنسِ حافظہ کے موجود ہونے کے باوجود قوتِ حافظہ مفقود ہے۔

ب۔ جب اسلام کے درایتی حصہ کی تکمیل شروع ہوئی تو باری تعالیٰ نے اُمت میں ایسے اربابِ درایت وفقہ اور ائمہ اجتہاد پیدا فرمائے اور خرقِ عادت کے طور پر قرآن و حدیث سے نہ صرف یہ کہ مسائل کا استنباط کیا بلکہ وجوہِ استنباط، کیفیتِ استنباط اور جزئیات سے ارتباط پر علی وجہ البصیرت روشنی ڈالی۔ جب دین کا فقہ اسلامی قوانین اور دستوری ضابطے ائمہ کرام کے ہاتھوں اپنی مکمل صورت میں باب وار آئینی شکل میں مدوّن ہوگئے۔ تو قدرتی عوامل کے تحت وہ خاص قوتِ فہم بھی گھٹتی چلی گئی حتیٰ کہ آج نہ تو اجتہادِ مطلق کی ضرورت باقی رہی اور نہ ہی ویسی فہم نصیب ہوئی، لہٰذا اسلام کے ہر دو بنیادی ستونوں 'روایت ودرایت کو مزید کسی تکمیل کی حاجت باقی نہیں رہی۔

ملکہ اجتہاد وہبی ہے کسبی نہیں :

اس عنوان پر حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ نے تفصیلاً لکھا ہے، تلخیصاً پیشِ خدمت ہے۔

یہ فہم یعنی اجتہاد کوئی اکتسابی چیز یا فن نہیں ہے، جسے محنت سے حاصل کرلیا جائے بلکہ وہ ملکہ ایک عطاءِ الٰہی ہے، جو خاص خاص افرادِ اُمت کو عطا ہوتا ہے۔ بعینہٖ اسی طرح جیسے رسالت و نبوت کوئی فن نہیں کہ جس کا جی چاہے محنت کر کے نبی بن جائے۔ چنانچہ قرآن میں رسالت کے بارے میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسٰلَتَهٗ. (الانعام: ۱۲۴) اللہ ہی بہتر جانتا ہے جہاں اپنی رسالت رکھتا ہے۔

صاحبِ فہم و صاحبِ علم اسرار و حقائق کے بارہ میں حضرت خضرؑ کا واقعہ ارشاد فرمایا:

وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا۔ (الکہف: ۶۵) ہم نے انہیں (خضرؑ) کو اپنے پاس سے مخصوص علم دیا۔

غرض دونوں اُمور یعنی علم نبوت اور علمِ حقیقت کو اپنی طرف منسوب فرما کر اشارہ فرمادیا گیا ہے کہ علم کا یہ مرتبہ اکتسابی نہیں بلکہ موہبتِ خداوندی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ جب قرنِ اوّل میں اجتہاد و قیاس کا دروازہ کھلا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ میں سے بعض کے اجتہاد کو ردّ فرمایا جس کی نظیر ابوداؤد میں زخم رسیدہ شخص کو احتلام کی بنا پر صحابہؓ کا غسل دینا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ناگواری کا اظہار کرنا ہے یا بخاری میں عدی بن حاتم کا واقعہ کہ انہوں نے قرآن کے الفاظ ''خیط ابیض اور خیط اسود'' سے سیاہ و سفید ڈورے سمجھ لئے تھے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے برنگ مزاح ''تمہارا تکیہ بڑا لمبا چوڑا'' ہے فرما کر ان کے اجتہاد کو ردّ فرمادیا۔

جب صحابہ کرامؓ میں نہ ہر ایک مجتہد ہے اور نہ ہر ایک کی رائے و قیاس پایۂ اعتبار تک پہنچ سکتی ہے، جب تک وہبی طور پر فہم و ذوق کا ملکۂ خاص عطا نہ ہو جو شارع علیہ السلام کی نظر میں متعین ہے تو آج کس طرح ہر پروفیسر، گریجویٹ اور ڈاکٹر وغیرہ کے اَفہام کو

معتبر اور حدِ اجتہاد تک پہنچا ہوا تسلیم کرلیا جائے۔(اجتہاد وتقلید)

بہر حال بتایا یہ جا رہا ہے کہ دین میں نص نہ ہونے یا متعین الوجہ نہ ہونے یا غیر معلول نہ ہونے کی صورت میں اجتہاد و قیاس جائز ہے جب کہ اس کے لئے افراد من جانب اللہ منتخب اور مخصوص ہوتے ہیں ہر کس و ناکس اس کا اہل نہیں۔

ہمیں تعجب ہے کہ جب اجتہادی قوت کا ملکہ بھی وہی ہے اور چوتھی صدی ہجری سے نہ اجتہادِ مطلق کی ضرورت رہی اور نہ وہ صلاحیت، تو پھر ان کو آخر اس بات کی ضرورت کیوں پڑی اور جناب ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن صاحب کو یہ شہ سرخی باندھنے کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی کہ :

''مطلق اجتہاد کا دروازہ درحقیقت سیاسی اسباب کی بنا پر بند کر دیا گیا تھا''۔

اور ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کو قرآن وحدیث کے کن اشارات نے یہ اسرار دئے کہ مستقبل قریب میں ایک مجتہد مطلق تمام فقہی مسالک میں عمیق غور وفکر کر کے سب کو ایک فقہی مسلک پر مجتمع کر دے۔

مجتہد مطلق کی دو قسمیں :

حضرت علامہ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ رقمطراز ہیں کہ :

رافعی، نووی وغیرہ بہت سے حضرات نے تصریح کی ہے۔''مجتہد مطلق'' کی دو قسمیں ہیں۔(۱) مجتہد مستقل (۲) مجتہد منتسب۔اور انؓ کے کلام سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مجتہد مستقل تین چیزوں میں ممتاز ہوتا ہے۔

۱۔ اُصول میں تصرف کرسکتا ہے جس پر اس کے مذہب کی بنا ہے۔

۲۔ آیات، احادیث اور آثار کا تتبع کرتا ہے۔ان مسائل کے لئے جو اس کو درپیش

ہیں اور ان میں متعارض دلائل میں سے راجح کو اختیار کرتا ہے اور ان ادلہ کے ماخذ پر متنبہ کرتا ہے۔

۳۔ ان نئے مسائل میں کلام کرتا ہے، جن میں اب تک کلام نہیں ہوا ہے۔ ان ہی ادلہ کی روشنی میں مجتہد منتسب وہ ہوتا ہے جو اُصول میں شیخ کا تابع ہو اور تتبع ادلہ میں شیخ کے کلام سے اکثر مدد لیتا ہو اور وہ اس کے باوجود احکام کو دلائل سے جانتا ہو اور ان ادلّہ سے احکام مستنبط کرنے پر قادر ہو۔

جو ان دونوں سے نیچا ہو، مجتہد فی المذہب کہلاتا ہے، وہ اپنے امام کا مقلد ہوتا ہے جس مسئلہ میں امام کی تصریح مل جائے لیکن وہ اپنے امام کے قواعد سے واقف ہوتا ہے، جن سے امام نے مسائل کا استنباط کیا، اگر ایسا مسئلہ پیش آتا ہے جس میں امام کی کوئی نص نہیں ملتی تو وہ اپنے امام کے قواعد پر اجتہاد کر لیتا ہے اور مسائل کی تخریج کرتا ہے۔

اجتہاد کے مرتبہ تک رسائی :

امامِ بخاریؒ کی ایک نصیحت اور وصیت مختلف کتابوں میں نقل ہوتی چلی آئی ہے۔ مقدمہ اوجز المسالک اور مقدمہ لامع الدراری میں بھی منقول ہوئی ہے۔ یہ وصیت امام بخاریؒ نے ایک کامل محدث کا مقام حاصل کرنے والے اور اس منصب کی تمنا کرنے والوں سے کی ہے، یاد رہے کہ ایک فقیہ اور مجتہد اور پھر مجتہد مطلق کا مرتبہ اس سے بڑھ کر ہے۔ ارشاد فرمایا :

"آدمی کامل محدث اس وقت تک نہیں بن سکتا جب تک کہ چار چیزوں کو چار چیزوں کے ساتھ ایسا لکھے جیسے چار چیزیں، چار چیزوں کے ساتھ، مثل چار چیزوں کے، چار زمانوں میں، چار حالات کے ساتھ، چار مقامات میں، چار چیزوں پر، چار نوع کے اشخاص سے، چار اغراض

کے لئے اور سب چوکڑے پورے نہیں ہو سکتے، مگر چار چیزوں کے ساتھ ، جو دوسرے چار کے ساتھ ہوں اور جب یہ سب پورے ہو جائیں تو اس پر چار چیزیں سہل ہو جاتی ہیں اور چار مصائب کے ساتھ مبتلا ہو جاتا ہے اور جب ان پر صبر کرلے تو حق تعالیٰ چار چیزوں کے ساتھ دنیا میں اکرام فرماتے ہیں اور چار چیزیں آخرت میں نصیب فرماتے ہیں پھر ان چوکڑوں کی تفسیر اور تشریح کرتے ہوئے امام بخاریؒ نے فرمایا :

وہ چار جن کے لکھنے کی ضرورت پڑتی ہے۔(۱) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودہ احادیث اور احکامات، (۲) صحابہؓ کے ارشادات اور ان کے مراتب، (۳) تابعین کے فرمودات اور حالات۔(۴) جملہ علماءِ رواۃ کے حالات اور ان کی تاریخ۔ان کے ساتھ یہ چار چیزیں بھی لکھے۔احادیث کے (۱) اسماء الرجال، (۲) ان کی کنیتیں، (۳) ان کے اپنے مقامات اور (۴) ان کے پیدائش اور وفات کے زمانے۔یہ ایسے لازمی ہیں، جیسے خطبہ کے ساتھ (۱) حمد وثنا، (۲) رسولوں کے ساتھ صلواۃ ودعا، (۳) سورت کے ساتھ بسم اللہ اور (۴) نماز کے ساتھ تکبیر (مثل چار چیزوں کے) جیسے (۱) مسندات، (۲) مراسلات، (۳) موقوفات اور (۴) مقطوعات (چار زمانوں میں) یعنی (۱) بچپن میں، (۲) قریب البلوغ زمانے میں، (۳) شباب میں اور (۴) کہولت میں (چار حالات میں) یعنی (۱) مشغولی کے وقت، (۲) فراغت کے وقت، (۳) تنگی میں اور (۴) تونگری میں ......

غرض ہر حالت میں علم کی دُھن غالب ہو (چار مقامات میں) یعنی (۱) پہاڑوں پر، (۲) دریاؤں میں، (۳) شہروں میں اور (۴)

جنگلوں میں۔ (چار چیزوں پر لکھتا رہے) یعنی (۱) پتھروں پر، (۲) سیپوں پر، (۳) چمڑے پر، (۴) ہڈیوں پر۔ (اور جن چار سے حاصل کرے) یعنی (۱) اپنے سے بڑے، (۲) چھوٹے، (۳) ہم عمر اور (۴) اپنے باپ کی کتابوں سے۔ (چار چیزوں کی نیت سے) (۱) اللہ تعالیٰ کی رضا کے واسطے، (۲) عمل کی نیت سے، (۳) طلبا اور شائقین تک پہنچائے اور (۴) تصنیف وتالیف کے ذریعہ آئندہ نسل کے لئے لائحۂ عمل چھوڑنے کی غرض سے، اور یہ نہیں حاصل ہوتے مگر چار چیزوں کے ساتھ جو بندہ کے کسبی ہیں۔ (۱) علم کتابت، (۲) علم لغت، (۳) علم صرف اور (۴) علم نحو اور یہ سب ایسی چار چیزوں پر موقوف ہیں جو صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطاءِ محض ہیں۔ (۱) صحت، (۲) قدرت، (۳) حرص التعلیم اور (۴) حافظہ۔ جب یہ حاصل ہو جائیں تو چار چیزیں حقیر ہو جاتی ہیں۔ (۱) اہل، (۲) اولاد، (۳) مال اور (۴) وطن۔ پھر چار مصائب میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ (۱) دشمنوں کی شماتت، (۲) دوستوں کی ملامت، (۳) جاہلوں کا طعنہ اور (۴) علماء کا حسد،

جب ان امتحانات پر انسان صبر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ چار چیزیں دنیا میں عطا فرمایا ہے۔ (۱) قناعت کے ساتھ عزت، (۲) کمالِ یقین کے ساتھ وقار و ہیبت، (۳) لذتِ علم (۴) دائمی زندگی۔ اور چار چیزیں آخرت میں عطا فرماتا ہے، (۱) شفاعت، (۲) عرش کا سایہ، (۳) حوضِ کوثر کا پانی، (۴) انبیا کا قرب، جو کچھ اپنے اکابر اور مشائخ سے سنا تھا مجملاً سب بتا دیا ہے“۔

شیخ الادب مولانا اعزاز علیؒ کا ارشاد :

شیخ الادب مولانا اعزاز علی صاحبؒ کنز الدقائق کے مقدمہ میں اجتہاد کی شرائط بیان کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں :

یہی شروط مجتہد کا آلۂ کار ہیں جو ان کے بغیر اجتہاد کا دعویٰ کرے، اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی بغیر سیڑھی کے آسمان پر چڑھنے کا دعویٰ کرے۔ اس کے بعد ضروری ہے کہ اس کو ان علوم کی مزاولت اور ادلّہ میں تامل کرنے کی وجہ سے ایسا ملکہ پیدا ہو جائے کہ جس سے وہ استنباطِ احکام ادلّہ سے کر سکے اور اس ملکہ کے بعد بھی ضروری ہے کہ وہ قواعد وضع کرے جن پر استنباطات اور تفریعات کی بنیاد رکھے جیسا کہ امامِ شافعی اور بقیہ ائمہ کے قواعد میں آگے لکھتے ہیں :

وھذہٖ القواعد التی اعجزت الناس عن بلوغ حقیقه مرتبة الاجتھاد۔
یہی قواعد ہیں جنہوں نے لوگوں کو اجتہاد کے مرتبہ تک پہنچنے سے عاجز کر رکھا ہے۔

جب علامہ سیوطیؒ نے اجتہاد کا دعویٰ کیا :

مولانا اعزاز علی صاحب لکھتے ہیں کہ علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے مع اپنی جلالتِ قدر کے جب اجتہاد کا دعویٰ کیا تو علامہ مناویؒ فرماتے ہیں کہ ان کے اس دعویٰ کے خلاف علماءِ عصر میں قیامت برپا ہو گئی اور مناظرہ کا چیلنج کیا تو اس سے انہوں نے انکار کر دیا۔

علامہ ابن حجر مکیؒ فرماتے ہیں کہ جب علامہ سیوطیؒ نے اجتہاد کا دعویٰ کیا تو سب علماء نے ان پر فوراً حملہ کیا اور ان کو ایسے مسائل کی ایک فہرست دی جو ذو وجہین تھے کہ اگر ان کو اجتہاد کا ادنیٰ درجہ بھی حاصل ہے تو اس میں جو راجح ہوں اس کے دلائل مجتہدین کے قواعد کی روشنی میں پیش کریں تو انہوں نے سوال کا پرچہ بغیر جواب کے واپس کر دیا اور یہ

عذر کیا کہ مجھے اشتغال کی وجہ سے فرصت نہیں۔اس کے بعد ابنِ حجرؒ فرماتے ہیں :

اس منصب کی مشکلات پر غور کرو کہ یہ تو اجتہاد کے ادنیٰ درجہ کا حال تھا۔اس سے واضح ہو چکا کہ جو شخص اس ادنیٰ درجہ اجتہاد کا دعویٰ کرے چہ جائیکہ مطلق اجتہاد تو ایسا شخص اپنے بارے میں حیرت میں ہے اور فسادِ فکر میں مبتلا ہے اور ایسا شخص اندھیرے میں ہاتھ پاؤں مار رہا ہے اور جس نے بھی اجتہادِ مطلق کے درجہ کو سمجھ لیا ہے، وہ اس زمانہ میں اجتہادِ مطلق کی نسبت کسی طرف کرنے سے شرمائے گا۔

صاحب البحر کے بارہ میں ائمہ کی تصریح :

مولانا اعزاز علی صاحب رقمطراز ہیں کہ :

ائمہ نے ''رویانی صاحب البحر'' کے بارہ میں تصریح کی ہے کہ وہ اصحابِ وجوہ میں سے نہیں تھے، حالانکہ رویانی فرمایا کرتے تھے کہ :

''اگر امام شافعیؒ کی روایات ضائع ہو جائیں تو میں انہیں یاد سے لکھوا دوں گا، تو جب یہ اکابر اجتہاد فی المذاہب کے اہل نہ ہو سکے تو وہ لوگ جو ان اکابر کی اکثر عبارات بھی اچھی طرح نہیں سمجھ سکتے کیسے اور کیونکر اس لائق ہیں کہ اس سے بھی اونچے درجہ ''اجتہادِ مطلق'' کا دعویٰ کریں۔ سُبْحَانَکَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ ۔

ائمہ اربعہ کے بعد کسی نے بھی ''اجتہادِ مطلق'' کا دعویٰ نہیں کیا :

علامہ شعرانی فرماتے ہیں کہ ائمہ اربعہ کے بعد کسی نے بھی اجتہادِ مطلق کا دعویٰ نہیں کیا سوائے امام ابنِ جریر کے مگر اس کو کسی نے قبول نہیں کیا۔

رہی یہ بات کہ ائمہ اربعہ کے بعد بھی کوئی مجتہد ہو سکتا ہے یا نہیں، تو علامہ شعرانی نے اس سلسلہ میں تصریح فرما دی ہے :

''ہاں امکان ضرور ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اور اس کے نہ ہو سکنے پر کوئی دلیل نہیں''۔

مولانا عبدالحیؒ فرماتے ہیں کہ :

''جو یہ دعویٰ کرے کہ ائمہ اربعہ کے بعد کوئی مجتہد نہیں ہو سکتا تو یہ غلط ہے، البتہ اگر یہ کہے کہ ائمہ اربعہ کے بعد کوئی ایسا مجتہد نہیں ہوا جس کے دعویٰ اجتہاد کو جمہور نے مانا ہو تو یہ مسلّم ہے''۔ (شریعت وطریقت)

اجتہادِ مطلق کے استعمال کے بُرے نتائج :

اجتہادِ مطلق کی صلاحیت اور قوت کے فقدان کے باوجود بھی اگر کسی کو اجتہاد کی اس نوع میں آزادی مل جائے تو پھر ہر وکیل، بیرسٹر اور ایڈیٹر خواندہ وناخواندہ مجتہدِ عصر ہو گا اور اسلام کی اصلی شکل بھی پہچانی مشکل ہو جائے گی۔

مثلاً جب یہ لوگ دیکھیں گے کہ مجتہدین نے بعض اوقات ظاہرِ نص کو چھوڑ کر باطنِ علت پر عمل کیا ہے تو اپنے لئے بھی یہی حق اجتہاد محفوظ رکھتے ہوئے وضو کے بارے میں یہ کہنے میں کوئی باک محسوس نہ کریں گے کہ

وضو کا حکم معلل ہے جس کی علت یہ تھی کہ عرب اونٹ، بکریاں چراتے تھے، ان کے ہاتھ پیر جانوروں کے بول وبراز کی چھینٹوں سے آلودہ ہو جاتے تھے۔ اس لئے وضو میں وہ اعضا رکھے گئے جن کی آلودگی عادۃً اکثر وبیشتر تھی۔ جب کہ ہم روزانہ غسل کرتے ہیں، محفوظ مکانوں میں رہتے ہیں، لہٰذا آلودگی موجود نہیں، بایں سبب جب علت منتفی ہوئی تو حکم وضو کا وجوب بھی منتفی ہوا۔

حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ رقمطراز ہیں :

''اس نوع کے اجتہادی مفاسد پیش آنے کی وجہ وہی ہے کہ تکوینی طور پر وہ استخراج

علل کی قوت (اجتہادِ مطلق کی صلاحیت) بوجہ انقضائے ضرورت کے ختم ہو چکی ہے''۔

گویا مطلق اجتہاد کا دروازہ تکوینی اُمور کی بنا پر بند کر دیا گیا جن کو سیاسی اسباب سے تعبیر کرنا کسی طرح بھی درست نہیں۔

یہاں اس امر کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ اجتہاد کی اس خاص نوع (اجتہادِ مطلق) کو چھوڑ کر محض جنسِ اتحاد آج بھی باقی ہے، بلکہ اجتہاد اسلام کی خصوصیت ہے۔ دوسرے ادیان و مذاہب میں نہ اجتہاد کا حکم ہے نہ اجتہاد کا اُصول۔ اسلام چونکہ یہ دینِ فطرت ہے. وہ انسانی ضروریات، احتیاجات پر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے مُہر نہیں لگانا چاہتا۔ بنیادی مسائل اور اُصولی قواعد تو بیشک ہر اعتبار سے تغیّر و تبدل سے آشنا نہیں ہو سکتے، لیکن اس کے باوجود اجتہاد کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔ اس لئے کہ زمانہ کے ساتھ ساتھ انسان کے احوال و کوائف میں بھی تبدیلی ہوتی رہتی ہے، ضروریات و احتیاجات بھی بدلتے رہتے ہیں، اس انقلابِ احوال کو اسلام نظر انداز نہیں کر سکتا تھا، اس لئے اجتہاد کی اجازت دی۔

لیکن اجتہاد کے کچھ شرائط ہیں ...... ہر شخص اجتہاد نہیں کر سکتا

مُجتہد کے لئے بھی کچھ شروط و قیود ہیں ...... ہر شخص مجتہد نہیں بن سکتا

مزید تفصیل کا یہ مقالہ متحمل نہیں۔

و صلی اللّٰہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہٖ محمدٍ وّ آلہٖ و صحبہٖ اجمعین۔

☆☆☆☆☆☆

کتابیات

دفاع حضرت امام ابوحنیفہؒ کی تالیف کے دوران تفسیر و حدیث، سیر و تاریخ اور فقہ و قانون کی جن اہم کتابوں سے مدد لی جاتی رہی اور ان کے حوالے بھی درج کیے جاتے رہے، ذیل میں ان مصادر و مراجع کے اسماء کی ایک فہرست پیشِ خدمت ہے۔

۱۔ قرآن مجید
۲۔ صحیح بخاری
۳۔ صحیح مسلم
۴۔ جامع ترمذی
۵۔ سنن ابوداؤد
۶۔ سنن ابن ماجہ
۷۔ سنن نسائی
۸۔ مناقب الامام للموفق
۹۔ مناقب الامام للذہبی
۱۰۔ فقہ الاسلام
۱۱۔ الجواہر المضیہ
۱۲۔ معجم المصنفین
۱۳۔ جامع المسانید
۱۴۔ نصب الرایہ
۱۵۔ مناقب الامام للکردری
۱۶۔ الانصاف
۱۷۔ اختلاف الائمہ
۱۸۔ حجۃ اللہ البالغہ
۱۹۔ عقد الجید
۲۰۔ سبیل الرشاد
۲۱۔ اشاعۃ السنہ
۲۲۔ اجتہاد و تقلید
۲۳۔ کنز الدقائق
۲۴۔ ہدایہ

۲۵۔طبقات ابن سعد
۲۶۔ابوحنیفہؒ کی سیاسی زندگی
۲۷۔احکام القرآن للجصاص
۲۸۔تاریخ بغداد للخطیب
۲۹۔مشکل الآثار
۳۰۔عمدۃ القاری
۳۱۔فتح الباری
۳۲۔فتاویٰ عالمگیریہ
۳۳۔کتاب الخراج لابی یوسف
۳۴۔الفہرست
۳۵۔کشف الظنون
۳۶۔درمختار
۳۷۔ردالمختار
۳۸۔السہم المصیب فی الرد علی الخطیب
۳۹۔کتاب التفرید
۴۰۔آبِ حیات
۴۱۔المدوّنۃ الکبریٰ
۴۲۔فتاویٰ تاتارخانیہ
۴۳۔مسند اسد بن ابی العوام
۴۴۔التذکرہ
۴۵۔المجلہ
۴۶۔اوثق العری
۴۷۔نیل الفرقدین
۴۸۔کشف الستر
۴۹۔بذل المجہود
۵۰۔انوار الباری
۵۱۔فتح الملہم
۵۲۔لامع الدراری
۵۳۔حقائق السنن
۵۴۔معارف السنن
۵۵۔کافی للحاکم الشہید
۵۶۔احیاء العلوم
۵۷۔جامع صغیر
۵۸۔جامع کبیر
۵۹۔مبسوط
۶۰۔مبسوط للسرخسی
۶۱۔تاریخ کامل
۶۲۔دیباج المذہب
۶۳۔کتاب المخول
۶۴۔میزان الکبریٰ للشعرانی
۶۵۔الانتصار لابن الجوزی
۶۶۔لمحات النظر فی سیرت الامام زفر
۶۷۔بلوغ الامانی فی سیرت الامام محمد بن حسن الشیبانی

۶۸۔حسن التقاضی فی سیرت الامام
ابی یوسف القاضی
۶۹۔الحادی فی سیرت الامام ابی جعفر الطحاوی
۷۰۔حقیقۃ الفقہ
۷۱۔وفیات الاعیان
۷۲۔تاج التراجم فی طبقات الحنفیہ
۷۳۔مسلم الثبوت
۷۴۔جامع بیان العلم
۷۵۔تذکرۃ الحفاظ
۷۶۔اعلاء السنن
۷۷۔السنۃ ومکانتہا فی التشریع الاسلامی
۷۸۔عقود الجمان
۷۹۔تہذیب التہذیب
۸۰۔تقریب التہذیب
۸۱۔حدائق الحنفیہ
۸۲۔الدرر المنیفہ فی ادلۃ ابی حنیفہ
۸۳۔خیرات الحسان
۸۴۔المحط
۸۵۔طبرانی تاریخ اصفہان
۸۶۔السراج المنیر
۸۷۔اتحاف النبلاء
۸۸۔سیرت النعمان
۸۹۔فیوض الحرمین
۹۰۔ریاض المرتاض
۹۱۔اوجز المسالک
۹۲۔معجم البلدان
۹۳۔تدریب الراوی
۹۴۔امام اعظم اور علم الحدیث
۹۵۔تاریخِ فقہ
۹۶۔تنسیق النظام
۹۷۔نزہۃ الخواطر
۹۸۔اوشحۃ الجید
۹۹۔شرح المسند للامام القاری
۱۰۰۔المغنی لابن قدامہ
۱۰۱۔تبیض الصحیفہ
۱۰۲۔تنقیح الانظار
۱۰۳۔تعلیقات علی التوضیح
۱۰۴۔مقدمہ ابن صلاح
۱۰۵۔تعجیل المنفعۃ برجال الائمۃ الاربعہ
۱۰۶۔الاعلان بالتوبیخ
۱۰۷۔الایثار بمعرفۃ رواۃ الآثار
۱۰۸۔اُصول فقہ للسرخسی
۱۰۹۔ابوحنیفہ از ابوزہرہ
۱۱۰۔امام اعظم ابوحنیفہ مفتی عزیز الرحمٰن

۱۱۱۔ کشف الاسرار شرح اُصول بزدوی
۱۱۲۔ عقود الجواہر
۱۱۳۔ کتاب الآثار
۱۱۴۔ بستان المحدثین
۱۱۵۔ التعلیقۃ المدیفہ علی مسند ابی حنیفہ
۱۱۶۔ توضیح الافکار
۱۱۷۔ تانیب الخطیب
۱۱۸۔ رسالہ رفع الیدین
۱۱۹۔ الروض الباسم
۱۲۰۔ ابن ماجہ اور علم الحدیث
۱۲۱۔ مناقب صدر الائمہ
۱۲۲۔ الانتقاء لابن عبدالبر
۱۲۳۔ اختصار علوم الحدیث
۱۲۴۔ نہایہ لابن اثیر
۱۲۵۔ تفسیر کبیر
۱۲۶۔ روح المعانی
۱۲۷۔ تفسیر ابن کثیر
۱۲۸۔ مشکوٰۃ المصابیح
۱۲۹۔ اُصولِ فقہ
۱۳۰۔ اسلامی دستور
۱۳۱۔ نہایۃ السوال
۱۳۲۔ سنن کبریٰ للبیہقی
۱۳۳۔ مستدرک حاکم
۱۳۴۔ مقام ابوحنیفہ
۱۳۵۔ الاحوال الصحیح فی جواب الجرح علی ابی حنیفہ
۱۳۶۔ مقدمہ فتح الملہم
۱۳۷۔ کتاب اختلاف الحدیث
۱۳۸۔ سننِ دارمی
۱۳۹۔ کنز العمال
۱۴۰۔ امام ابوحنیفہ اوران کے ناقدین
۱۴۱۔ فلسفہ تشریع فی الاسلام
۱۴۲۔ منہاج السنہ
۱۴۳۔ السیرۃ الکبریٰ
۱۴۴۔ مکتوباتِ امام ربانی
۱۴۵۔ کتاب الصراح
۱۴۶۔ مجمع البحار
۱۴۷۔ المغرب
۱۴۸۔ الملل والنحل
۱۴۹۔ مقدمہ ابن خلدون
۱۵۰۔ مبدا ومعاد
۱۵۱۔ المصنف عبدالرزاق
۱۵۲۔ شرح المسلم للنووی
۱۵۳۔ ازالۃ الخفاء
۱۵۴۔ اعلام الموقعین

۱۵۵۔احکام الاحکام
۱۵۶۔کتاب الامام للشافعی
۱۵۷۔طبقات ابن سعد
۱۵۸۔طبقات سبکی
۱۵۹۔معرفۃ علوم الحدیث
۱۶۰۔البدایہ والنہایہ
۱۶۱۔نخبۃ الفکر
۱۶۲۔مسند احمد
۱۶۳۔سیرت احمد
۱۶۴۔سیرت شامیہ
۱۶۵۔مسند خوارزمی
۱۶۶۔مسانید امام اعظم
۱۶۷۔طحطاوی
۱۶۸۔شرح سیر کبیر للسرخسی
۱۶۹۔الفوائد البہیہ فی تراجم الحنفیہ
۱۷۰۔ترجمان السنہ
۱۷۱۔ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک
۱۷۲۔ ہفت روزہ چٹان، لاہور
۱۷۳۔ماہنامہ البلاغ، کراچی
۱۷۴۔ماہنامہ بیّنات، کراچی
۱۷۵۔ماہنامہ الخیر، ملتان

ماہنامہ القاسم
کی دسویں
خصوصی اشاعت

تعارف و تبصرۂ کتب نمبر یعنی

حقانی تبصرے

2006ء میں ماہنامہ القاسم کو موصول ہونے والی تقریباً 200 جدید مطبوعات پر

مولانا عبدالقیوم حقانی کی قلم سے تبصرہ و تعارف

فروغِ علم و ادب' ذوقِ مطالعہ' اور ترویجِ کتاب کی ایک ادنیٰ سی کوشش' قرآنیات' تفسیر و حدیث' فقہ و احکام' حِکَم و مصالح' سیرت' خاندانِ نبوت' تذکارِ صحابہؓ' تذکرہ و تاریخ' سوانح' درسی کتب' تعلیقات و شروحات' مضامین' مقالات و مکتوبات' مواعظ و خطبات' رسائل و جرائد' خصوصی اشاعتیں' ادبیات اور ردِّ فرقِ باطلہ اور دیگر اہم موضوعات پر تیرہ (۱۳) ابواب پر مشتمل۔

اپنی نوعیت کی پہلی عظیم علمی دستاویز' رسائل و جرائد اور اسلامی صحافت کی دنیا میں پہلی منفرد کاوش

صفحات تقریباً 300' مضبوط جلد بندی' ہدیہ صرف 150 روپے۔ قارئین اگر 300 روپے یا اسی مالیت کی ڈاک ٹکٹ بھیج دیں تو مندرجہ بالا خصوصی اشاعت سمیت ایک سال کے لئے ماہنامہ القاسم بھی حاضرِ خدمت ہوتا رہے گا۔

ماہنامہ ''القاسم'' جامعہ ابوہریرہؓ برانچ پوسٹ آفس خالق آباد نوشہرہ سرحد پاکستان
فون : 0923-630237..........موبائل : 0333-9102770

توضیح السنن

شرح

آثار السنن للامام النیموی رح

(دو جلد مکمل)

تصنیف : مولانا عبدالقیوم حقانی

آثار السنن سے متعلق مولانا عبدالقیوم حقانی صاحب کی تدریسی، تحقیقی، درسی افادات اور نادر تحقیقات کا عظیم الشان علمی سرمایہ، علم حدیث اور فقہ سے متعلق مباحث کا شاہکار، مسلک احناف کے قطعی دلائل اور دلنشین تشریح، معرکۃ الآراء مباحث پر مدلل اور مفصل مقدمہ اور تحقیق تعلیقات اس پر مستزاد۔

کاغذ، کتابت، طباعت، جلد بندی اور اب نئے کمپیوٹرائزڈ چار رنگہ ٹائٹل، ہر لحاظ سے معیاری اور شاندار، اساتذہ، طلباء اور مدارس کے لئے خاص رعایت۔

صفحات : 1376 ......ریگزین ...... قیمت : 600روپے

القاسم اکیڈمی ' جامعہ ابوہریرہ

برانچ پوسٹ آفس، خالق آباد، ضلع نوشہرہ، سرحد، پاکستان

روئے زیبا ﷺ کی تابانیاں

مولانا عبدالقیوم حقانی

محبوبِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زُلفیں، اقسام واحکام، مانگ، تیل، کنگھی، سرمے، لباسِ مسنون واعتدال، لباسِ فقر وفاخرہ میں فرق، گذرانِ اوقات، مجموعۂ فقر وغنا اور روئے زیبا کے موضوع پر شمائل ترمذی کے اڑتالیس (۴۸) احادیث کی مفصل توضیح وتشریح ......

صفحات : 160 .... قیمت : -/75 روپے

القاسم اکیڈمی جامعہ ابوہریرہ برانچ پوسٹ آفس خالق آباد نوشہرہ
سرحد پاکستان ...... فون :630237(0923) فیکس : 630094

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جمالِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم

کا دلربا منظر

مولانا عبدالقیوم حقانی

محبوبِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا جلوۂ جہاں آراء چہرۂ انور کی صباحت وملاحت' جسمِ اطہر کی خوبصورتی' زلفوں' ناک' دہن' رخسار' کاندھوں' انگلیوں کے پوٹوں' دانتوں' جوڑوں' الغرض تمام اعضاء واندام کا تناسب ونورانیت' قد وقامت کا اعتدال' نگاہوں کا حسن وجمال' معتدل رفتار' خاندانی تفوق وامتیاز' محبوبیت اور ہیبت وجلال' مہر نبوت کا تعارف اور دلچسپ تفصیلات' شمائل ترمذی کی (۲۲) احادیث کی مفصل تشریح وتوضیح کی روشنی میں جمالِ محمد ﷺ کا حسین وایمان افروز اور دلربا منظر ......

صفحات : 206 .... قیمت : -/120 روپے

القاسم اکیڈمی جامعہ ابوہریرہ برانچ پوسٹ آفس خالق آباد نوشہرہ
سرحد پاکستان ...... فون :(0923)630237 فیکس : 630094

مولانا عبدالقیوم حقانی کی تصنیفات

اسلامی آداب زندگی

شرح شمائل ترمذی

امام اعظم ابو حنیفہ کے حیرت انگیز واقعات

توضیح السنن

الہدیٰ پرنٹرز
محلہ جنگی پشاور
091-2580182
0300-9187770